اپنی تلاش میں سرگرداں، تباہی و بربادی اور حسن و عشق کے دیوتا کی داستانِ عجیب

اپالو

(پہلا حصہ)

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی

علی میاں پبلی کیشنز

20-عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور

فون: 042-37247414



ڈاکٹر صابر علی ہاشمی تخلص: صابر

پیدائش: دسمبر 1967ء ضلع مظفر گڑھ پنجاب

تعلیم: بی ایس سی' ڈی۔ایچ۔ایم۔ایس' ڈی۔ٹی۔ایس (آرتھوڈونٹکس)

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی بنیادی طور پر نثر نگار ہیں' انہوں نے لکھنے کا آغاز اسکول کے زمانے سے ہی کر دیا تھا۔ ابتداء میں چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھیں جو بچوں کے مختلف رسائل میں شائع ہوئیں۔ کالج میں پہنچنے سے قبل ہی کراچی کے مختلف ڈائجسٹوں میں ان کی کہانیاں شائع ہونے لگیں' ان کے والد کا تعلق بھی صحافت سے تھا۔ جو اپنے وقت کے مقبول اخبار روزنامہ مساوات' ہفت روزہ صحافت' روزنامہ تلوار وغیرہ سے منسلک رہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کو رہنمائی اپنے گھر سے ہی ملی۔ وہ طبعزاد کہانیاں لکھنے کے ساتھ ساتھ تراجم بھی کرنے لگے۔

ایک معروف ادارے کے فلمی رسالے سے وابستہ ہو کر صحافتی زندگی کی ابتدا کی' فطری طور پر شاعر ہونے کی وجہ سے اکثر ادبی محفلوں میں شرکت کرنے لگے اور یوں اچھا خاصا کلام جمع ہو گیا اور ''گوشۂ قلب'' وجود میں آیا۔ کئی طویل کہانیاں تخلیق کر چکے ہیں' جن میں سے ''سوچ نگر کا مسافر'' اور ''تیاگی'' کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کئی ناول کتابی شکل میں آ چکے ہیں' کچھ تیاری کے مراحل میں ہیں۔ نوجوانوں کے لیے نفسیاتی مسائل اور ان کی رہنمائی پر بھی چند کتب تحریر کر چکے ہیں۔ اُردو الفاظ کی تحقیق سے متعلق ''لفظوں کا دلچسپ سفر'' کتابی شکل میں موجود ہے اور ''نوبل انعام یافتگان ...... ادیب و سائنس داں'' اور ان کے ادبی افسانوں کا مجموعہ ''آبگینہ'' کے نام سے بہت جلد شائع ہو رہے ہیں۔

کئی ملکی اور بین الاقوامی رسائل کی ادارت کے فرائض انجام دے چکے ہیں' جن میں پندرہ روزہ اخبار اقوام' پندرہ روزہ شرف' روزنامہ امت' ماہنامہ رابطہ' ماہنامہ عمران ڈائجسٹ وغیرہ شامل ہیں۔ ان دنوں ایک معروف اشاعتی ادارے سے منسلک ہیں۔

انہوں نے خود بھی ادبی ہفت روزہ ''قلمکار'' ماہنامہ ''بچے'' پندرہ روزہ ''شائننگ اسٹار'' کا اجرا کیا اور کامیابی حاصل کی۔ شعبۂ درس و تدریس سے بھی وابستہ رہے۔ آج کل بچوں کے لیے تدریسی کتب پر کام کر رہے ہیں۔ جن میں اُردو اور اسلامیات شامل ہے۔

ان کی تحریروں اور کلام میں جہاں رومان ہے' وہیں معاشی اور معاشرتی زندگی کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ ان کے ذہن اور وجود میں ایک بے چینی ہے' جس کا اظہار وہ اپنی تحریروں کے ذریعے کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنا کافی وقت معروف ادباء و شعراء کی محفلوں میں گزارا ہے اور اکثر اپنا وقت مطالعے میں گزارتے ہیں' وہ کہتے ہیں: ''طلسم ہوش رُبا اور گلستاں و بوستاں کے مطالعے کے بعد مجھ میں لکھنے کی تحریک پیدا ہوئی تھی۔'' یہ حقیقت ہے اور اس کا اظہار ان کی تحریروں سے ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی حساس اور فکر انگیز طبیعت کے مالک ہیں' اس کا اندازہ ان کے اشعار سے بھی ہوتا ہے۔

کچھ لوگ زمانے میں ایسے بھی تو ہوتے ہیں
محفل میں جو ہنستے ہیں' تنہائی میں روتے ہیں
یہ درد کے ٹکڑے ہیں اشعار نہیں صابر
ہم کانچ کے دھاگوں میں زخموں کو پروتے ہیں

اس روز......

جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک سفید چادر میں لپٹا ہوا، نرم اور گدیلے بستر پر پڑا پایا۔ کمرہ صاف ستھرا تھا اور سفید دیواریں آرائش و زیبائش کی ہر چیز سے بے نیاز تھیں۔ صرف ایک خوبصورت سا کیلنڈر اور ایک دیوار گیر گھڑی جو غالباً بجلی سے چلتی ہوگی' میرے سامنے ٹنگی ہوئی تھی۔ اور ہاں! چار ٹکڑوں والا ایک پہیے دار اسکرین میرے بستر کے قریب موجود تھا۔

آنکھوں پر زور پڑا تو مجھے اپنے سر میں دھمک ہوتی محسوس ہوئی۔ اس دھمک نے بڑی تیزی سے درد کی صورت اختیار کر لی۔ میں نے بے تاب ہو کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لینا چاہا تو مجھے پتا چلا کہ میرے بائیں ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ دایاں ہاتھ سر پر پہنچا تو پتا چلا کہ سر بھی پٹیوں سے جکڑا ہوا تھا۔ میرے منہ سے ایک کراہ نکل گئی اور تکلیف کی شدت نے مجھے آنکھیں بند کر لینے پر مجبور کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے دبی دبی سی آوازیں سنائی دیں تو میں پھر آنکھیں کھولنے پر مجبور ہو گیا۔ میں نے اپنے بستر کے قریب پڑی ہوئی کرسی پر ایک شخص کو بیٹھے دیکھا۔ وہ کسی وردی میں ملبوس تھا۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے دوسرے آدمی کے جسم پر سفید ایپرن تھی اور وہ اپنے گلے میں کوئی آلہ ڈالے ہوئے تھا۔ وہ دونوں بہت دھیمی آواز میں باتیں کر رہے تھے اور ان کی نظریں میری طرف نہیں تھیں۔ میں نے یہ موقع غنیمت جانا اور جلدی سے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اب میں اپنے ذہن پر زور دے کر یہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایسی وردی میں نے کب اور کہاں دیکھی تھی۔ اس کے علاوہ سفید ایپرن والے شخص کے گلے میں پڑا ہوا آلہ بھی مجھے جانی پہچانی سی چیز محسوس ہوتی تھی لیکن مجھے اس کا نام یاد نہیں آ رہا تھا۔

''......اب تک ہوش آ جانا چاہیے تھا۔'' ایک آواز میرے کانوں میں آئی۔ ''اگر اگلے چند منٹ میں بھی ہوش نہیں آیا تو مجھے ایک اور انجکشن لگانا پڑے گا۔''

''تو کیا مجھے زیادہ دیر تک انتظار کرنا پڑے گا۔؟'' دوسری آواز قدرے بھاری تھی۔

''نہیں انسپکٹر صاحب! بس چند منٹ اور لگیں گے۔'' انسپکٹر صاحب! میرا ذہن تکرار کرنے لگا۔ میں ان الفاظ کے معنی تلاش کرنا چاہتا تھا لیکن اس کوشش کے باعث میرے سر کے کسی حصے میں درد کی ایک ٹیس ابھری اور میں نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس وقت وردی والے کی نظریں میری ہی طرف تھیں۔

''خدا کا شکر ہے آپ کو ہوش آ گیا۔'' ایپرن والا بول پڑا۔ ''میں...... میں کہاں ہوں؟'' میں نے بے اختیار پوچھا۔

''آپ ہسپتال میں ہیں۔ میں ڈاکٹر جمالی ہوں اور آپ......'' ایپرن والے نے وردی والے کی طرف اشارہ کیا۔ ''انسپکٹر جوگیندر ہیں۔''

''انسپکٹر۔'' میں نے دھیمی آواز میں کہا اور فوراً ہی میرے ذہن نے ایک اور لفظ کا اضافہ کر دیا۔ ''پولیس انسپکٹر؟''

''جی ہاں۔'' جوگیندر بولا: ''میں آپ کا بیان لینا چاہتا ہوں۔''

''بیان۔؟ کیسا بیان۔؟'' میرے ذہن نے پھر کام کرنے کی کوشش کی لیکن بالکل اسی انداز میں جیسے برسوں کی زنگ آلود مشین، صفائی کے بعد اٹک اٹک کر چلنا شروع کرے۔

''حادثے کے بارے میں!'' انسپکٹر میری آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''کیسا حادثہ؟'' یہ کہتے ہوئے میرا ہاتھ بے اختیار سر پر پہنچ گیا تھا۔

انسپکٹر جوگیندر نے مجھے گھور کر دیکھا اور پھر قدرے تیز لہجے میں بولا: ''کیا آپ کو یاد نہیں کہ آپ ایک کار کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔!'' میں نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور ذہن پر زور دیا لیکن کچھ یاد نہیں آیا۔ ذہن کے پردے پر کچھ دھندلے دھندلے سے نقوش ابھرے لیکن میں ان نقوش کو پہچاننے سے قاصر رہا۔

''مجھے کچھ یاد نہیں، مجھے کچھ یاد نہیں۔'' میں بڑبڑایا۔

ڈاکٹر جمالی مجھے پرتشویش نظروں سے دیکھنے لگا۔ انسپکٹر جوگیندر نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔

''میں آپ کو یاد دلانے کی کوشش کروں گا۔ آپ سڑک پار کرنے کے لیے فٹ پاتھ سے اترے ہی تھے کہ کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی ایک کار تیزی سے حرکت میں آئی آپ اس وقت سڑک کے وسط تک پہنچے تھے کہ کار نے آپ کو ٹکر ماری۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ

اس پر پڑی ہوئی لاتعداد جھریاں، بیتے ہوئے بے شمار سالوں کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ آنکھوں میں بڑا بھیانک تاثر تھا۔ روشن اور چمک دار جیسے دودہکتے ہوئے الاؤ! میری ریڑھ کی ہڈی میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑتی چلی گئی۔ ان آنکھوں میں نفرت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اس سمندر کی کوہ پیکر موجیں میرے وجود کو جیسے بہالے جانا چاہتی تھیں۔ میرے وجود کے پرخچے اڑا دینا چاہتی تھیں۔

یک بیک میرے دماغ میں درد کی لہریں اُٹھیں اور ان لہروں نے تصور کے پردے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ وہ منحوس چہرہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے درد سے بے کل ہو کر اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ انسپکٹر کی بھاری آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ وہ اپنا سوال دُہرا رہا تھا۔

''کیا آپ اپنے کسی ایسے دشمن کو نہیں جانتے جو آپ کی موت کا خواہش مند ہو؟''

میں نے آنکھیں کھول کر بے بسی سے انسپکٹر کی طرف دیکھا اور پھر مردہ سی آواز میں کہا: ''نہیں''

انسپکٹر کے چہرے پر بے یقینی کے تاثرات تھے۔ وہ قدرے توقف سے بولا: ''شاید آپ کچھ بتانا نہیں چاہتے۔ خیر!...... آپ اپنا نام اور پتا تو بتایئے!'' انسپکٹر نے اپنی جیب سے نوٹ بک اور قلم نکال لیا۔

''نام؟...... پتا؟'' میرے منہ سے نکلا۔

''جی!'' انسپکٹر نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور پھر چبھتے ہوئے لہجے میں بولا: ''اب یہ نہ کہیے گا کہ آپ کو اپنا نام بھی نہیں معلوم۔''

میں نے بڑی بے چینی اور اضطراب سے اپنے ذہن کو کھنگالنے کی کوشش کی مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ میرے ذہن کے ویرانوں میں دھول اڑ رہی تھی۔ اور گمبھیر سناٹا چھایا ہوا تھا۔

''میرا نام...... میرا نام!'' میں نے بڑبڑاتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ درد کی ٹیسیں اب شدت اختیار کر چکی تھیں یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کھوپڑی ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گی۔ میں کوشش کے باوجود اپنا نام یاد نہیں کر سکا میں خود کو گم کر چکا تھا۔ میری شخصیت میرے ذہن کے تاریک ویرانوں میں کھو چکی تھی۔!

اچانک ڈاکٹر جمالی بول پڑا: ''بس کیجیے انسپکٹر!...... آپ انہیں پوری طرح ہوش میں آنے کے لیے وقت دیں۔ طویل بے ہوشی کے بعد ذہن ایک دم صاف نہیں ہو جاتا۔!''

انسپکٹر جوگیندر کی آنکھوں میں لہراتے ہوئے شکوک کے سائے کچھ گہرے ہو گئے۔

''مجھے نقاہت محسوس ہو رہی ہے۔'' میں بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''آپ ایک گلاس دودھ پی لیں۔ فی الحال آپ کو اور کوئی غذا نہیں دی جائے گی۔'' ڈاکٹر جمالی نے کہا اور گھنٹی بجا کر نرس کو بلایا۔ اسے دودھ لانے کی ہدایت کرنے کے بعد وہ پھر انسپکٹر کی طرف متوجہ ہوا۔ ''مناسب ہوگا کہ آپ شام تک انتظار کر لیں۔''

''ایک منٹ ڈاکٹر۔'' اچانک جوگیندر نے آگے جھک کر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ دایاں ہاتھ تھا جس کی منجھلی انگلی میں ایک انگوٹھی تھی۔ انگوٹھی میں نگینے کی جگہ سیاہ پتھر کی ایک چھوٹی سی پٹی تھی جس پر ہیروں سے، انگریزی حروف تہجی کا پہلا حرف بنایا گیا تھا۔

''اِدھر دیکھیے!'' انسپکٹر تیزی سے بولا ''شاید اسے دیکھ کر آپ کو اپنا نام یاد آ جائے۔''

میں نے غور سے اپنی انگوٹھی کی طرف دیکھا۔ چمک دار ہیروں سے بنے ہوئے اس حرف کو دیکھ کر میں بڑبڑایا: ''اے...... شاید یہ میرے نام کا پہلا حرف ہے۔ لیکن میرا نام......؟ مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا ہے انسپکٹر! مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا ہے۔''

''شاید آپ یاد کرنے کی کوشش ہی نہیں کر رہے ہیں۔'' انسپکٹر نے منہ بنا کر کہا اور پھر کھڑا ہوتا ہوا بولا: ''خیر! میں شام کو پھر آؤں گا۔'' اگر اس وقت بھی آپ کو کچھ یاد نہیں آیا تو......'' انسپکٹر نے دھمکی آمیز طور پر جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

اسی وقت نرس دودھ کا گلاس لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ جیسے ہی وہ میرے بستر کے قریب پہنچی، مجھے نیچے سے کسی بلی کے غرانے کی آواز سنائی دی۔ نرس ایک دم اچھل پڑی۔ غالباً کوئی بلی میرے بستر کے نیچے بیٹھی ہوئی تھی جس پر نرس کا پیر پڑ گیا تھا جب وہ اچھلی تو دودھ کا گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گرا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ دودھ فرش پر پھیل گیا۔ بلی جو شاید بھوکی تھی، جھپٹ کر دودھ چاٹنے لگی۔

''مم......میں......معافی چاہتی ہوں ڈاکٹر!'' نرس ہکلائی۔

''کوئی بات نہیں۔'' ڈاکٹر جمالی نے نرم لہجے میں کہا: ''کسی سوئپر کو بلوا کر فرش صاف کروا دو اور مریض کے لیے اور دودھ لے آؤ! آیئے انسپکٹر! آپ کو برآمدے تک چھوڑ آؤں۔''

انسپکٹر جوگیندر اور ڈاکٹر جمالی دروازے کی طرف مڑ گئے نرس ابھی تک سٹپٹائی ہوئی سی کھڑی ہوئی تھی مجھے وہ اس حالت میں بڑی بھلی معلوم ہوئی۔ اس کے نقوش تو نظر فریب تھے ہی لیکن جسم بھی بڑا گدرایا ہوا سا معلوم ہو رہا تھا۔ کمر پر بندھی ہوئی کپڑے کی بیلٹ نے اس کے جسمانی خطوط کچھ اور ابھار دیے تھے میں چند لمحوں کے لیے اپنی تکلیف اور الجھنوں کو فراموش کر بیٹھا اور ایک ٹک اسے دیکھتا رہا۔

دفعتاً کمرے میں بلی کی ایک دلخراش آواز گونج اٹھی۔ انسپکٹر جوگیندر اور ڈاکٹر جمالی اس وقت دروازے کے قریب پہنچے ہی تھے بلی کی چیخ سن کر وہ تیزی سے مڑے۔ میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے بلی کو فرش پر تڑپتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ بلی کے منہ سے اب بھی ایسی غراہٹیں

کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی کہ کوئی مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا مگر کون......؟ یہ بات مجھے یاد نہیں آ رہی تھی۔ میں تو اپنے آپ ہی کو فراموش کیے بیٹھا تھا۔ میرے ذہن کے ویرانوں میں خود میری ہی شخصیت کھو چکی تھی۔ اس شخصیت کا کھوج لگانے کے لیے میں نے اس لمحے اپنے ذہن پر اتنا دباؤ ڈالا کہ درد کی ٹیسیں کسی آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑیں اور میرا ذہن پر سکوت اندھیرے میں ڈوبتا چلا گیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں اسی کمرے میں، اسی بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ میرے اردگرد خاموشی چھائی ہوئی تھی لیکن ڈاکٹر جمالی اور انسپکٹر جوگیندر اس وقت بھی کمرے میں میرے قریب موجود تھے۔ میں نے آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا تو انسپکٹر جوگیندر بول پڑا۔

''یہ آپ پر دوسرا قاتلانہ حملہ تھا۔ میں نے آپ کی حفاظت کے لیے دو کانسٹیبل مامور کر دیے ہیں لیکن اگر آپ نے اپنے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تو آپ کے دشمنوں کا سراغ لگانا میرے لیے محال ہوگا۔ آخر آپ کے ماضی میں ایسا کیا راز دفن ہے کہ آپ اسے چھپانے پر مصر ہیں۔ کیا آپ اب بھی اپنی زبان بند رکھیں گے۔؟''

''میں آپ کو کیا بتاؤں انسپکٹر! میں آپ کو کیا بتاؤں؟'' میرے لہجے میں بے بسی تھی۔ ''آخر آپ کو یقین کیوں نہیں آتا کہ میں کچھ بتانے سے قاصر ہوں۔ مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔''

''انسپکٹر'' ڈاکٹر جمالی خشک لہجے میں بولا: ''بہتر ہوگا کہ اب آپ میرے مریض کو تنہا چھوڑ دیں۔ میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔ پلیز!

انسپکٹر جوگیندر نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کھڑا ہو گیا میں نے پھر آنکھیں بند کر لی تھیں اور اس کے وزنی جوتوں کی دھمک کو دور ہوتے ہوئے سن رہا تھا۔ پھر دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی میں نے محسوس کیا ڈاکٹر جمالی اب بھی میرے قریب موجود ہے میں نے اس کے قدموں کی چاپ نہیں سنی تھی جس سے یہ سمجھ لیتا کہ وہ بھی انسپکٹر کے ساتھ میرے کمرے سے چلا گیا ہوگا۔ اس کی موجودگی کے احساس کے باوجود میں نے آنکھیں نہیں کھولی۔ چند لمحے بعد پھر دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اس مرتبہ کمرے میں آنے والی ایک نرس تھی لیکن یہ وہ نہیں تھی جو میرے لیے دودھ کا گلاس لے کر آئی تھی۔

ڈاکٹر جمالی اسے کسی قسم کا انجکشن تیار کرنے کی ہدایات دینے لگا۔ پھر جب اس نے مجھے آنکھیں کھولے ہوئے دیکھا تو نرم لہجے میں بولا۔

''آپ آرام کیجیے! کچھ یاد کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ذہن پر دباؤ نہ ڈالیے۔ جو کچھ بھی یاد آنا ہے خود ہی یاد آ جائے گا۔''

''شکریہ ڈاکٹر......لیکن میں اتنا ضرور جاننا چاہوں گا کہ دودھ والے معاملے کا کیا ہوا۔!''

''اس بات سے آپ کا مقصد اگر یہ جاننا ہے کہ دودھ میں زہر کس نے ملایا تھا تو میں آپ کو بتاؤں کہ ابھی تک اس کا پتہ نہیں چل سکا۔ ویسے زیبی کو پولیس نے حراست میں لے لیا ہے۔''

''زیبی اس نرس کا نام ہے۔؟''

''ہاں ......لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ بے قصور ثابت ہوگی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اسے آپ سے کوئی دشمنی ہو اور یہ بات بھی طے ہے کہ وہ کسی کا آلہ کار نہیں بن سکتی۔''

میں نے پھر ایک سوال کرنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ ڈاکٹر جمالی ہاتھ اُٹھا کر بولا: ''بس اب خاموش رہیے۔! آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔''

شکار بھی ہوا ہوں اور پھر اس جھنجھلاہٹ کے باعث جذبات کی اس آگ میں دوسروں کو بھی جھلساتا رہا ہوں تڑپاتا رہا ہوں۔

''اب آپ آرام کریں۔'' ڈاکٹر جمالی کی آواز مجھے کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی: ''میں نے ذہن کو پرسکون کرنے والی دوا کا انجکشن دیا ہے۔ جب آپ سو کر اُٹھیں گے تو آپ کا ذہن بالکل ہلکا پھلکا ہو چکا ہو گا۔''

نرس کے سانولے سلونے چہرے کو دیکھتے دیکھتے میری پلکیں جھکتی چلی گئیں اور جلد ہی میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

جب میں بیدار ہوا تو کمرے میں بجلی کی نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دیوار گیر گھڑی میں سات بج کر بیس منٹ ہو چکے تھے۔ بستر کے قریب ہی ایک آرام کرسی پر نیم دراز نرس کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ اس نے اپنی ایک ٹانگ بڑی بے تکلفی سے سامنے تپائی پر پھیلا رکھی تھی۔ اسکرٹ کافی اوپر سرک گیا تھا اور اس کی بھری بھری سڈول پنڈلی میری نظروں کے سامنے تھی۔

''نرس'' میں نے اسے دھیمی آواز میں پکارا۔

اس نے چونک کر تپائی سے ٹانگ ہٹائی اور کھڑی ہوتی ہوئی اپنے اسکرٹ کو درست کرنے لگی۔

''جاگ گئے آپ؟'' وہ مسکرائی تھی۔

''ہاں......اور اب بڑی شدید بھوک محسوس کر رہا ہوں۔''

''میں ابھی آپ کے لیے کھانا منگواتی ہوں۔''

وہ کھانے کا انتظام کرنے کے لیے کمرے سے چلی گئی اور میں غیر ارادی طور پر اپنے بارے میں سوچنے لگا۔ مجھے ابھی تک اپنا ماضی یاد نہیں آسکا تھا۔ بہت کوشش کے بعد صرف دو چہرے ذہن کی تاریکیوں سے ابھر سکے تھے۔ اس لڑکی کے چہرے کو دیکھ کر تو مجھے ایسا لگا تھا جیسے اس سے کچھ خوش گوار یادیں وابستہ ہوں لیکن اس بوڑھے کا چہرہ یقیناً میرے لیے منفی جذبات رکھتا تھا۔ وہ چہرہ میرے ذہن کی تاریکیوں سے ابھرا ہی اس وقت تھا جب انسپکٹر جوگیندر نے میرے کسی دشمن کے بارے میں جاننے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اسی بوڑھے کو مجھ سے کوئی دشمنی تھی اور اسی لیے وہ مجھے ہلاک کرنے کے درپے آزاد تھا۔ اس نے مجھے ختم کرنے کی دو کوشش کر ڈالی تھیں لیکن میں خوش قسمت تھا کہ اس کوشش بار آور نہیں ہو سکی تھی۔ تاہم یہ ضروری نہیں تھا کہ اس کی تیسری کوشش بھی ناکام ہو جاتی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا۔

جب میرے لیے کھانا آ گیا تو میں نرس سے یہ کہے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کھانے میں تو زہر ملا ہوا نہیں ہے۔؟

''نہیں'' وہ مسکرائی اب آپ کے کھانے پینے کی جو چیز بھی اس کمرے میں آئے گی وہ پولیس کی چیکنگ کے بعد ہی آئے گی۔''

میں نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور پھر پوچھا: ''انسپکٹر جوگیندر پھر تو نہیں آیا تھا۔''

''سات بجے آیا تھا لیکن چونکہ آپ سو رہے تھے اس لیے ڈاکٹر جمالی نے اسے ٹال دیا۔ اب شاید وہ کل صبح سے پہلے نہیں آئے گا۔''

''نرس آخر مجھے ہو کیا گیا ہے؟ میں اپنے آپ کو کیوں بھول گیا ہوں۔؟''

''آپ کی یادداشت چلی گئی ہے۔''

''یادداشت چلی گئی ہے۔؟''

''ہاں''

''آپ اپنی وضع قطع سے کوئی معمولی آدمی نظر نہیں آئے تھے۔'' نرس نے جواب دیا۔ میری نظریں بے اختیار اپنی انگوٹھی پر پڑیں اور میں نے سوچا کہ ہیرے کی انگوٹھی پہننا تو واقعی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ تو کیا واقعی میں کسی بہت بڑے گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں؟ یہ سوچتے ہوئے میرا ذہن قدرے چکرایا تو میں نے فوراً سوچنا بند کر دیا اور اپنی ساری توجہ کھانے کی طرف مبذول کر دی لیکن میرا صرف ایک ہاتھ کام کر رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ کی معذوری کھانے میں دشواری کا باعث تھی۔ میری بے بسی دیکھ کر نرس بولی:

''میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ دشواری محسوس کر رہے ہیں۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں کھلا دوں؟''

''اوہ...... ضرور...... شکریہ'' میں نے یہ کہہ کر چھری کانٹے اس کی طرف کر دیے اور پھر بولا: ''تمہارا نام کیا ہے نرس!''

''آسیہ''

''خوبصورت نام ہے۔'' میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ اس بات پر اس نے بڑی قاتل نظروں سے میری طرف دیکھا اور دھیرے سے ہنس پڑی۔ ہنسنے کے انداز میں بھی سیکس اپیل تھی۔ اس نے مجھے بچوں کی طرح کھانا کھلانا شروع کر دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ ایسا کرتے ہوئے وہ ایک عجیب سی لذت محسوس کر رہی تھی۔ اچانک میں نے اس سے پوچھا۔

''آسیہ! کیا میں واقعی بڑا آدمی معلوم ہوتا ہوں۔''

اس نے ہاتھ روک کر غور سے مجھے دیکھا اور پھر بڑے جذباتی سے انداز میں بولی: ''بالکل پرنس معلوم ہوتے ہیں۔ خوابوں کی سرزمین کے شہزادے۔''

آسیہ کی آواز میں خفیف سی لرزش کو محسوس کر کے ایک بار پھر میرے خوابیدہ ذہن کے تار جھنجھنا اُٹھے۔ میرے جذبات کا الاؤ دہک اُٹھا اور میں بے اختیار آسیہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں تک لے آیا۔ اسے چومتا ہوا بولا۔

''تم بہت اچھی لڑکی ہو آسیہ...... بہت پیاری۔''

میری یہ حرکت اتنی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ وہ ششدر رہ گئی اور جب بے خودی کا وہ لمحہ گزر گیا تو خود مجھے بھی اس حرکت کی نزاکت کا احساس ہوا' تاہم میں نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا اور اسے آہستہ سے دباتا ہوا بولا:

''آسیہ! تمہیں میری یہ حرکت بری تو نہیں لگی؟''

لیکن آسیہ نے اس بات کا جواب دینے کے بجائے بڑی معصومیت سے کہا: ''پرنس! اب اگر میں اپنا ہاتھ کھینچ لوں تو یہ بے ادبی نہیں ہوگی۔؟''

میں نے ہنس کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا لیکن میں محسوس کر چکا تھا کہ آسیہ بھی کچھ نہ کچھ جذباتی ضرور ہو چکی تھی۔ اس وقت میں نے سوچا' کیا میری شخصیت اتنی ہی پرکشش ہے کہ لڑکیاں پہلی ہی ملاقات میں میری طرف ملتفت ہو جائیں؟ اور یہ سوچتے ہوئے میں اچانک مضطرب ہو گیا مجھے خیال آیا تھا کہ میں اپنا چہرہ بھی فراموش کر چکا ہوں مجھے نہیں یاد تھا کہ میں کیسا ہوں۔ اور پھر میں خود کو دیکھنے کے لیے بے

چین ہوگیا۔ میں نے آسیہ سے کہا: ''میں آئینہ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں!'' وہ حیرت سے بولی۔

''مجھے یاد نہیں آرہا ہے کہ میں کیسا ہوں۔''

''اوہ! اچھا پہلے آپ کھانا تو کھا لیجیے۔!''

''نہیں، بس کھا چکا۔''

میں خود کو دیکھنے کے لیے اتنا ہی مضطرب ہوگیا تھا کہ بھوک پیاس سب اڑ گئی تھی۔ جب آسیہ آئینہ لے کر آئی تو میں نے اسے اس کے ہاتھ سے تقریباً چھین ہی لیا اور پھر اپنے عکس پر نظر پڑتے ہی میں دم بخود رہ گیا تھا۔

''میں نے جھوٹ تو نہیں بولا تھا!'' آسیہ شوخی سے بولی: ''آپ بالکل پرنس نظر آتے ہیں نا۔!''

آئینے میں نظر آنے والا چہرہ، بلاشبہ اتنا ہی پرکشش تھا کہ جنسِ مخالف اسے نظر انداز نہیں کرسکتی تھی۔ اپنے آپ کو اتنا خوبصورت پا کر میں نے اپنے دل و دماغ میں جو کیفیت محسوس کی تھی اسے الفاظ کا جامہ پہنانا میرے بس کی بات نہیں لیکن بہرحال یہ بات طے ہے کہ اس وقت میں نے کچھ تکبر سا محسوس کیا تھا۔ میں کافی دیر تک آئینہ دیکھتا رہا اور پھر اس وقت چونکا جب آسیہ ہنستی ہوئی بولی: ''کیا رات اسی طرح گزار دیجیے گا پرنس۔!

میں نے جھینپ کر آئینہ بستر ہی پر ایک طرف ڈال دیا۔

''آپ بالکل اپالو معلوم ہوتے ہیں۔'' آسیہ بولی۔

''اپالو؟''

''ہاں...... '' آسیہ نے کہا: ''یونانی دیومالا کے حسین ترین دیوتا...... اپالو۔ کیا آپ اس کے بارے میں نہیں جانتے؟''

''اپالو۔'' میں اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے بڑبڑایا۔'' وہ تو شاید جنگجو اور تباہی و بربادی لانے والا مشہور ہے۔

''اس کے ساتھ ساتھ وہ حسین اور تمام دیوتاؤں میں افضل بھی گردانا جاتا ہے۔''

''کیا واقعی میں بہت خوبصورت ہوں؟''

میں نے آسیہ کی طرف غور سے دیکھا تو وہ نظریں چرانے لگی۔

''ادھر دیکھو...... میری طرف۔'' میں نے آسیہ کا ہاتھ تھام لیا۔ ''میں آپ سے نظریں نہیں ملا سکتی۔'' آسیہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی: ''جب آپ غور سے میری طرف دیکھتے ہیں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ کی آنکھوں کی کشش میری روح کو میرے وجود سے کھینچے لیے جارہی ہو۔ آپ کی آنکھوں میں بلا کا سحر ہے۔''

''دیوتا جو ٹھہرا۔'' میں نے ہنس کر کہا۔

آسیہ میرے ہاتھ کی انگلیوں سے کھیل رہی تھی۔ کوئی بھی ہمیں اس عالم میں دیکھتا تو یہی اندازہ لگاتا کہ ہم برسہا برس سے ایک دوسرے کے قریب رہتے چلے آئے ہیں۔ آسیہ کی یہ قربت میرے جذبات میں دھیمی دھیمی سی آنچ پیدا کر رہی تھی اور خود اس کا عالم بھی مجھ سے مختلف نہیں تھا۔ اس کے تنفس کی ناہمواری سے یہ بات صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ وہ اس وقت مہکتے ہوئے شبستانوں میں مہک رہی ہے۔ میری خفیف سی اکساہٹ پر وہ پکے ہوئے پھل کی طرح میری گود میں آگرتی۔

دفعتاً قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

''ڈاکٹر جمالی۔'' آسیہ نے سرگوشی کرنے والے انداز میں کہا اور برقی سرعت سے مجھ سے دور ہٹ گئی۔

آسیہ نے قدموں کی چاپ سن کر بالکل صحیح اندازہ لگایا تھا۔ وہ ڈاکٹر جمالی ہی تھا۔ اپنے ہاتھ میں کچھ کاغذات لیے وہ کمرے میں داخل ہوا۔

''ہیلو!'' وہ میری طرف دیکھتے ہوئے خوش دلی سے مسکرایا۔ ''مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپ جاگ چکے ہیں۔ اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔''

''کافی بشاشت محسوس کر رہا ہوں۔''

''میں اس وقت آپ سے ہسپتال کے اخراجات کے بارے میں گفتگو کرنے آیا ہوں۔''

''کیا مطلب!''

''جب آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تو آپ کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بریف کیس بھی تھا جس میں نوٹ بھرے ہوئے تھے۔ فی الحال وہ بریف کیس پولیس کی تحویل میں ہے لیکن بالآخر وہ آپ کو واپس مل ہی جائے گا۔ اسی رقم میں سے ہسپتال کے اخراجات لے لیے جائیں گے۔ آپ کو اس پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔؟''

''اعتراض کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ڈاکٹر صاحب!''

''تو پھر ان کاغذات کی خانہ پری کر کے دستخط کر دیجیے۔!'' ڈاکٹر جمالی نے قلم نکالا اور کھول کر میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

ہسپتال کے دو فارم تھے جن پر مجھے دستخط کرنے تھے دونوں فارموں کی خانہ پری کی جا چکی تھی لیکن دو خانے خالی تھے۔ ان میں سے ایک میں میرا نام لکھا جانا تھا اور دوسرے میں پتا۔! میں نے وہ دونوں خانے پر کر کے دستخط کر دیے۔ ڈاکٹر جمالی نے بڑی بے تابی سے دونوں فارم مجھ سے واپس لیے تھے اس نے بڑے اشتیاق سے فارموں پر نظر ڈالی اور جب وہ بولا تو اس کی آواز میں خفیف سی لرزش تھی۔

''خوب!......تو آپ کو اپنا نام یاد آ گیا۔ لیکن یہ تو بڑا عجیب سا نام ہے۔ اپالو!''

میں نے مسکرا کر کہا: ''یونانی دیومالا کے حسین دیوتا اپالو کے بارے میں آپ نے کچھ نہ کچھ تو پڑھا ہی ہوگا۔ یہ نام مجھے آسیہ نے دیا ہے اور پتا تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسی ہسپتال کا ہے۔''

ڈاکٹر جمالی کا منہ لٹک گیا۔

''مجھے افسوس ہے ڈاکٹر کہ آپ کی یہ کوشش ناکام رہی۔''

میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا: ''آپ نے سمجھا ہوگا کہ میں بے خیالی میں اپنے دستخط کر جاؤں گا لیکن کاش میں ایسا کر سکتا۔ آپ تو میری اس بات کا یقین کر لیجیے۔ ڈاکٹر کہ میں سب کچھ بھول چکا ہوں۔ ذہن پر زور ڈال کر یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو بس کچھ دھندلے دھندلے سے سائے ابھر کر رہ جاتے ہیں۔''

''آئی ایم سوری۔'' ڈاکٹر جمالی نے سنجیدگی سے کہا: ''دراصل یہ حرکت میں نے انسپکٹر جوگیندر کے اکسانے پر کی تھی۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔ وہ پر یقین ہے کہ آپ کسی وجہ سے اپنی شخصیت چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ اس وقت بھی آپ سے ملنے پر بضد تھا لیکن میں نے اسے ٹال دیا۔ اب وہ کل کسی وقت آئے گا۔ وہ شاید اس شبے میں پڑ گیا ہے کہ آپ کسی جرائم پیشہ گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس شبے کی وجہ نوٹوں سے بھرا ہوا وہ بریف کیس ہے جو ایکسیڈنٹ کے وقت آپ کے پاس تھا۔''

ڈاکٹر کی اس صاف گوئی پر میں مسکرا پڑا۔

''اچھا اب آپ آرام کیجیے۔'' ڈاکٹر جمالی بولا: ''ذہن پر فی الحال زور ڈالنے کی کوشش نہ کیجیے گا۔ سر کا زخم ٹھیک ہونے کا انتظار کیجیے......ویسے ممکن ہے کہ آپ کو خود بخود ہی سب کچھ یاد آ جائے۔''

آسیہ اس دوران میں بالکل خاموش کھڑی رہی تھی۔ ڈاکٹر جمالی کے جانے کے بعد وہ مسکراتی ہوئی بولی:

''آپ کی حرکت بڑی دلچسپ تھی۔''

''کون سی حرکت!''

''یہی کہ آپ نے فارم پر اپالو کا نام لکھ دیا۔''

''کیا عجب کہ میرا نام واقعی یہ ہو۔'' میں نے اپنی انگوٹھی پر بنے ہوئے ''اے'' پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

آسیہ کا چہرہ سنجیدہ نظر آنے لگا اور وہ بولی: میں آپ کو آپ کی ایک ایسی چیز دے سکتی ہوں جو شاید آپ کو آپ کا ماضی یاد دلا دے۔''

''کیا چیز ہے!'' میں تجسس نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''ایک پرزہ کاغذ۔'' آسیہ نے جواب دیا اور پھر کہا: ''کل جب آپ کو حادثے کے بعد یہاں لایا گیا تھا تو اس کمرے میں میری ہی ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ آپ کو ہسپتال کے کپڑے پہنائے گئے تھے اور آپ کا لباس مجھے دیا گیا تھا کہ میں وہ اس کمرے میں رکھ آؤں جہاں مریضوں کے ذاتی کپڑے رکھے جاتے ہیں۔ اس کمرے میں پہنچ کر آپ کا کوٹ میرے ہاتھوں سے گر گیا۔ جب میں نے جھک کر اسے اُٹھایا تو کاغذ کا ایک چھوٹا سا پرزہ جیب سے نکل کر گر پڑا۔ آپ کے لباس کی تلاشی تو پولیس نے اچھی طرح لی ہوگی لیکن کسی طرح وہ پرزہ

جیب کے کونے میں پڑا رہ گیا ہوگا۔''

''وہ کہاں ہے؟''میں نے بے تابی سے پوچھا۔

آسیہ اس تپائی کی طرف بڑھی جس پر اس کا پرس رکھا ہوتا تھا۔اس میں سے وہ پرزہ کاغذ نکال کر وہ میری طرف لوٹتی ہوئی بولی۔

''غالباً یہ کسی ٹیلیگرام کا پھٹا ہوا ایک ٹکڑا ہے۔''

میں نے بڑی بے تابی سے کاغذ کا وہ ٹکڑا اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ پیغام تو پھٹ چکا تھا لیکن اس پیغام کا آخری لفظ''پہنچو'' باقی رہ گیا تھا۔اس کے نیچے پیغام بھیجنے والے کا نام لکھا ہوا تھا۔

''راجکماری کلدیب کور آف نرنجن پور''

''راج کماری۔''میں بڑبڑایا اور اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایسی گونج پھیل گئی جیسے کوئی طیارہ اُڑ رہا ہو۔

''راج کماری کلدیب کور۔''آسیہ میری آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی:''آپ کو یاد آیا کچھ؟''

میں خاموش رہا۔میرا ذہن''راج کماری کلدیب کور'' کے نام کے تکرار کیے جا رہا تھا۔شاید اس وقت میرے چہرے پر کچھ وحشت سی برسنے لگی تھی کیونکہ آسیہ ایک دم گھبرا گئی۔اس نے جلدی سے میرا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

''ذہن پر اتنا دباؤ نہ ڈالیے کہ نسیں پھٹ جائیں۔''

''اوہ......اوہ!''میں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا:''میں پاگل ہو جاؤں گا آسیہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔''

''لیکن آپ دماغ پر اتنا زور ڈالتے ہی کیوں ہیں۔اگر آسانی سے کچھ یاد نہیں آتا تو چھوڑ دیے۔!''

''آخر کب تک آسیہ! کب تک؟ میں کب تک خود کو بھولے رہوں گا میرے ذہن کی تاریکیوں سے میری شخصیت کب ابھرے گی۔؟''

''آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''آسیہ میرا شانہ تھپکتی ہوئی بولی اس کا انداز ایسا تھا جیسے کسی بچے کو بہلا رہی ہو۔

میں نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ میں کچھ نڈھال ہو گیا تھا۔ذہن میں آندھیاں سی اب بھی چل رہی تھیں اور راج کماری کلدیب کور کا نام مرغولوں کی طرح چکرا رہا تھا۔میں نے محسوس کیا کہ آسیہ میرے سرہانے بیٹھ گئی تھی وہ میری کنپٹیاں سہلانے لگی۔ اس سے مجھے اتنا سکون ملا کہ تھوڑی ہی دیر میں دماغی انتشار بالکل ختم ہو گیا اور میں نے آنکھیں کھول کر آسیہ کی طرف دیکھا۔وہ مسکرا دی میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور بڑے جذباتی انداز میں بولا۔

''تم بہت اچھی ہو! آسیہ تم بہت اچھی ہو۔ ہر وقت یہیں میرے پاس رہنا ورنہ میرے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی۔''

وہ دھیرے سے ہنس پڑی۔ کھنکھناتی ہوئی ہنسی۔

''لیکن میری ڈیوٹی تو صبح چار بجے ختم ہو جائے گی۔''اس نے بتایا۔

''میں ڈاکٹر جمالی سے کہوں گا کہ میرے کمرے میں تمہاری ڈیوٹی رہنا چاہیے۔''

''تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں دن رات جاگتی رہوں۔ بالکل آرام نہ کروں۔!''

''میں کب کہتا ہوں کہ تم آرام نہ کرو۔ یہیں سو جانا۔''

آسیہ نے نظریں چرا لیں اور دروازے کی طرف دیکھنے لگی ''ابھی تو ابتدائی رات ہے۔'' میں نے کہا: ''لیکن آدھی رات کے بعد تو کوئی بھی اِدھر نہیں آئے گا۔''

آسیہ اب بھی خاموش رہی۔ وہ کچھ جھینپی جھینپی سی نظر آنے لگی تھی۔

''آسی!'' میں قدرے توقف سے بولا۔

''ہوں۔''

''یہ نرنجن پور کہاں ہے۔''

''شمالی علاقے میں ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔''

''تم نے کبھی راج کماری کلدیپ کور کا نام بھی سنا ہے۔؟''

''نہیں لیکن یہ بہت غلط بات ہے کہ آپ پھر اپنے ذہن پر دباؤ ڈالنے لگے۔''

''دباؤ تو بالکل نہیں ڈال رہا ہوں آسیہ!...... صرف سوچ رہا ہوں کہ کسی راج کماری سے میرا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔!''

''اچھا ہی ہے کہ کچھ عرصے تک وہ تعلق آپ سے چھپا رہے۔''

''کیوں!''

''پھر شاید آپ مجھے بھول جائیں۔'' آسیہ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''تم بہت اچھی لڑکی ہو آسیہ! میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکتا۔''

آسیہ کھڑی ہوگئی۔

''کہاں چلیں!''

''آپ کی دوا کا وقت ہو گیا ہے۔'' آسیہ دیوار گیر کلاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

جب وہ دوا بنا رہی تھی تو میں نے اس سے پوچھا۔

''زیبی کا کیا ہوا آسی! کیا پولیس نے اسے چھوڑ دیا؟''

''ابھی تو نہیں چھوڑا۔''

''مجھے یقین ہے کہ وہ اس کی حرکت نہیں ہوگی۔''

''یقین تو مجھے بھی ہے۔''

''اس نے بیان کیا دیا تھا۔؟''

''جب وہ دودھ لے کر آ رہی تھی تو راہداری کے موڑ پر ایک آدمی اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔ وہ لڑکھڑا گئی تھی اور اس آدمی نے جلدی سے اس کے ہاتھ میں دبا ہوا دودھ کا گلاس پکڑ لیا تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اسے گرنے سے بچانا چاہتا ہو لیکن اب زیبی کا خیال ہے کہ اس بہانے ہی سے اس شخص نے دودھ میں زہر ملایا ہوگا۔''

ہوں' میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ ہسپتال سے چھٹی ملتے ہی میں زنجن پور کا رُخ کروں گا۔

اگر وہ ٹیلی گرام مکمل ہوتا تو اس کا آخری فقرہ فوراً ''پہنچو'' ہوتا میں سوچنے لگا کہ ٹیلی گرام کے ذریعے اس قسم کا پیغام اسی وقت دیا جاتا ہے جب کوئی خاص بات وقوع پذیر ہوئی ہو وہ خاص بات کسی قسم کے خطرناک حالات بھی ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے کسی کو کسی کی مدد کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے۔ تو کہیں ایسا تو نہیں کہ کلدیپ کور کو میری مدد کی ضرورت ہو۔!

اس خیال نے مجھے بے چین کر دیا۔

رات گزرتی رہی اور میں اپنے خیالات میں کھویا رہا مجھے وقت کا احساس بھی نہیں رہا اور سوچتے سوچتے میرے سر میں درد ہونے لگا۔ بے اختیار میرا ہاتھ سر کی طرف بڑھا لیکن اچانک کسی نے میری کلائی پکڑ لی۔ میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں آسیہ میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔

''کیا بات ہے! آپ کچھ بے چین نظر آ رہے ہیں۔!'' وہ بولی۔

''آں......! ہاں...... آسیہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ آپ جب سے اب تک مسلسل سوچ رہے ہیں۔!''

''کیا بج گیا؟''

''بارہ بجنے والے ہیں۔''

''اوہ!'' میرے منہ سے بس اتنا نکل سکا۔

''کیا بہت درد ہونے لگا ہے؟''

''ہاں۔''

''میں ابھی ٹھیک کیے دیتی ہوں۔'' آسیہ نے کہا اور آہستہ آہستہ میری کنپٹی سہلانے لگی۔ وہ مجھ پر کچھ اور جھک آئی تھی اور میں اس کے سانولے سلونے چہرے کو اپنے چہرے سے بہت قریب پا رہا تھا میں نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھیں خمار آلود تھیں۔ ایک عجیب سا نشہ تیر رہا تھا ان میں! لمبی لمبی پلکیں جھکی پڑ رہی تھیں۔ اس کی یہ قربت میرے جذبات میں ہلچل مچانے لگی۔ اس کی مخروطی انگلیاں آہستہ آہستہ میری کنپٹی سہلا رہی تھی۔ میرا درد کم ہوتا جا رہا تھا اور تمام اعصاب میں ہلکی ہلکی گدگدی سی ہونے لگی تھی۔

''درد کچھ کم ہوا؟'' آسیہ کی آواز میں خفیف سی لرزش تھی۔

''تمہارے ہاتھ جادوگر ہیں آسیہ!'' میں نے سرگوشی کی۔ ''یوں لگ رہا ہے جیسے درد کبھی تھا ہی نہیں۔''

''جھوٹ!''

''سچ آسیہ! تمہاری قسم!'' میں بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ میں نے اپنی کلائی اس کے کندھے پر رکھ دی اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

''جی چاہتا ہے رات یونہی گزر جائے۔'' آسیہ نے جذبات سے بوجھل سرگوشی میں کہا: ''چند گھنٹوں میں مجھے ایسا معلوم ہونے لگا ہے جیسے...... جیسے......''

''جیسے تم مجھے جنم جنم سے جانتی ہو۔ کیوں...... یہی کہنا چاہتی ہو نا؟''

''نہیں میں کوئی ایسی بات کہنا چاہتی تھی جس میں اس جملے سے کہیں زیادہ شدت ہو۔''

''لیکن میرے لیے تمہارے یہ جذبات کیوں ہیں؟'' میں نے آسیہ کے سر کے پچھلے حصے پر دباؤ ڈالتے ہوئے اس کے چہرے کو اپنے چہرے پر کچھ اور جھکا لیا۔

''اس کا تجزیہ کرنا بہت مشکل ہے۔'' آسیہ نے جواب دیا۔

اب ہماری گفتگو سرگوشیوں میں ہو رہی تھی۔

میں نے کہا: ''اچھا یہ بتاؤ تم میرے لیے کہاں تک جا سکتی ہو!''

''موت کی منزل تک۔!''

لیکن زندگی اتنی ہی بے حقیقت شے ہے کہ اسے جذبات کی ایک لمحاتی رو پر قربان کیا جا سکے؟''

''جذبات کی رو تو وہ ڈوری ہے جس کے اشارے پر یہ ساری دنیا کٹھ پتلی کی طرح ناچتی رہی ہے۔''

آسیہ کا جسم اب میرے سینے سے ٹکرا رہا تھا۔ میرے جذبات اب بالکل بے قابو ہو چکے تھے۔ میں نے ایک ہلکے سے جھٹکے سے اس کا چہرا اپنے چہرے کے اتنا قریب کر لیا کہ دوئی کا وجود مٹ گیا۔ ہمارے ہونٹ ایک دوسرے کو زندگی کی بنیادی کہانیاں سنانے لگے۔ میرے اعصاب کسی ساز کے تاروں کی طرح جھنجھنا رہے تھے اور دل و دماغ میں ایک سرکش طوفان امنڈ رہا تھا جذبات کی وہ ازلی کہانی چھڑ چکی تھی جس کی شاخیں اب تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔

طوفان امنڈتا رہا۔ اب اس کے سامنے کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ اس کا جدھر جی چاہا، چلتا چلا گیا۔ اس وقت تک بہتا رہا۔ جب تک خود اس کی سانس نہیں اکھڑی پھر وہ جھاگ اڑاتا اور ہانپتا ہوا اس نکتے کی طرف واپس لوٹنے لگا جہاں سے اس نے سرکشی کا آغاز کیا تھا۔

پیار و محبت کے صحرا کی وسعتوں کو پھلانگ کر میں اتنا تھک چکا تھا کہ مجھے نیند آ گئی۔ شاید اس وقت تین بجے تھے۔

صبح میری آنکھ کھلی تو دیوار گیر گھڑی نو بجا رہی تھی۔ ایک نرس کو بھی میں نے کمرے میں پایا لیکن وہ آسیہ نہیں تھی اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔

''صبح بخیر جناب!''

''صبح بخیر۔'' میں نے آہستہ سے کہا: ''آسیہ کہاں ہے۔؟''

''اس کی ڈیوٹی چار بجے تک تھی۔'' نرس نے جواب دیا پھر بولی: ''آپ ناشتے میں کیا پسند کریں گے۔''

''سب کچھ لے آؤ۔ بہت زور کی بھوک لگی ہے۔'' میرا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ وہ ہنس پڑی اور ہنستی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔ میں نے پھر چند لمحوں کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ رات کا خمار میری رگ رگ میں اب تک تیر رہا تھا میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ آسیہ بڑے بھرپور جذبات کی لڑکی ہے۔

دس بجے تک میں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو چکا تھا اور میں نے اس دوران میں کئی مرتبہ خود سے یہ سوال کر ڈالا تھا۔ کہ میں کون ہوں لیکن اس سوال کے جواب میں میرا ذہن کسی گونگے کی طرح خاموش تھا۔

سوا دس بجے ڈاکٹر جمالی کچھ ایسے بے تحاشہ انداز میں میرے کمرے میں داخل ہوا جیسے طوفانِ نوح کی آمد ثانی کی اطلاع دینے آیا ہو۔

''ایک آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' وہ چھوٹتے ہی بولا۔

''مجھ سے؟'' میرے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں دراصل انسپکٹر جوگیندر نے آج کے دو تین اخبارات میں آپ کی تصویر چھپوادی ہے۔ تصویر کے ساتھ ہی یہ اعلان بھی شائع ہوا ہے کہ اگر کسی کو آپ کے بارے میں کچھ معلوم ہو تو وہ پولیس سے رابطہ قائم کرے۔ ڈاکٹر جمالی نے یہ تفصیل بتاتے ہوئے کہا: ''اسی اعلان کو پڑھ کر وہ آدمی آپ سے ملنے آیا ہے۔ غالباً وہ آپ کو جانتا ہے۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں اسے یہاں بلوالوں؟''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا میرا دل اس خیال سے دھڑک اُٹھا تھا کہ شاید اب میری شخصیت مجھ پر آشکار ہو جائے گی۔ میں اپنے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھا۔ دنیا کا کوئی بھی شخص خود فراموشی کی دلدل میں پھنسا رہنا گوارہ نہیں کرسکتا۔

ڈاکٹر جمالی میرا جواب سنتے ہی کمرے سے چلا گیا اور جب بمشکل ایک منٹ بعد واپس لوٹا تو ایک پستہ قد اور فربہ اندام شخص اس کے ساتھ تھا۔ اس نے صاف ستھرے اور قیمتی کپڑے پہن رکھے تھے۔ عمر پینتالیس پچاس کے لگ بھگ رہی ہوگی آنکھوں پر سنہری فریم کا چشمہ تھا اور دائیں ہاتھ میں واکنگ اِسٹک۔

میں نے اسے غور سے دیکھا لیکن نہیں پہچان سکا۔ وہ میرے لیے قطعی اجنبی تھا۔ میں نے یاد کرنے کی کوشش کی مگر ذہن کے تاریک گوشوں سے کوئی ایسی بات نہیں ابھر سکی جو اس اجنبی سے میرے تعلق کو آشکارا کرسکتی۔

لیکن اجنبی بڑے جوشیلے انداز میں ''نواب صاحب، نواب صاحب'' کہتا ہوا میری طرف لپکا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے مجھے لپٹا لینا چاہتا ہو لیکن میں بت بنا بیٹھا ہوا تھا۔ میری یہ بے حسی دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا اور اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ گر گئے۔

''یہ کیا ہوگیا نواب صاحب! یہ کیا ہوا ہے۔!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

میں ایک ٹک سے اسے دیکھتا رہا۔ ذہن پر زور دینے کے باوجود مجھے کچھ یاد نہیں آرہا تھا اور اسی لیے وہ لمحات میرے لیے بڑے اذیت ناک تھے۔

ڈاکٹر جمالی نے آہستگی سے اجنبی کو کندھے پر ہاتھ دیا اور کہا: ''مت بھولیے کہ یہ اپنی یادداشت کھو چکے ہیں۔''

''اوہ...... جی ہاں، جی ہاں۔'' اجنبی نے جلدی سے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بڑے مغموم سے لہجے میں بولا: ''کیا آپ مجھے بھی نہیں پہچانے نواب صاحب......! میں طارق زبیری ہوں آپ کا پرسنل سیکریٹری۔''

''میرا نام کیا ہے؟'' مجھے خود اپنی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی۔

''آپ کا نام خاور جنگ ہے۔'' اجنبی نے کہا اور ایسی متوقع نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا جیسے صرف نام ہی سن کر مجھے سب کچھ یاد آجائے گا۔

''خاور جنگ۔'' میں نے زیرِ لب دہرایا۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ نام کچھ اچھا نہیں لگا تھا۔ میں چند لمحے اپنے ذہن پر زور دیتا رہا اور پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔ جب میں بولا تو میری آواز بھرائی ہوئی تھی: ''مجھے کچھ یاد نہیں آتا۔ میرے ذہن میں ماضی کے گوشوں پر دھند چھائی ہوئی ہے۔''

''میں ان گوشوں کو روشنی میں لا کر رہوں گا۔'' طارق زبیری نے پرجوش لہجے میں کہا: ''میں آپ کو ایک ایک بات یاد دلا دوں گا نواب صاحب!......آپ زیادہ دیر تک ذہن کی بھول بھلیوں میں گم نہیں رہ سکتے۔''

''میرا گھر کہاں ہے؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا۔

''زنجن پور!......میرے ذہن میں چھناکہ سا ہوا۔ مجھے وہ ادھورا ٹیلیگرام یاد آ گیا تھا جو آسیہ کو میرے کوٹ کی جیب سے ملا تھا۔ وہ ٹیلیگرام دینے والی راج کماری کلدیپ کور آف زنجن پور تھی۔

''زنجن پور'' میں نے زیر لب دہرایا۔

''جی ہاں'' طارق زبیری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''زنجن پور جس کی گلیاں آج بھی آپ کے لیے اداس ہیں ان گلیوں میں آپ کا بچپن گزرا اور جوانی آئی۔ وہ گلی کوچے آج بھی آپ کی شوخیوں کو یاد کرتے ہیں۔ وہاں کی فضاؤں میں آج بھی آپ کے قہقہوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔''

مجھے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ ذہن میں بگولے سے اُٹھنے لگے میں اپنی یادداشت کو کریدنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ طارق زبیری کی آواز اب مجھے بہت دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''ایک سال ہوا جب آپ نے بڑے صاحب سے روٹھ کر زنجن پور کی فضاؤں کو خیر آباد کہا تھا۔ کاش آپ اس چھوٹی سی بات کو اپنی انا کا مسئلہ نہ بناتے۔ آپ کی یاد میں روتے روتے نواب صاحب کی آنکھیں کمزور ہو گئی ہیں۔ اگر یہاں کے اخبارات ان تک پہنچے اور انہوں نے پولیس کا وہ اعلان پڑھ لیا تو یقیناً وہ دوڑے ہوئے یہاں آئیں گے۔ باپ کی شفقت، بیٹے کی ضد کے آگے ہار چکی ہے۔ آج سے چھ ماہ قبل ہی انہوں نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ زبیری اگر خاور واپس لوٹ آئے تو میں اسے اپنے سینے سے لگا کر اس کی خواہش کے آگے سر جھکا دوں گا۔''

زبیری بڑی جذباتی کر رہا تھا لیکن میرے جذبات میں کوئی ہلچل نہیں مچی، مجھے کچھ یاد نہیں آیا۔ میں خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''سنیے مسٹر زبیری! ڈاکٹر جمالی بولا۔

طارق زبیری جذبات میں ایسا ڈوبا ہوا تھا کہ اس اچانک تخاطب پر چونک پڑا۔ چھڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر میرے بستر کے نیچے گر گئی۔

''او معاف کیجیے گا'' اس نے جھینپ کر کہا اور چھڑی اُٹھانے کے لیے جھکا۔

میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ میں نے نرس کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔

''پانی۔''

طارق زبیری چھڑی سنبھال کر سیدھا کھڑا ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر جمالی نے اس سے کہا: ''کیا آپ بتائیں گے میرے مریض کے والد زنجن پور میں کس رُتبے کے آدمی ہیں۔''

''وہ......وہ......'' طارق زبیری نے بڑے پر جوش انداز میں کہا: ''وہ زنجن پور کی بہت بڑی شخصیت ہیں۔ خطاب یافتہ اور امیر و کبیر......راجہ صاحب کے بعد وہ زنجن پور کے سب سے بڑے آدمی ہیں۔''

''راجہ صاحب کون؟''

''زنجن پور کے راجہ شمشیر سنگھ۔''

''اچھا اچھا۔'' ڈاکٹر جمالی نے سر ہلایا اور پھر کہا: ''میرے مریض......میرا مطلب ہے خاور جنگ صاحب کس بات پر اپنے والد سے روٹھے تھے۔؟''

''یہ......یہ ایک بہت ہی نجی قسم کا معاملہ ہے ڈاکٹر صاحب!'' طارق زبیری نے ہچکچاتے ہوئے کہا: ''مجھے اُمید ہے کہ اس سلسلے میں میری خاموشی کا آپ برا نہیں مانیں گے۔''

''بے شک مجھے کسی کے نجی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن میں یہ بات اس لیے معلوم کر رہا تھا کہ شاید اسے سن کر خاور جنگ صاحب کی یادداشت لوٹ آتی۔''

''میں تنہائی میں ان سے وہ ساری باتیں کرلوں گا جو ان کے ماضی سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں۔''

''تو کیا ہم آپ کو تنہا چھوڑ دیں؟''

''یقیناً میں آپ سے تنہائی کی درخواست کروں گا لیکن فی الحال میں بڑے نواب صاحب کو ٹرنک کال کرنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور ضرور۔آپ ہسپتال کا ٹیلی فون استعمال کر سکتے ہیں۔''

نرس نے مجھے پانی کا گلاس دیا جو میں نے ایک ہی سانس میں خالی کر دیا اور پھر طارق زبیری کی طرف دیکھنے لگا جو مجھ سے کہہ رہا تھا۔

''نواب صاحب! میں ابھی آتا ہوں۔ دس منٹ میں۔''

میں جواب میں صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

''ڈاکٹر صاحب!'' طارق زبیری نے ڈاکٹر جمالی کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔''جب میں ٹیلیفون پر بڑے نواب صاحب سے گفتگو شروع کروں، اس وقت کمرے میں کسی اور کو نہیں ہونا چاہیے۔''

''بہتر ہے! ایسا بندوبست بھی ہو جائے گا۔''

وہ دونوں کمرے سے نکل گئے اور ان کے قدموں کی آہٹ دور ہوتی چلی گئی میں خالی خالی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اس وقت چونکا جب نرس کی آواز سنائی دی۔

''لیٹ جائیے! آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔''

''شکریہ نرس!'' میں نے طویل سانس لے کر کہا: ''کیا تم مجھے وہ اخبارات فراہم کر سکتی ہو جن میں میری تصویر شائع ہوئی ہے۔''

یقیناً کیوں نہیں۔ نرس نے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔

میرا ذہن طارق زبیری کی شخصیت میں الجھا ہوا تھا لیکن اب بھی مجھے کوئی بات یاد نہیں آرہی تھی۔ میری یادداشت پر اندھیرے کی دبیز تہیں چڑھی ہوئی تھیں۔

نرس اخبار لے آئی اور اس نے وہی صفحہ میرے سامنے کر دیا جس پر میری تصویر اور پولیس کا اعلان شائع ہوا تھا۔ اس اعلان کو پڑھ کر میری پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس اعلان میں کہیں بھی یہ بات نہیں تھی کہ میں کس ہسپتال میں زیر علاج ہوں۔ صرف یہ لکھا گیا تھا کہ یہ تصویر جس شخص کی ہے۔ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے اس لیے اگر کسی کو اس کے بارے میں کچھ معلومات ہوں تو وہ اس سلسلے میں پولیس ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کرے۔ میں اس الجھن میں پڑ گیا کہ جب اعلان میں ہسپتال کا کوئی تذکرہ نہیں تھا تو پھر طارق زبیری سیدھا یہاں کیسے آ گیا......؟ میں تیزی سے سوچنے لگا۔ میرے ذہن میں شکوک وشبہات انگڑائیاں لے رہے تھے۔ چونکہ دو مرتبہ مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی جا چکی تھی لہٰذا اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ میرا نامعلوم دشمن پھر کوئی حرکت کر بیٹھتا۔ یہ بات ممکن تھی کہ طارق زبیری اسی سلسلے کی کوئی کڑی ہوتا۔

دفعتاً میرے ذہن میں چھناکہ سا ہوا۔ مجھے ایک اور بات یاد آئی تھی۔ حیرت انگیز بات! طارق زبیری نے میرا نام خاور جنگ بتایا تھا جبکہ میری انگوٹھی پر ''اے'' بنا ہوا تھا۔ اگر میرا نام خاور جنگ ہوتا تو میری انگوٹھی پر ''کے'' بنا ہوا ہوتا۔

میں مضطربانہ انداز میں اپنے بستر سے کھڑا ہو گیا۔

''کیوں کیوں! کیا بات ہے!'' نرس جلدی سے بولی۔

''وہ ضرور کوئی فراڈ ہے۔'' میں نے تیز سرگوشی کی۔

''کون!'' نرس حیرت سے بولی۔

''طارق زبیری وہ یقیناً میرے دشمنوں کا ایجنٹ ہے۔'' میں یہ کہتا ہوا دروازے کی طرف لپکا۔

''ارے ارے...... سنیئے تو......! ٹھہریئے...... مسٹر!'' نرس چیخی۔

لیکن میں دروازے سے باہر نکل چکا تھا۔ جوش کے عالم میں مجھے چپل پہننا بھی یاد نہیں رہی تھی۔ میں طارق زبیری کو پکڑنے کے لیے پاگلوں کی طرح دوڑ پڑا تھا اور میری یہی حرکت میری زندگی کی ضامن بن گئی میں راہداری میں کچھ ہی دور گیا تھا کہ ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور میرا کمرہ ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا۔ دھماکہ ایسا تھا کہ شاید سارے ہسپتال کے در و دیوار ہل گئے ہوں گے۔ مجھے ایک جھٹکا سا لگا اور میں اوندھے منہ گر پڑا۔ اس دھماکے نے میرے دماغ کی نس نس کو ہلا کر رکھ دیا۔ تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے تاریکی پھیلتی چلی گئی اور میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

جب مجھ کو ہوش آیا تو میں نے خود کو ہسپتال کے نرم گدیلے بستر پر پڑا ہوا پایا۔ ایک نرس مجھ پر جھکی ہوئی میرا سر سہلا رہی تھی۔ لیکن یہ وہ نرس نہیں تھی جو آسیہ کے بعد میرے کمرے میں آئی تھی ڈاکٹر جمالی اور جوگیندر بھی میرے قریب موجود تھے۔ مجھ کو ہوش میں آتا دیکھ کر نرس نے اپنا ہاتھ روک لیا اور پیچھے ہٹ گئی۔

''اوہ...... ڈاکٹر! مجھے کیا ہو گیا تھا۔؟'' میرے منہ سے نکلا۔

''دھماکے نے آپ کے اعصاب پر گہرا اثر چھوڑا تھا جس کے باعث آپ بے ہوش ہو گئے تھے۔'' ڈاکٹر جمالی نے کہا: ''آپ جس کمرے میں تھے وہ ملبے کا ڈھیر بن چکا ہے۔''

میرا ذہن اب کام کرنے لگا تھا اور مجھے اس دھماکے سے متعلق ساری باتیں یاد آ گئی تھیں۔ اگر میں طارق زبیری کی طرف سے مشکوک ہو کر اسے پکڑنے کے لیے دوڑ نہ پڑتا تو یقیناً اس کمرے کے ساتھ میرے جسم کے بھی چیتھڑے اُڑ جاتے۔ گویا میرے دشمنوں کا ایک اور حملہ ناکام ہو چکا تھا۔

''لیکن وہ سب کیسے ہو گیا؟'' میں بڑبڑایا۔

''یہ تو ہمیں آپ ہی بتائیں گے۔'' انسپکٹر جوگیندر نے تیز لہجے میں کہا۔ ''آخر آپ کے دل میں کمرے سے بھاگ نکلنے کا خیال کیوں آیا تھا۔''

''طارق زبیری فراڈ تھا۔'' میں نے جواب دیا اور پھر یہ بھی بتانے لگا کہ اس کے فراڈ ہونے کا احساس مجھے کن باتوں کی وجہ سے

ہوا تھا۔ وجوہات بیان کرنے کے بعد میں نے کہا۔ ''بس انہی خیالات کی بنا پر میں اسے پکڑنے کے لیے دوڑ پڑا تھا اور میری یہی اضطراری حرکت دشمنوں کی ناکامی کا سبب بن گئی۔''

''کیا وہ شخص آپ کے کمرے میں ٹائم بم چھپا گیا تھا؟''

''غالباً کوئی ایسی ہی بات ہونا چاہیے۔'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا پھر سوچتا ہوا بولا: ٹھہریے! مجھے ایک خیال آرہا ہے۔ شاید میرا اندازہ درست ہو۔ ڈاکٹر! آپ کو یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ آپ کے اچانک تخاطب پر وہ چونک پڑا تھا اور چھڑی اس کے ہاتھ سے گرگئی تھی میرا خیال ہے کہ چھڑی اس نے دیدہ دانستہ گرائی تھی اور جھک کر اسے اُٹھاتے وقت اس نے چپکے سے میری آہنی مسہری کے نیچے ڈی لیڈ ایکشن چپکا دیا ہوگا۔ مسہری چونکہ لوہے کی تھی لہٰذا بم چپکانے کے لیے مقناطیسی قوت استعمال کی جاسکتی ہے۔''

''بہت خوب!'' انسپکٹر جوگیندر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا: ''آپ یہ ساری باتیں جانتے ہیں لیکن آپ کو اپنے بارے میں کچھ یاد نہیں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں!'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور پھر جمالی سے بولا: ''ڈاکٹر...... اس دھماکے سے کوئی جانی نقصان تو نہیں ہوا۔؟''

''وہ کانسٹبل کافی زخمی ہوگیا ہے جو آپ کے کمرے کے دروازے پر مامور تھا۔ وہ دیوار سے لگا ہوا اونگھ رہا تھا جب آپ کمرے سے نکل کر بھاگے۔ آپ کے بھاگنے کی آہٹ پر وہ چونکا اور پھر آپ کی طرف جھپٹا لیکن اسی وقت دھماکہ ہوگیا اور کمرے کی دیواروں کے کئی ٹوٹے ہوئے حصے اس پر جاپڑے۔

''اور نرس؟''

''وہ بیچاری ہلاک ہوگئی۔'' ڈاکٹر جمالی نے مغموم لہجے میں کہا: ''وہ غالباً اس وقت دروازے سے نکل ہی رہی تھی جب دھماکہ ہوا۔''

''اوہ! مجھے اس اطلاع سے صدمہ پہنچا تھا پھر میں نے چونک کر پوچھا۔ ''اور ہاں...... !طارق زبیری......''

''وہ جل دے کر نکل گیا۔'' ڈاکٹر جمالی نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا: ''چونکہ اس نے ٹرنک کال کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی اس لیے میں اسے اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔ اسے وہاں چھوڑ کر میں باہر نکل آیا کیونکہ وہ تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا تھا لیکن یہ دراصل اس کی چال تھی تنہائی میں اسے بھاگ نکلنے کو موقع بڑی آسانی سے مل سکتا تھا۔ میرے کمرے کے دروازے ہیں لہٰذا اسے بڑی آسانی سے فرار ہونے کا موقع مل گیا۔''

''میرے دشمن کافی تیز ہیں۔'' میں بڑبڑایا۔

''اور کسی دن یہ تیزی رنگ لا کر رہے گی اگر آپ نے اب بھی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا: ''جوگیندر نے الفاظ چباتے ہوئے

کہا۔

''انسپکٹر!''میں بڑی معصومیت سے بولا:''میری طرف دیکھیے......!غور سے دیکھیے! کیا میں واقعی جھوٹا اور مکار نظر آتا ہوں۔''

انسپکٹر جوگیندر نے غور سے میری طرف دیکھا۔اس نے میری آنکھوں کی گہرائی میں جھانکنے کی کوشش کی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے کچھ گھبراتے ہوئے انداز میں اپنی نظریں جھکالیں۔

''مائی گاڈ!''اس کے منہ سے نکلا:''آپ کی آنکھوں میں جیسے بجلیاں کوندتی ہیں' میں نظر بھر کر آپ کی طرف نہیں دیکھ سکتا۔آخر آپ کی آنکھوں میں کیا بات ہے۔''

''ان کی آنکھیں بے حد غیر معمولی ہیں۔''ڈاکٹر جمالی سنجیدگی سے بولا:''میں نے بھی یہی محسوس کیا ہے کہ میں ان سے نظریں ملا کر بات نہیں کرسکتا۔''

میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔میں اچنبھے میں پڑ گیا تھا آخر ایسی کیا بات تھی۔میری آنکھوں میں۔؟ آسیہ نے بھی کل رات یہی کہا تھا کہ وہ مجھ سے نظریں نہیں ملا سکتی۔!

''آخر ایسی کیا بات ہے میری آنکھوں میں!''میں بڑبڑایا۔

''ہوگی کچھ......اس وقت ہم کو اس مسئلے پر الجھنے کی ضرورت نہیں' چلیے میں مانے لیتا ہوں کہ آپ واقعی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔ لیکن جلد یا بدیر آپ کو سب کچھ یاد آ ہی جائے تو میں آپ کو تنبیہ کرتا ہوں کہ اس عرصے میں آپ ہسپتال سے باہر ہونے کی کوشش نہ کیجیے گا ورنہ میں یہی تصور کروں گا کہ آپ نے مجھے دھوکہ دیا اور کسی وجہ سے اپنی شخصیت کو پوشیدہ رکھنے کے لیے خود کو گمشدہ یادداشت کا مریض ظاہر کیا۔''

''آپ مطمئن رہیں۔اگر میں اس حالت میں یہاں سے بھاگنے کی کوشش کروں تو یہ میری حماقت ہوگی۔

انسپکٹر جوگیندر چند لمحے کچھ سوچتا رہا اور پھر ڈاکٹر جمالی سے بولا: ''اچھا اب میں چلتا ہوں۔''

انسپکٹر جوگیندر کے ساتھ ڈاکٹر جمالی بھی کمرے سے چلا گیا۔ وہ جوگیندر کو برآمدے تک چھوڑنے گیا ہو۔

ان کے جاتے ہی میرے ذہن نے تیزی سے کام کرنا شروع کر دیا۔ حالات بڑی نازک صورت اختیار کر چکے تھے میں اپنی گمشدہ ہستی کو یاد کرنے کی اذیت میں مبتلا تھا اور میرے نامعلوم دشمن میری زندگی کا خاتمہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ مجھ پر تین مرتبہ حملہ ہو چکا تھا لیکن قسمت نے یاوری کی تھی کہ میں بچ گیا تھا۔ تاہم اس بار کی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی کہ میری قسمت کب تک یاوری کرے گی۔ یہ تو طے تھا کہ میرے دشمن چین سے بیٹھنے والے ہرگز نہیں تھے۔ گو کہ انسپکٹر جوگیندر نے میری حفاظت کے انتظامات کچھ اور سخت کر دیے ہوں گے لیکن یہ بات مجھے گوارہ نہیں تھی کہ میری زندگی کسی اور کی مرہون منت رہے۔ میں اپنی حفاظت خود کرنا چاہتا تھا اور اس پر عملدرآمد کی واحد صورت یہی ہو سکتی تھی کہ میں اس ہسپتال سے فرار ہو جاؤں۔ اس طرح میں پولیس کے ساتھ ساتھ اپنے دشمنوں کی نظروں سے بھی اوجھل ہو جاتا اور پھر مجھے مستقل طور پر نہ سہی لیکن کوئی پناہ گاہ ضرور مل سکتی تھی۔

میرا ذہن تیزی سے کام کرتا رہا اور میں نے جلد ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ میں نرنجن پور کا رخ کروں گا۔ میری جیب سے نکلنے والے ٹیلیگرام کا پھٹا ہوا حصہ نرنجن پور کی کسی راج کماری کلدیپ کور کی طرف اشارہ کرتا تھا اور اگر یہ بات فرض کر لی جائے کہ وہ ٹیلیگرام میرے ہی لیے تھا تو یہ بات بھی یقینی تھی کہ راج کماری کلدیپ کور میرے بارے میں بہت کچھ جانتی ہوگی۔ مجھے یہ بات بھی یاد تھی کہ طارق زبیری نے بھی نرنجن پور ہی کا نام لیا تھا۔ غالباً اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے اسے کسی ایسے مقام کا نام لینے کی ضرورت تھی جو خیال نہ ہو چنانچہ وہ شعوری یا شعوری طور پر نرنجن پور کا ذکر کر بیٹھا تھا۔

راج کماری کلدیپ کور کا ٹیلیگرام اور طارق زبیری کی بات سے مجھے یہ باور آ چلا تھا کہ نرنجن پور سے میرا کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوگا۔ بہت ممکن تھا کہ نرنجن پور کی جانی پہچانی گلیوں میں قدم رکھتے ہی میری یادداشت واپس لوٹ آتی اور میں خود کو پہنچا لیتا۔

اس خیال نے مجھے بے چین کر دیا کہ نرنجن پور پہنچ کر میری یادداشت واپس آ سکتی ہے میرا اضطراب اس قدر بڑھا کہ میں نے

مثبت قوتیں جب ایک دوسرے سے مس ہوتی ہیں تو ایسا ہو ہی جاتا ہے۔

لیکن بہرحال! مجھے اب اس جذباتی لڑکی کا تعاون درکار تھا میں آج دن میں اپنے فرار کا مکمل منصوبہ سوچ چکا تھا اور مجھے اس منصوبے پر عمل درآمد کے لیے آسیہ کی مدد کی ضرورت تھی۔

میں نے بڑی محبت سے آسیہ کے ہونٹ چوم لیے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بستر پر اپنے قریب بٹھاتا ہوا بولا: ''آسیہ! تمہیں یاد ہوگا، کل رات تم نے کہا تھا کہ میری خاطر تم موت کی منزل تک جاسکتی ہو۔ کہا تھا نا؟

''ہاں کہا تو تھا۔ کیوں!'' آسیہ نے غور سے میری طرف دیکھنا چاہا لیکن نظریں ملتے ہی گھبرا کر سر جھکا لیا۔ میرا ذہن ایک بار پھر اس خیال سے الجھنے لگا کہ آخر میری آنکھوں میں ایسی کون سی قوت ہے کہ لوگ مجھ سے نظریں ملا کر بات نہیں کر سکتے یقیناً وہ کوئی غیر معمولی بات ہوگی لیکن یہ موقع ایسا نہیں تھا کہ میں اس غیر معمولی بات کا سراغ لگانے میں الجھ جاتا میں نے اس الجھن کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا اور آسیہ سے بولا۔

''اب وقت آگیا ہے کہ تمہارے اس دعوے کا امتحان ہو جائے۔''

''آسیہ! میری زندگی خطرے میں ہے۔ اگر میں اس ہسپتال میں رہا تو ضرور مارا جاؤں گا۔ تین مرتبہ کی ناکامی کے بعد میرے دشمن چوتھی مرتبہ بڑا جامع منصوبہ بنا کر مجھ پر حملہ کریں گے۔ پولیس کے یہ معمولی سے حفاظتی انتظامات مجھے نہیں بچا سکتے اس لیے میں اس ہسپتال سے فرار ہو جانا چاہتا ہوں۔''

''فرار۔'' آسیہ چونک پڑی۔

''ہاں آسیہ...... ! اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہے۔'' میں نے مدھم لہجے میں کہا: ''اور اس سلسلے میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔''

آسیہ نے فوراً کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے سر جھکائے اپنے ناخنوں کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر جب وہ بولی تو اس کی آواز میں جذبات انگریز لرزش تھی۔

''میں نے جو دعویٰ کیا تھا اسے پورا کر کے دکھاؤں گی آپ جو کچھ بھی کہیں میں کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن دکھ صرف اس بات کا ہے کہ پھر شاید میں آپ کو کبھی نہ دیکھ سکوں۔'' آسیہ کی آنکھوں سے دو آنسو اس کے گالوں پر ڈھلک گئے۔

''ارے ارے...... پگلی!'' میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام لیا اور جھک کر اس کی آنکھوں کے آنسو چوم لیے پھر بولا: ''باؤلی...... میں نے یہ کب کہا کہ میں تجھے بھول جاؤں گا۔ میں تجھے بھول ہی نہیں سکتا۔ اپنے دشمنوں سے نپٹنے کے بعد میں تیرے پاس واپس آؤں گا۔''

''جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔'' آسیہ بے حد مغموم ہوگئی تھی۔

''آسیہ......ادھر دیکھو! میری طرف!''

آسیہ نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے ایک بار میری طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

''میں واپس آؤں گا آسیہ! میں قسم کھاتا ہوں کہ واپس آؤں گا۔تم میرا انتظار کرنا۔'' میں نے بڑے جذباتی انداز میں کہا۔

''اچھا۔'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی: ''آپ کہتے ہیں تو یقین کیے لیتی ہوں۔ میں ساری زندگی آپ کا انتظار کروں گی۔''

''اچھا اب سنو کہ تمہیں میری کیا مدد کرنا ہے۔''

آسیہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔ میں وقت بالکل ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔اس لیے جلدی جلدی اسے منصوبے سے آگاہ کرنے لگا۔وہ بڑے غور سے سنتی رہی۔آخر میں' میں نے اس سے کہا۔

''بس اب جاؤ اور جا کر ڈاکٹر جمالی سے کہو کہ اچانک میری حالت بہت خراب ہوگئی ہے۔اس بہانے سے تم اس کو یہاں لے آؤ۔اس کے بعد تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔''

آسیہ چند لمحوں تک مجھ سے نظریں ملائے بغیر میرے چہرے کی طرف دیکھتی رہی اور پھر ایک جھٹکے سے اُٹھ کر تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی میں نے منصوبے کے دوسرے مرحلے کی تیاری شروع کر دی۔ میں سخت قسم کی ورزش کرنے لگا جس سے میری سانس پھول جائے اور جسم سے پسینہ بہہ نکلے میرے زخمی ہاتھ کی پٹی آج صبح ہی کھل چکی تھی کیونکہ معمولی سا زخم اس عرصے میں بالکل ٹھیک ہو چکا تھا۔صرف سر پر اب بھی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

جلد ہی میرا سانس پھول گیا اور جسم سے پسینہ پھوٹ نکلا۔ پھر جیسے ہی مجھے تیزی سے قریب آتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں میں لپک کر بستر پر لیٹ گیا اور چادر سینے تک اوڑھ لی۔ جلد ہی دروازہ کھلا اور آسیہ ڈاکٹر جمالی کو لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ ڈاکٹر جمالی کے ہاتھ فلیٹ ہیٹ تھا ممکن ہے اس وقت وہ کہیں جا رہا ہو' جب آسیہ نے اسے میرے بارے میں اطلاع دی ہوگی۔

''کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟ ڈاکٹر جمالی کہتا ہوا تیزی سے میرے بستر کے قریب آ گیا۔

''اوہ...... ڈاکٹر...... ڈاکٹر!'' میں کراہتا ہوا بولا: ''مجھے اپنے ماضی کے بارے میں کچھ یاد آنے لگا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی آہ......! اچانک مجھے یوں محسوس ہونے...... لگا ہے جیسے میرا دل...... میرا دل ڈوبا جا رہا ہے...... اوہ ڈاکٹر! خدا کے لیے جلدی کچھ کیجیے!''

میرے چہرے پر چمکتے ہوئے پسینے کے قطرات دیکھ کر ڈاکٹر جمالی کو میری باتوں کا یقین آ گیا۔اس نے آسیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''گلوکوز انجکشن...... ہری اَپ!''

آسیہ فوراً دروازے کی طرف بڑھ گئی اور ڈاکٹر جمالی اپنا اسٹیتھو اسکوپ سنبھالتا ہوا جلدی سے میرے بستر پر بیٹھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے چادر ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے جسم سے الگ کر دی اور دونوں ہاتھ ڈاکٹر جمالی کی گردن کی طرف بڑھائے۔ اس نے بوکھلا کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن میری پھرتی سے مات کھا گیا۔ اس سے پہلے کہ اس کے منہ سے چیخ نکل سکتی' اس کی گردن پر میرے ہاتھوں کا دباؤ بہت زیادہ بڑھ چکا تھا۔ میں نے اسے بستر پر گرا دیا اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ ڈاکٹر جمالی کی پھٹی پھٹی سی آنکھوں میں حیرت بھی نظر آ رہی تھی اور خوف بھی...... میں اس کی گردن پر دباؤ بڑھاتا چلا گیا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس قسم کے کام میں پہلے بھی کئی مرتبہ کر چکا ہوں۔ میرے جسم میں ایک عجیب سی لذت آمیز سنسنی دوڑ رہی تھی۔ اور میں خود کو کسی چیتے کی طرح پھرتیلا اور طاقتور محسوس کر رہا تھا۔ ڈاکٹر جمالی بے حس و حرکت ہو گیا تو میں نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ نہ جانے کیسے مجھے یہ اندازہ تھا کہ گردن پر اتنا دباؤ پڑنے سے ڈاکٹر جمالی کی سی کاٹھی کے لوگ مر نہیں سکتے' صرف بے ہوش ہوتے ہیں۔

میں نے جلدی سے ہسپتال کا لباس اپنے جسم سے اتار پھینکا اور ڈاکٹر جمالی کے کپڑے اتار کر پہننے لگا۔ آسیہ کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ وہ واپسی میں کم از کم دس منٹ لگائے اس دوران میں مجھے یہاں سے فرار ہو جانا تھا۔ واپس آ کر آسیہ کمرے میں ڈاکٹر جمالی کو بے ہوش پڑا دیکھ کر شور مچا دیتی لیکن اتنی دیر میں تو میں ہسپتال سے نکل چکا ہوتا۔

میں نے ڈاکٹر جمالی کا لباس پہن کر اس کی ایپرن بھی پہن لی اور سر پر ڈاکٹر جمالی ہی کی فیلٹ ہیٹ اس طرح جمالی کہ پٹیاں دکھائی نہ دے سکیں۔ میں نے یہ سارے کام اتنی پھرتی سے کیے تھے کہ بمشکل سات منٹ صرف ہوئے میں تیزی سے دروازے کے قریب پہنچا اور پھر دروازہ کھول کر بڑے اطمینان سے باہر نکل گیا۔ میں نے کنکھیوں سے کانسٹبل کی ایک جھلک دیکھ لی تھی۔ دروازے کے باہر وہ دائیں جانب کھڑا ہوا تھا اس لیے میں بائیں طرف مڑ گیا اور ایپرن کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، سر جھکائے، بڑے اطمینان سے آگے بڑھتا چلا گیا میں قد و قامت میں ڈاکٹر جمالی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھا اور اسی لیے مجھے امید تھی کہ کانسٹبل دھوکہ کھا جائے گا۔

میرا خیال درست ثابت ہوا۔ کانسٹیبل نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آسیہ نے مجھے ہسپتال کے نقشے سے آگاہ کر دیا تھا اس لیے مجھے باہر نکلنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ یہ ایک شاہراہ تھی میں جلدی جلدی قدم اُٹھاتا ہوا ایک گلی میں گھس گیا اور پھر میں نے سب سے پہلے ڈاکٹر جمالی کے اسٹیتھو اسکوپ اور ایپرن سے نجات حاصل کی۔ دونوں چیزیں میں نے گلی میں نظر آنے والے کوڑے کے ایک ڈرم میں پھینکیں اور پھر پتلون کی جیبوں کا جائزہ لیا۔ اڑتالیس روپے اور کچھ ریزگاری ہاتھ لگی۔ اس رقم کے علاوہ ڈاکٹر جمالی کے چند وزیٹنگ کارڈ بھی تھے جو ظاہر ہے کہ میرے کسی کام نہیں آسکتے تھے۔ البتہ ایک کام کی چیز مجھے اور ملی۔ وہ تاریک شیشوں کی ایک عینک تھی۔

دوسری شاہراہ پر پہنچ کر میں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور ریلوے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا مجھے نہ صرف یہ کہ زنجن پور پہنچنے کی جلدی تھی بلکہ میرے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ میں جلد از جلد یہ شہر چھوڑ دوں۔

زنجن پور کا ٹکٹ مجھے سترہ روپے میں ملا۔ اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ ریاست یہاں سے خاصے فاصلے پر ہے اور میں دوسرے دن دوپہر سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکوں گا۔

میرا ستارہ اس وقت عروج پر تھا کیونکہ ٹرین وہاں سے صرف دس منٹ بعد روانہ ہونے والی تھی۔ اگر اس میں دیر ہوتی تو میرے لیے خطرات پیدا ہو سکتے تھے کیونکہ انسپکٹر جوگیندر اپنی گارڈ کے ساتھ سب سے پہلے اسٹیشن ہی کا رُخ کرتا۔

میری وہ رات ٹرین میں کٹی۔ دوسرے دن گیارہ بجنے میں دس منٹ پر میں زنجن پور پہنچ گیا۔ اسٹیشن پر ہی اخبارات کی سرخیاں میری نظر سے گزریں اور میں انہیں دیکھتے ہی چونک پڑا۔ کوئی اخبار ایسا نہیں تھا جس میں میری خبر نہ چھپی ہو۔ دو ایک نے تو وہ خبر شہ سرخیوں کے ساتھ چھاپی تھی۔ میں نے اخبار بیچنے والے ایک چھوٹے سے لڑکے سے ایک ایسا اخبار خرید لیا جس نے میری خبر کو بہت زیادہ اہمیت دی تھی۔

اخبار خرید کر میں اسٹیشن کے قریب ہی ایک ریسٹورینٹ میں جا بیٹھا۔ گو کہ فلیٹ ہیٹ اور تاریک شیشوں کی عینک کے باعث مجھے آسانی سے نہیں پہچانا جا سکتا تھا لیکن میں نے احتیاطاً ایک گوشے کی میز کا انتخاب کیا اور کرسی بھی ایسی منتخب کی کہ ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے لوگ میری صرف پشت دیکھ سکیں صرف بائیں جانب کی میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگ میرا نصف چہرہ دیکھ سکتے تھے۔

ویٹر آیا تو میں نے اسے کھانے کا آرڈر دیا اور میز پر اخبار پھیلا کر اپنے متعلق شائع ہونے والی خبر پڑھنے لگا۔ میرے فرار کا واقعہ خاصہ نمک مرچ لگا کر پیش کیا گیا تھا اور مجھ پر ہونے والے حملوں کی تفصیل بھی موجود تھی۔ میری شخصیت کے بارے میں عجیب عجیب قیاس آرائیاں کی گئی تھیں پولیس کے خیال کے مطابق میں کوئی بہت بڑا مجرم تھا جس نے اپنی شخصیت چھپانے کے لیے یادداشت کھو جانے کا ڈھونگ رچایا تھا۔

یہ ساری باتیں میرے لیے غیر متوقع نہیں تھیں لیکن ایک بات پڑھ کر میں چونک گیا۔ رپورٹر نے معتبر ذرائع کے حوالے سے لکھا تھا کہ چند غیر ملکی سفارتخانوں کے اعلیٰ افسر میرے بارے میں پوچھ گچھ کرتے پھر رہے تھے اور ایک اعلیٰ برطانوی افسر نے بھی میری تلاش

میں دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ بات بڑی مبہم اور اڑی اڑی سی تھی لیکن رپورٹر نے بڑے یقین سے سنسنی خیز انکشافات کی پیش گوئی کی تھی۔

یہ سب کچھ پڑھ کر میرا دماغ چکرا گیا۔ پولیس کی دلچسپی تو سمجھ میں آنے والی بات تھی لیکن حکومت برطانیہ اور دوسرے کئی ملکوں کا مجھ میں دلچسپی لینا نہ صرف حیرت انگیز بلکہ بے حد پراسرار تھا۔

ویٹر کھانا لے آیا تھا کھانے کے دوران میں بھی میرا دماغ خیالات سے الجھتا رہا۔ مجھے اپنی شخصیت اب بڑی پراسرار اور عجیب و غریب معلوم ہونے لگی تھی۔

آخر میں کون ہوں؟

میں کیا ہوں؟

یہ سوال میرے ذہن میں ہتھوڑوں کی طرح برستے رہے۔ میری گمشدہ شخصیت اب میرے لیے اذیت ناک ہوتی جا رہی تھی۔ میں محسوس کرنے لگا تھا کہ اگر میں نے جلد ہی اپنی شخصیت کا سراغ نہ لگا لیا تو سوچ سوچ کر میرے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی۔

میں جیسے تیسے کھانا ختم کیا اور پھر اچانک مجھے محسوس ہوا کہ بائیں جانب کی میزوں میں سے ایک پر بیٹھا ہوا آدمی بڑے مشکوک انداز میں میری طرف دیکھ رہا ہے۔ میں ایک دم سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اسی وقت مجھے احساس ہوا کہ فلیٹ ہیٹ سر پر کچھ اوپر کھسک گئی ہے اس لیے سر پر بندھی ہوئی پٹی کی جھلک نظر آ رہی ہوگی۔ میں نے جلدی سے فلیٹ ہیٹ درست کی اور پھر اسی میں عافیت جانی کہ فوراً اس ریسٹورنٹ سے رخصت ہو جاؤں۔ میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کاؤنٹر کی طرف گیا اور کھانے کا بل ادا کر کے ریسٹورنٹ سے نکل آیا فوراً ہی مجھے ایک ٹیکسی بھی مل گئی اور اس میں بیٹھتے وقت میں نے کنکھیوں سے دیکھا کہ مجھے مشکوک نظروں سے دیکھنے والا بھی ریسٹورنٹ سے نکل آیا تھا اور اب کھڑا ہو کف افسوس مل رہا تھا کیوں کہ قرب و جوار میں کوئی دوسری ٹیکسی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے اس خیال سے اطمینان کا سانس لیا کہ وہ بدبخت اب میرا تعاقب نہیں کر سکتا تھا۔

''راج محل'' میں نے ڈرائیور سے کہا اور ٹیکسی حرکت میں آ گئی۔

میں ایک مصیبت سے بچ نکلا تھا لیکن میرے دل میں یہ خدشات موجود تھے کہ مجھے ابھی ایسی اَن گنت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

نرنجن پور کی شاہراہوں اور بازاروں سے گزرتے ہوئے میں نے اپنے ذہن پر کافی زور دیا۔ لیکن مجھے کوئی گوشہ بھی جانا پہچانا نہیں محسوس ہوا۔ آخر تھک کر میں نے آنکھیں بند کر لیں اور نشست کی پشت گاہ سے ٹیک لگا لی۔ اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ راج محل پہنچ کر مجھے کس قسم کی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں ایک ریاست کی راج کماری سے ملنے جا رہا تھا لیکن مجھے یہ بات نہیں معلوم تھی کہ راج کماری سے میرے تعلقات کس قسم کے ہیں اور ہیں بھی یا نہیں؟ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ ٹیلیگرام میرے بجائے کسی اور کے لیے ہو لیکن کسی وجہ سے میری جیب تک پہنچ گیا ہو۔

اب میں سوچتا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے کہ شاید اس وقت میرا دماغ ٹھیک سے سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں تھا ورنہ مکمل معلومات حاصل کیے بغیر میں راج محل کا رُخ نہ کرتا۔

ٹیکسی ایک عظیم الشان عمارت کے سامنے جا رُکی اور میں کرایہ ادا کر کے ٹیکسی سے اتر گیا۔ ٹیکسی واپس چلی گئی۔

راج محل کے پھاٹک کے باہر دو سیاہ پیکر توپیں نصب تھیں۔ پھاٹک بند تھا لیکن پھر بھی مسلح سنتری وہاں مامور تھے۔ انہوں نے مجھے گھور کر دیکھا کیونکہ میں اپنے حلیے سے کوئی بہت بڑا آدمی نہیں معلوم ہو رہا تھا۔

میں سیدھا پھاٹک کے قریب پہنچا اور ان لوگوں سے راج کماری کلدیب کے بارے میں پوچھ بیٹھا۔ دونوں سنتری چونک کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ میں پھر بولا۔

''کیا راج کماری یہاں نہیں رہتیں۔؟''

''یقیناً یہیں رہتی ہیں۔ آپ چند منٹ توقف کریں۔''

ایک سنتری نے کہا اور پھر لپک کر لکڑی کے اس کیبن میں چلا گیا جو پھاٹک کی بائیں جانب بنا ہوا تھا۔ ٹیلیفون کے تار اس کیبن سے عمارت تک چلے گئے تھے۔ میں نے سوچا کہ وہ ٹیلیفون پر راج کماری کو میرے بارے میں اطلاع دے رہا ہوگا لیکن مجھے اس بات پر تعجب ہوا تھا کہ اس نے میرا نام معلوم کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ ایک منٹ بعد وہ کیبن سے نکل آیا اور مجھ سے انتظار کے لیے کہا۔

اب میں کچھ بے چینی محسوس کرنے لگا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد مجھے محل کی طرف سے ایک گاڑی آتی نظر آئی۔ اگلی ہی سیٹوں پر دو باوردی آفیسر موجود تھے اور انہی میں سے ایک ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ گاڑی پھاٹک کے قریب آ رکی۔ ایک آفیسر اس میں سے اتر آیا اور تحکمانہ لہجے میں بولا:

''پھاٹک کھولو۔!''

سنتریوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

''تشریف لایئے جناب!'' آفیسر نے مجھ سے کہا۔

میں ہچکچاتا ہوا آگے بڑھا اور پھاٹک سے گزر گیا۔

''تشریف لایئے۔!'' آفیسر پھر بولا اب وہ گاڑی کے پچھلی نشست کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

میرے بیٹھنے کے بعد اس نے دروازہ بند کیا اور پھر اگلی سیٹ پر جا بیٹھا۔ فوراً ہی گاڑی حرکت میں آئی اور وسیع و عریض روش پر ''یو'' ٹرن لے کر واپس روانہ ہوگئی۔

اب تک مجھ سے میرا نام نہیں پوچھا گیا تھا اور یہ بات میری بے چینی میں اضافہ کرتی چلی جا رہی تھی۔

گاڑی محل کے صدر دروازے پر جا کر رکی۔ اسی آفیسر نے پھرتی سے اتر کر میرے لیے دروازہ کھولا۔ اس کا انداز بالکل ایسا تھا

جیسے میں راج محل کا کوئی معزز مہمان ہوں لیکن اس رویے کے باوجود میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں اپنی حماقت سے کسی خطرے میں آ پھنسا ہوں۔ مجھے راج محل کے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اب میں وہاں تنہا تھا۔ وہ آفیسر واپس چلا گیا تھا۔ میں نے متجسس نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہاں آرائش و زیبائش کی ہر وہ چیز موجود تھی جو کسی راجہ کے محل میں متوقع ہو سکتی ہے۔ اس کمرے کی سجاوٹ پر زرِ کثیر صرف کیا گیا تھا مگر نہ جانے کیوں میں ان سب چیزوں سے ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں ہوا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ سب کچھ میرے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو۔

کمرے کے کئی دروازے تھے جن پر جھلملاتے ہوئے بھاری پردے پڑے ہوئے تھے۔ قدموں کی آہٹ سن کر میں ایک دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا پردہ ہٹا اور ایک ایسی شخصیت کمرے میں داخل ہوئی جو بھاری بھرکم اور انتہائی وجیہہ تھی۔ اس کی عمر چالیس پچاس کے درمیان معلوم ہوتی تھی اور وہ سکھ راجاؤں کی روایتی زرق برق پوشاک میں ملبوس تھا میں اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔ میرا کھڑا ہونا محض ایک رسمی تعظیم تھی۔ میں اس سے مرعوب ہرگز نہیں ہوا تھا اور میں نے یہ بات بھی سمجھ لی تھی کہ وہ راجہ شمشیر سنگھ تھا۔

''بہت خوب!'' ایک بھاری بھرکم آواز کمرے میں گونجی ''تو تم کلدیپ کور سے ملنے آئے ہو؟''

''جی ہاں۔''

''مجھے تمہاری اس دیدہ دلیری پر حیرت ہے نوجوان!'' راجہ شمشیر سنگھ ہونٹ بھینچ کر بولا: ''کل ہی تم نے ہماری بیٹی کو اغوا کیا تھا اس لیے یہ بات ہمارے سان و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ آج تم پھر یہاں آ جاؤ گے۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔'' میرے لہجے میں حیرت تھی۔

''معصوم بننے کی کوشش مت کرو لڑکے۔'' شمشیر سنگھ غرایا: ''کل تم ہمارے سامنے ہماری بیٹی سے ملاقات کرنے آئے تھے اور پھر نہ تو ہماری بیٹی کا پتا چلا اور نہ تم دکھائی دیے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تم دونوں ہوا میں تحلیل ہو گئے ہو۔ لیکن خیر! اب تم خود ہی ہمارے چنگل میں آ پھنسے ہو۔ راجہ شمشیر سنگھ تمہاری روح کو بھی چیخنے چلانے پر مجبور کر دے گا۔ تم یہ بتانے پر مجبور ہو جاؤ گے تم نے ہماری بیٹی کلدیپ کور کو کیوں اغوا کیا تھا اور اب وہ کہاں ہے۔''

''آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔'' میں نے کہا اور اضطراری طور پر ایک قدم آگے بڑھ گیا۔

''خبردار!'' راجہ شمشیر سنگھ گرجا: ''اپنی جگہ سے حرکت مت کرو ورنہ اپنی موت کے ذمے دار خود ہوں گے۔ ذرا اپنے اردگرد دیکھ لو!''

میں نے تیزی سے چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر دم بخود رہ گیا۔

کمرے کے ہر دروازے پر ایک باوردی آفیسر کھڑا ہوا تھا اور ان تمام آفیسروں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔

ان ریوالوروں کی نالیں میرے سینے کو تاک رہی تھیں۔

میرا دم بخود رہ جانا ایک بیساختہ حرکت تھی لیکن میں ہراساں ہرگز نہیں تھا۔ وہ سچویشن مجھے ذرا بھی خوفزدہ نہیں کر سکی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خطرات سے کھیلنا میرے لیے کوئی نئی بات نہ رہی ہو اور میں ساری عمر مشکلات اور کٹھن حالات ہی سے کھیلتا رہا ہوں۔ جس طرح لوہا، آگ میں تپ کر فولاد بن جاتا ہے، اسی طرح میں بھی ایک ایسا مضبوط ستون بن چکا تھا جسے آسانی کے ساتھ اس کی جگہ سے نہیں ہلا جا سکتا تھا۔

میں نے بڑے غور سے راجہ شمشیر سنگھ کی طرف دیکھا اور پھر مکمل اطمینان سے اپنی بات دہرائی۔ ''میں پھر عرض کرونگا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اگر آپ مجھے موقع دیں تو میں ابھی آپ کی غلط فہمی رفع کر سکتا ہوں۔''

''بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو!'' شمشیر سنگھ گرجا: ''کل کی طرح آج میں تمہاری باتوں میں ہرگز نہیں آؤں گا۔''

اس سے پہلے کہ میں پھر کچھ کہتا دروازوں میں کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے دو شخص آگے بڑھ آئے راجہ شمشیر سنگھ نے انہیں کچھ اشارہ کیا تھا۔ ان دونوں سے ایک نے اپنا ریوالور جیب میں رکھ کر ہتھکڑیوں کا جوڑا نکالا۔ یہ بات صاف ظاہر تھی کہ وہ ہتھکڑیاں میرے ہاتھوں میں ڈالی جاتیں اور مجھے کسی حقیر چوہے کی طرح بے بس کر لیا جاتا لیکن میں یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ ایک انتہائی نازک صورتِ حال تھی۔ میں اپنی اَنا کے شیشے کو چکنا چور ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ سرکشی کی لہریں میرے وجود کو لپیٹ میں لے چکی تھیں اور راجہ شمشیر سنگھ کے تمام آدمی بڑی مستعدی سے ریوالور سنبھالے مجھ پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔

ان دونوں آدمیوں میں سے ریوالور والا مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر رُک گیا اور ہتھکڑیوں والا میرے بالکل قریب آیا۔

''ہاتھ آگے کرو!'' وہ تحکمانہ انداز میں بولا۔

''مہاراج!'' میں نے شمشیر سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے ڈرامائی انداز میں کہا: ''آپ ایک بار پھر سوچ لیں ورنہ......''

''بکواس بند کرو!'' ہتھکڑیوں والا گرجا۔

راجہ شمشیر سنگھ خاموش رہا تھا۔ میں نے سختی سے ہونٹ بھینچ کر اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے۔ ہتھکڑیاں میری کلائیوں کی طرف بڑھیں تو مجھے یوں لگا جیسے میرا سارا جسم جھنجھنا اُٹھا ہو۔ میرے ضبط و تحمل کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ یہ خیال ہی میرے لیے توہین آمیز تھا کہ دنیا کا بدنام ترین زیور میرے ہاتھوں میں پہنایا جائے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ایک انجانی سی آگ میرے جسم کو جلانے لگی ہو۔ بے پناہ جوش نے میرے ذہن کو اتنا گرما دیا کہ میں سوچے سمجھے بغیر وہ سب کچھ کر بیٹھا جو سوچ سمجھ کر تو شاید نہ کرتا۔

پھر جب چند لمحوں بعد میرا ذہن ٹھنڈا ہوا تو میں اپنی جوشیلی حرکتوں کا نتیجہ دیکھ کر بیساختہ ہنس پڑا۔ ہتھکڑیوں والا، ریوالور والے پر اوندھا پڑا ہوا، اپنا پیٹ پکڑے بری طرح ڈکرا رہا تھا اور ریوالور والا فرش پر چاروں خانے چت، اس طرح پڑا ہوا تھا جیسے اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ہو۔ ہتھکڑیاں چکنے فرش پر پھسلتی ہوئی بائیں جانب کی دیوار تک چلی گئی تھیں اور ریوالور؟ وہ میرے ہاتھ میں تھا اور اس کی نال راجہ شمشیر سنگھ کی پیٹھ سے لگی ہوئی تھی۔

ذرا ہی دیر بعد ہم دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے میں نے اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اب حالات کیا رُخ اختیار کرینگے۔

''نوجوان!'' راجہ شمشیر سنگھ دھیمی آواز میں بولا: ''میں سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمہارے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے' کل میں نے خود اپنی آنکھوں سے تمہیں کلدیپ کور کے ساتھ دیکھا تھا تم اسے لے کر گئے اور پھر میری بچی واپس نہیں لوٹی۔'' آخری فقرے کہتے ہوئے شمشیر سنگھ کی آواز کچھ بھرا گئی تھی۔ایک باپ کے جذبات کو اس موقع پر امنڈنا ہی چاہیے تھا۔

''مجھے آپ کے دُکھ کا شدید احساس ہے مہاراج!''

میں نے کہا'' مگر یقین کیجیے کہ میں کل یہاں نہیں آیا۔کل تو میں یہاں سے سیکڑوں میل دور ایک ہسپتال میں پڑا ہوا تھا۔''

راجہ شمشیر سنگھ بڑی بے صبری سے میری بات کاٹتا ہوا بولا: ''میں بوڑھا ضرور ہو گیا ہوں لیکن ابھی میری آنکھیں اتنی کمزور نہیں

کر شاید میرے ذہن میں کچھ روشنی پھیل سکے مگر یہاں تو نقشہ ہی بدلا ہوا ملا۔''

''اگر تم اپنے ماضی کو فراموش کر چکے ہو تو تمہیں کلدیب کا خیال کیسے آ گیا؟'' راجہ شمشیر سنگھ کے لہجے میں شک و شبہ کی لہریں تھیں۔

میں مسکرا پڑا کیونکہ مجھے اس سوال کی توقع تھی میں نے شمشیر سنگھ کو وجہ بتائی۔ وہ وجہ حقیقت پر مبنی تھی لیکن میں نے محسوس کیا کہ راجہ شمشیر سنگھ میری طرف سے پوری طرح مطمئن نہیں ہوا ہے۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا اور پھر بند کر لیا۔ وہ نہ جانے کیا کہتے کہتے رکا تھا۔

''ہاں ہاں...... کہیے!'' میں نے اسے اکسایا۔

''میں تمہیں کس نام سے مخاطب کروں؟''

''اپالو۔'' میں کہتے ہوئے مسکرا پڑا۔ پھر اپنی انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی پر نظر ڈالتا ہوا بولا: ''میری انگوٹھی پر ''اے'' بنا ہوا ہے۔ میرا نام اسی حرف سے شروع ہوتا ہوگا۔ لیکن میں اس سے بے خبر ہوں۔ ہسپتال کی ایک نرس نے اس حرف کی مناسبت سے مجھے اپالو کا نام دیا تھا۔ آپ بھی اگر چاہیں تو مجھے اسی نام سے پکار سکتے ہیں۔''

راجہ شمشیر چند لمحے خاموش رہا پھر بولا: ''نوجوان! میں ابھی تک تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔ اس سلسلے میں تحقیقات کروں گا۔ اس وقت تک تم میرے مہمان رہو گے۔ راج محل کی بیرونی چار دیواری سے نکلنے کی کوشش مت کرنا۔ اس قسم کی کوئی حماقت تمہیں موت کی آغوش میں پہنچا دے گی کیونکہ میرے آدمی تم پر کڑی نظر رکھیں گے اور ان سب کو میرا یہ حکم مل چکا ہوگا کہ اگر تم فرار ہونے کی کوشش کرو تو تمہیں گولی مار دی جائے۔''

یہ صورتِ حال میرے لیے بڑی صبر آزما تھی۔ محل کی چہار دیواری میں رہ کر میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے نہ تو اپنے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی تھیں اور نہ میں اپنے دشمنوں کا پتا چلا سکتا تھا۔

''کیا آپ میرے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے؟'' میں اچانک راجہ شمشیر سنگھ سے وہ سوال کر بیٹھا جو کافی دیر سے میرے ذہن میں کلبلا رہا تھا۔

شمشیر سنگھ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر فوراً ہی بند کر لیا۔ اس نے اتنی سختی سے ہونٹ بھینچ لیے تھے جیسے اس کو ڈر ہو کہ کوئی لفظ اس کے منہ سے نکل ہی نہ جائے۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر مجھے امید بندھی۔ میں جلدی سے بولا۔

''کیونکہ ماضی میں میری راج کماری صاحبہ سے واقفیت رہی ہے اس لیے عین ممکن ہے کہ آپ بھی میرے بارے میں کچھ جانتے ہوں اور......''

میرا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی راجہ شمشیر سنگھ نے دو مرتبہ تالی بجائی۔ فوراً ہی ایک باوردی ملازم کمرے میں داخل ہوا۔ راجہ

شمشیر سنگھ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے حکم دیا۔

''انہیں اس کمرے میں پہنچا دو جس میں راج محل کے خصوصی مہمان قیام کرتے ہیں۔ جب تک یہ یہاں رہیں گے' تم ان کی خدمت کے لیے وقف رہو گے۔''

''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' میں جلدی سے بولا۔

''اب میں تم سے کل صبح ملاقات کروں گا۔'' راجہ شمشیر سنگھ نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ یہ گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ ملاقات ختم! میں بے چین ہو گیا۔ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں رہا تھا کہ راجہ شمشیر سنگھ کو میرے بارے میں کچھ نہ کچھ باتیں یقیناً معلوم ہیں لیکن وہ کسی وجہ سے انہیں فی الحال ضرور چھپانا چاہتا ہے۔

میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا کیونکہ شمشیر سنگھ وہاں سے جا چکا تھا۔

ملازم نے مجھے ایک ایسے کمرے میں پہنچا دیا جسے نہایت پر تکلف انداز میں سجایا گیا تھا۔ یہ دراصل دو کمروں کا سوٹ تھا جس میں سے ایک کمرے کو نشست گاہ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔

میں تھکے ہوئے انداز میں بستر پر گر گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر راجہ شمشیر سنگھ کو بھی میرے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہیں تو میں نے خود کو راج محل کے خطرات میں پھنسا کر کوئی برا سودا نہیں کیا۔ میں جلد یا بدیر راجہ شمشیر سنگھ کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو ہی جاتا۔

میرا ماضی میرے لیے ایک مستقل خلش بنا ہوا تھا جیسے کوئی کانٹا دل میں چبھ کر ٹوٹ گیا ہو میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کانٹا کب اور کیسے نکلے گا اور اسے کون نکالے گا۔ راجہ شمشیر سنگھ یا کلدیپ کور؟...... فی الحال یہی دو نام میرے سامنے تھے جن کو میرے ماضی کے بارے میں کچھ معلوم تھا۔

میرا ماضی مجھ سے اس بری طرح کٹ کر رہ گیا تھا کہ اس سے متعلق کوئی بات بھی مجھے یاد نہیں رہ گئی تھی۔ ہاں البتہ میرے ماضی سے متعلق دو چہرے ایسے ضرور تھے جن کو میرے شعور کی سطح نے اپنے اندر گویا جذب کر رکھا تھا۔ وہ دونوں چہرے میں نے کئی مرتبہ اپنے تصور میں دیکھے تھے لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ میرے ماضی میں ان کی حیثیت کیا تھی۔ ایک چہرہ تو منحوس شکل بوڑھے کا تھا جس کو دیکھ کر میرے رگ وپے میں نفرت کی لہریں دوڑنے لگتی تھیں اور دوسرا ایک نسوانی چہرہ تھا۔ خوبصورت اور خوابناک......! اسے تصور میں دیکھ کر میرے جذبات میں ہلچل سی مچ جاتی تھی۔ میرے بازو کسی کو بھینچ لینے کے لیے بیتاب ہو جاتے تھے۔ میں صاف صاف لکھ دینا چاہتا ہوں کہ اس چہرے کو دیکھ کر میرے جنسی جذبات کو تحریک ملتی تھی۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ وہ چہرہ راجکماری کلدیپ کور کا تو نہیں ہے؟ اس کی تصدیق یا تردید بڑی آسانی سے ہو سکتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ راج محل میں کسی نہ کسی جگہ راجکماری کی کوئی تصویر ضرور لگی ہوئی ہوگی۔

تیسرے پہر تک میں اپنے منتشر خیالات میں الجھا رہا۔ اب میرے سر میں درد ہونے لگا تھا۔ اس درد سے نجات پانے کے لیے میں نے غسل کرنے کے بارے میں سوچا۔! اب میرے سر کا زخم غالباً بڑی حد تک ٹھیک ہو چکا تھا کیونکہ مجھے تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے بینڈج اتار پھینکی اور غسل خانے میں جا گھسا۔ ٹھنڈے پانی کا شاور میرے لیے بڑا سکون بخش ثابت ہوا۔ جب میں کپڑے پہن کر غسل خانے سے نکلا تو دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون ہے!......آ جاؤ!'' میں نے بہ آواز بلند کہا۔ دروازہ کھول کر وہی ملازم اندر آیا جسے راجہ شمشیر نے میری خدمت کے لیے وقف کیا تھا۔ اس نے مجھے اطلاع دی کہ سٹنگ روم میں سوشیلا کماری مجھ سے ملنے کے لیے بیٹھی ہیں۔

''سوشیلا کماری......؟ یہ کون ہیں؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''راجکماری جی کی سہیلی ہیں۔'' ملازم نے جواب دیا۔

میں نے اس سے مزید استفسار کرنے کے بارے میں سوچا لیکن پھر اس خیال کو ذہن سے جھٹک کر دروزے کی طرف بڑھا۔ جب میں دروازہ کھول کر سیٹنگ روم میں داخل ہوا تو وہ سامنے بیٹھی دکھائی دی۔ اس کی عمر اکیس بائیس سال کے لگ بھگ ہوگی۔ دھانی رنگ کی ساڑی میں ملبوس تھی۔ میری نظروں نے اس کے گدرائے ہوئے بدن کو محسوس کیا تو ذہن میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ ایک دم سے میرے تصور کے پردے پر وہی نسوانی چہرہ آیا جو میرے جذبات کا محرک ثابت ہوتا تھا۔ میں نے اپنے جذبات کے اشتعال کو قابو میں کرنے کی کوشش کی اور بڑھ کر بڑی نرم آواز میں بولا: ''فرمایئے!''

وہ میری پیشوائی کے لیے کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لیے مجھ سے نظریں چار کرنے کی کوشش کی لیکن پھر جلدی سے سر جھکا لیا اور لرزتی ہوئی سی آواز میں بولی: ''میں راجکماری کلدیپ کور کی سہیلی ہوں۔ میرا نام سوشیلا ہے اور میں یہیں راج محل کے قریب بڑی حویلی میں رہتی ہوں۔''

''آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔تشریف رکھیے۔!''

ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔وہ نظریں جھکائے ہوئے اپنے پیروں کی طرف دیکھ رہی تھی۔میری نظریں بھی اس کے پیروں کی طرف اُٹھ گئیں۔سینڈل کے اگلے حصے سے جھانکتی ہوئی گوری گوری انگلیوں کا گداز میرے دل میں ہلچل مچانے لگا۔

سوشیلا آہستہ سے بولی:''مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا تھا کہ آپ آئے ہیں اور آپ کا قیام راج محل میں ہے لہٰذا میں دوڑی چلی آئی۔''

''مجھ سے ملنے کی یقیناً کوئی خاص وجہ ہوگی۔؟''اس کے چہرے پر پھیلے ہوئے شہابی رنگ کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''جی......جی ہاں......دراصل کلدیب کور سے آپ کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوتا رہا ہے۔''

''اوہ!''یکبارگی میرا دل اس خیال سے دھڑک اُٹھا کہ سوشیلا سے مجھے اپنے ماضی کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو جائے گا۔

''میں آپ سے ملنے کی خواہش مند تھی۔''سوشیلا نے کہا۔

''کیوں......میرا مطلب ہے......کیا کوئی خاص وجہ؟''

'جی......جی نہیں......کوئی خاص وجہ تو نہیں......یونہی......جی چاہا اور میں چلی آئی۔''

''دیوی جی آپ ہندو ناری ہیں۔اپنے الفاظ پر غور کر لیں۔''میرے لہجے میں شوخی عود کر آئی تھی جسے محسوس کر کے سوشیلا کا گورا گورا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔وہ جھینپے ہوئے سے انداز میں بولی۔

''میرے پتا جی فری تھنکر ہیں۔مجھے گھومنے پھرنے کی مکمل آزادی ہے۔میں جب اور جہاں چاہوں آ جا سکتی ہوں۔کلدیب سے آپ کے بارے میں سن سن کر مجھے آپ سے ملنے کا اشتیاق ہو گیا تھا۔کل بھی جب مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ آئے ہیں تو میں دوڑی چلی آئی تھی۔''

''تو پھر آپ نے مجھے کل بھی دیکھا ہوگا۔؟''میں نے جلدی سے پوچھا۔

''نہیں وہ تو کوئی اور تھا۔''سوشیلا کماری نے بیساختہ جواب دیا اور پھر یکلخت اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ایسا کیا ہوا تھا جیسے وہ یہ جواب دینا تو نہ چاہتی ہو لیکن بے اختیار اس کی زبان سے نکل گیا ہو۔

اِدھر میں اس کا یہ جواب سن کر چونک پڑا تھا۔بڑی حیرت انگیز بات تھی کہ سوشیلا کے بیان کے مطابق وہ میں نہیں تھا جبکہ راجہ شمشیر سنگھ نے یہ بات بڑے دعوے سے کہی تھی کہ اس کی آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں اور وہ میں ہی تھا جو کلدیب کور کو اغوا کر لے گیا۔

سوشیلا کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے اچانک وہ گھبرائے ہوئے انداز میں کھڑی ہو گئی اور جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں خفیف سی تھرتھراہٹ تھی۔

''میں نے جو کچھ کہا اسے بھول جایئے۔میں بعض اوقات غیر ارادی طور پر بڑی بے تکی باتیں کر جاتی ہوں۔''یہ کہہ کر اس نے

خوفزدہ نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا۔اس کی سانس بڑی تیزی سے آ جا رہی تھی اور سینے کا تموج قیامت ڈھا رہا تھا۔

میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے قریب پہنچا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر بڑی محبت سے تھپتھپانے لگا۔ پھر بڑے نرم لہجے میں بولا: ''گھبراؤ مت سوشیلا ہم یہاں اکیلے ہیں۔ کوئی ہماری باتیں نہیں سن سکتا اور میں تمہیں اس بات کا بھی یقین دلاتا ہوں کہ راجہ شمشیر سنگھ کو میں تم سے معلوم ہونے والی باتوں کے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

سوشیلا نے آہستگی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں سے کھینچ لیا اور بولی: ''کیا آپ ٹینس کھیلنا جانتے ہیں؟''

مجھے اس بے تکے سوال پر بڑی حیرت ہوئی لیکن میں نے جواب دے دیا۔

''ہاں ہاں......شاید میں کھیل سکتا ہوں۔''

''تو پھر ذرا دیر بعد ٹینس کورٹ پر آ جائیے گا۔ وہیں باتیں ہوں گی۔ یہاں مناسب نہیں ہے۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔''

پھر وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر تیزی سے مڑی اور ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرتی ہوئی کمرے سے نکل گئی میں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ میرا ذہن بہت بری طرح الجھا ہوا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ ٹینس کورٹ کہاں ہے جہاں سوشیلا نے مجھے بلایا تھا۔ یہ بات اندازے ہی سے سمجھی جاسکتی تھی کہ وہ راج محل کے کسی حصے میں ہوگا۔

میں نے ملازم کو بلا کر اس سے پوچھ گچھ کی تو پتا چلا کہ راج محل کے باغات اور میدانوں میں کئی قسم کے کھیلوں کا انتظام تھا۔

جب میں نے ٹینس کھیلنے کی خواہش ظاہر کی تو ملازم میرے لیے ریکٹ اور کٹ کا انتظام کرنے چلا گیا۔ میں سیٹنگ روم میں ہی بیٹھا رہا۔ سینٹر ٹیبل پر ایک خوبصورت سگریٹ کیس رکھا ہوا تھا جس میں سے ایک سگریٹ نکال کر سلگائی اور اس کے ہلکے ہلکے کش لیتا ہوا ان بدلے ہوئے حالات پر غور کرنے لگا۔

راجہ شمشیر سنگھ اور سوشیلا کماری کے بیان میں تضاد تھا۔ بظاہر یہ بات ناممکن تھی کہ وہ دونوں ہی سچ بول رہے ہوں۔ ان میں سے ایک یقیناً جھوٹا تھا۔ مگر کون؟......سوشیلا کماری یا راجہ شمشیر سنگھ......؟

نہ جانے کیوں میرا دل و دماغ سوشیلا کماری کو جھوٹا سمجھنے پر آمادہ نہیں تھا لیکن الجھن یہ بھی تھی کہ راجہ شمشیر سنگھ نے یہ جھوٹ کیوں بولا۔ کیا وہ بھی میرے خلاف کوئی سازش کرنا چاہتا تھا یا میرے دشمن اسے اپنے ساتھ ملا چکے تھے......! میں نے ان باتوں پر جتنا غور کیا اتنا ہی میرا ذہن الجھتا چلا گیا۔ ویسے مجھے یہ امید ضرور بندھ گئی تھی کہ بہت جلد میری الجھنیں رفع ہو جائیں گی۔ میرا یہ سوچنا غلط نہیں تھا کہ ٹینس کورٹ پر سوشیلا سے گفتگو کے دوران، سنسنی خیز انکشافات ہوں گے اور غالباً یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں۔

میں اپنی سوچ کے تانے بانے میں الجھا ہوا تھا کہ ملازم آ گیا۔ وہ ریکٹ اور کٹ لے کر آیا تھا۔ میں اسی کی رہنمائی میں ٹینس کورٹ تک پہنچا۔

گھاس کے چار خوشنما لان، ٹینس کے لیے مخصوص تھے۔ میں نے وہاں دو تین جوڑوں کو کھیل میں مشغول دیکھا مگر ان میں سوشیلا نہیں تھی۔

میں ایک خالی کورٹ پر جم گیا۔ فوراً ہی دو تین بال بوائے کورٹ پر آ گئے۔ شاید وہ اسی کورٹ کے لیے مخصوص تھے۔ انہوں نے گیندیں فراہم کیں اور میں انہیں اچھال اچھال کر ریکٹ سے مارنے لگا۔ غالباً میں جلدی اس مشغلے سے اکتا جاتا مگر چند منٹ بعد ہی سوشیلا آ گئی۔ چند لمحوں کے لیے رُک کر اس نے دوسرے کورٹ پر کھیلنے والوں سے چند باتیں کیں، ان کا کھیل دیکھا اور پھر قدرے تکلف کے سے انداز میں میری طرف آئی۔ میں نے ہاتھ اُٹھا کر اسے ہیلو کہا اور کھیلنے کی دعوت دی۔ انداز ایسا اختیار کیا تھا جیسے یہ سب کچھ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت نہ ہو۔

سوشیلا نے بھی ایسے ہی انداز میں میری دعوت قبول کی تھی جیسے کوئی اور کورٹ خالی نہ ہونے اور کسی شناسا ساتھی کی عدم موجودگی کے باعث میرے ساتھ کھیلنے پر مجبور ہو۔

لیکن جب کھیل شروع ہوا تو آہستہ آہستہ تکلف کی دیوار گرتی چلی گئی۔ ہم ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگے لیکن ظاہر ہے کہ وہ باتیں کسی خاص موضوع پر نہیں ہو سکتی تھیں۔

سوشیلا کھیل کے مخصوص لباس میں بے حد دلکش نظر آ رہی تھی۔ اتنی پرکشش کہ میں کھیل پر دھیان نہیں دے سکا۔ اس کی جسمانی حرکات میرے جذبات میں ہلچل مچا رہی تھیں۔ نتیجہ یہ کہ میں چند ہی سیٹ کھیل کر بور ہو گیا۔ میری عدم توجہی کے باعث وہ بھی اکتا گئی اور ہم کھیل ختم کر کے کورٹ کے کنارے گھاس پر گر گئے۔ انداز ایسا تھا جیسے بہت تھک گئے ہوں۔

سوشیلا بار بار ہنس رہی تھی اور بہت پیاری لگ رہی تھی۔ میرے جذبات برانگیختہ ہوتے جا رہے تھے اور میں بالکل بھول گیا تھا کہ ہم وہاں کیوں اکٹھا ہوئے تھے لیکن سوشیلا نہیں بھولی تھی۔ اس نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

''کیا آپ نے محسوس نہیں کیا کہ راجہ شمشیر سنگھ کے آدمی آپ کی نگرانی کر رہے ہیں۔؟''

میں اثبات میں سر ہلا دیا۔ یہ تو مجھے کورٹ پر پہنچتے ہی محسوس ہو گیا تھا کہ راجہ کے باوردی اور سادہ لباس ملازمین ٹینس کورٹ کے چکر لگا رہے تھے اور ان کی توجہ بظاہر میری طرف نہ ہونے کے باوجود بھی میری ہی طرف تھی لیکن میں اس کی وجہ سے کسی تشویش یا پریشانی میں مبتلا نہیں ہو سکتا تھا۔ راجہ شمشیر سنگھ نے خود ہی یہ بات مجھ سے کہہ دی تھی کہ وہ میری طرف سے مطمئن نہیں ہوا ہے لہٰذا اس کے آدمی مجھ پر کڑی نظر رکھیں گے۔

میں سوشیلا سے کہا: ''مگر تم کو ان کی طرف سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہمارے قریب آنے کی ہمت نہیں کریں گے۔''

''یہ تو میں سمجھتی ہوں۔ اسی لیے میں نے آپ کو یہاں بلایا تھا۔'' سوشیلا نے کہا اور یوں ہنس پڑی جیسے کسی بہت دلچسپ موضوع پر گفتگو ہو رہی ہو۔ وہ یقیناً بہت ذہین لڑکی تھی۔ اس کی اس قسم کی حرکتوں کی بناء پر نگرانی کرنے والوں کو یہ شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم یہاں کسی

سنجیدہ موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے اکٹھا ہوئے ہیں۔

''تم ٹھیک کہتی ہو۔'' میں نے کہا اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ایک لمحے کے لیے مجھے خیال آیا تھا کہ وہ اپنا ہاتھ کھینچ لے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ شاید اس نے محسوس ہی نہیں کیا تھا۔ اس کے گداز ہاتھ کا لمس میرے جذباتی ہیجان میں اضافہ کرتا رہا۔ ویسے مجھے اپنی اس افتادِ طبع پر حیرت بھی تھی۔ ان حالات میں جبکہ خطرات نے مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے' مجھے اس قسم کی باتوں سے دلچسپی نہیں ہونا چاہیے تھی لیکن شاید میرا خمیر حسن وعشق ہی سے اُٹھا تھا۔

''میں کلدیب کی طرف سے پریشان ہوں اور اس کے بارے میں آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔'' سوشیلا کہہ رہی تھی۔

میں یکلخت چونک کر ہیجانی جذبات کی دنیا سے نکل آیا تھا۔ مجھے اس وقت اپنے اوپر قابو پالینا چاہیے تھا کتنی ہی باتیں تھیں جو مجھے سوشیلا سے کرنی تھیں۔ کئی اہم سوالوں کے جواب مجھے اس سے ملنا تھے اور ایک امید موہوم یہ بھی تھی کہ شاید وہ کوئی ایسی بات بتا سکے جو میری شخصیت کو روشنی میں لے آئے۔

سوشیلا بولی: ''لیکن پہلے میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اخبارات میں آپ کے بارے جو کچھ شائع ہوا ہے' کیا وہ......''

''وہ حقیقت پر مبنی ہے سوشیلا!'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔'' میں اپنے ماضی کو فراموش کر چکا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کون ہوں۔''

''تو پھر آپ راج محل تک کیسے پہنچ گئے۔؟ جب آپ اپنے ماضی کو فراموش کر چکے ہیں تو پھر کلدیب کور کو بھی آپ کے ذہن سے نکل جانا چاہیے تھا۔''

''وہ واقعی میرے ذہن میں نہیں تھی۔ دراصل مجھے اپنی جیب میں کاغذ کا ایک پرزہ مل گیا تھا جو کسی ٹیلیگرام کا ایک حصہ تھا۔'' میں نے سوشیلا کو اس کے بارے میں تفصیل سے بتایا اور پھر کہا۔'' اسی لیے مجھے زنجن پور آنے کی سوجھی۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔''

''ہوں۔'' سوشیلا سر ہلانے لگی۔

''کیا اب بھی تم کو میرے بیان پر شبہ ہے۔؟''

''نہیں۔'' سوشیلا نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا: ''راجکماری نے وہ ٹیلیگرام میرے ہی ذریعے سے آپ کو بھجوایا تھا۔''

''اوہ!'' یکبارگی میرا دل دھڑک اُٹھا۔'' اس پر میرا پتا تو یقیناً لکھا ہوگا۔''

''ظاہر ہے۔''

''وہ کیا تھا؟'' میں نے بے صبری سے پوچھا۔

''مجھے اس کا علم نہیں۔ دراصل تار کا فارم کلدیپ کور نے خود بھرا تھا۔ میرا کام صرف اتنا تھا کہ اسے ڈاک خانے تک پہنچا دوں۔ یہ کام سرانجام دیتے ہوئے میں نے اس پر لکھے ہوئے پتے پر نظر نہیں ڈالی تھی۔ ویسے ڈاک خانے سے اس کا پتا چلایا جا سکتا ہے۔ ٹیلیگرام چونکہ راج کماری کی طرف سے تھا اس لیے ڈاک والوں نے اس کی تفصیلات کو اہمیت دی ہوگی اور اس کا باقاعدہ اندراج کیا ہوگا۔''

میں نے سر ہلایا اور پھر بولا: ''یہ بھی تو ممکن ہے کہ راجکماری نے اپنی ڈائری میں میرا نام اور پتا لکھا ہو۔''

''امکان تو ہے۔''

''تمہیں کم از کم میرا نام تو معلوم ہوگا۔!''

''ظاہر ہے۔'' سوشیلا نے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔

''وہ کیا ہے سوشیلا! وہ کیا ہے! مجھے بتاؤ!'' میں نے قدرے جوش میں آ کر اس کا ہاتھ دبا دیا۔

وہ چند لمحے میری آنکھوں میں دیکھتی رہی اور پھر آہستہ سے بولی: ''کنور پرتاب سنگھ۔''

میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا کیونکہ میں اس پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میری انگوٹھی پر بنے ہوئے ''اے'' سے یہ بات ثابت تھی کہ میرا نام پرتاب نہیں ہو سکتا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر سوشیلا نے کہا: ''اب جبکہ مجھے آپ کی یادداشت کی گمشدگی پر کوئی شبہ نہیں رہا' میں آپ کو بتاؤں گی کہ پوری طرح چوکنا رہیے۔ راج محل میں آپ کے گرد کسی سازش کا جال بنا جا رہا ہے۔''

''سازش؟ راج محل میں؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''جی ہاں...... اور مجھے شبہ ہے کہ ان لوگوں نے کلدیپ کور کا سہارا لے کر آپ کو پھانسا ہے۔ وہ آپ سے بے انتہا محبت کرتی تھی اور شاید اسی چکر میں پڑ کر ماری گئی۔''

''میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔''

''یہ آپ کی یادداشت کا قصور ہے ورنہ آپ کو معلوم ہوتا کہ کلدیب کور نے آپ کو فوراً کیوں بلایا تھا اور آپ کلدیب کور سے کیوں لڑے تھے۔''

''اب تم ہی یہ سب کچھ بتادو سوشیلا!'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: ''مجھے تو یہ ڈر ہے کہ سوچ سوچ کر میرے دماغ کی نسیں نہ پھٹ جائیں۔ میں خود کو ایک لامحدود خلا میں بے بسی سے ہاتھ پر پھینکتا محسوس کر رہا ہوں مجھے اپنی شخصیت کے گرد پھیلے ہوئے سناٹے میں کسی بھی قسم کی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے۔ میں اس سناٹے سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ کلدیب کور نے مجھے کیوں بلایا تھا۔''

سوشیلا نظریں جھکا کر اپنے ناخن کریدنے لگی۔ نہ جانے اسے کیا خیال آ گیا تھا کہ اس کے چہرے کی رنگت سرخ ہوگئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ شرم کی سرخی تھی۔ میں تعجب سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا بات ہے سوشیلا! تم ایکدم چپ کیوں ہوگئیں؟''

سوشیلا نے نظریں اُٹھائیں اور پھر معنی خیز انداز میں بولی۔ ''کیا آپ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے کہ جب کوئی نوجوان لڑکی گھبراہٹ میں مبتلا ہو جائے اور اپنی مدد کے لیے کسی نوجوان کو بلائے تو اس کا کیا سبب ہو سکتا ہے۔؟''

میں نے اپنے ذہن پر زور دیا اور پھر انکار میں سر ہلانے لگا۔

میں راجکماری سے ملنے آئی تھی لیکن ملی نہیں۔ آپ دونوں کو لڑتا جھگڑتا دیکھ کر اُلٹے پاؤں واپس لوٹ گئی تھی۔ میں نے کلدیب کو روتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ بعد میں اس نے مجھے بتایا تھا کہ آپ جلد ہی دوبارہ آئیں گے۔ آپ اس سے یہ کہہ کر گئے تھے کہ وہ تیار رہے تا کہ آپ اسے اپنے ساتھ لے جائیں اور...... اور...... معاملہ صاف کروادیں۔'' سوشیلا کی زبان پھر لڑکھڑانے لگی۔

''تو کیا کلدیب نے نشانی کو محفوظ رکھنے کا خیال ذہن سے نکال دیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

''جی نہیں...... کلدیب کو یہ ڈر بھی تھا کہ بات مہاراج تک ضرور پہنچے گی لیکن وہ ہر حال میں اپنے موقف پر ڈٹی رہنا چاہتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ اس کا خدشہ ٹھیک ہی نکلا تھا۔ مہاراج کو وہ بات معلوم ہوگئی تھی۔ چونکہ مجھے آپ سے ملنے کا اشتیاق تھا اس لیے کل آپ کی آمد کی خبر سن کر دوڑی چلی آئی تھی مگر کل میں نے جو ڈراما دیکھا' اس نے میرے ہوش اُڑا دیے۔''

سوشیلا کی باتیں میرے اضطراب میں اضافہ کرتی چلی جارہی تھیں اور میں چاہتا تھا کہ وہ مسلسل بولتی رہے اور جلد از جلد مجھے سب کچھ بتادے ایک لمبی سانس لے کر سوشیلا نے پھر بولنا شروع کیا۔

''میں یہاں پہنچی تو بڑے کمرے میں مہاراج کی گرجدار آواز سنائی دے رہی تھی۔ میں سمجھ گئی کہ کلدیب کا راز طشت از بام ہوگیا ہے اور مہاراج توقع کے مطابق ہر دو فریق پر گرج برس رہے ہیں۔ ان حالات میں مجھے اندر جانے کی ہمت تو نہ ہوسکی لیکن میں اپنے تجسس سے مجبور ہوکر ایک کھڑکی سے کمرے میں جھانکنے لگی۔ دراصل مجھے یہ اطمینان تھا کہ اگر مجھے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے دیکھ لیا گیا تو بھی مہاراج مجھے معمولی سی سرزنش کر کے چھوڑ دیں گے کیونکہ وہ پتاجی کی بہت عزت کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مجھ سے بھی ان کا سلوک مشفقانہ ہی رہا ہے۔''

''تم نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو تمہیں کیا نظر آیا؟'' میں نے بیتابی سے پوچھا۔

''کلدیب کور بیٹھی ہوئی رو رہی تھی اور ایک منحوس شکل بوڑھا اس کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا۔ مہاراج ان دونوں پر گرج برس رہے تھے۔''

''اور میں کیا کر رہا تھا۔؟''

''آپ وہاں موجود نہیں تھے لیکن اس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب کلدیب نے اس بوڑھے کو آپ کا نام لے کر مخاطب کیا۔''

''کیا!'' میں اچھل پڑا۔

''جی ہاں۔'' سوشیلا نے کہا۔ ''کلدیب نے اس بوڑھے کو مخاطب کر کے کہا' پرتاب! میں ہر قیمت پر تمہارے ساتھ چلوں گی' خواہ پتاجی اس بات کو پسند کریں یا نہ کریں اور خواہ آپ کی نشانی رہے یا نہ رہے۔''

میں حیرت سے منہ پھاڑے سوشیلا کی طرف دیکھتا رہا۔

ان باتوں نے مجھے بری طرح چکرا دیا تھا۔

سوشیلا کہتی رہی۔ ''خود وہ بوڑھا بھی اس طرح باتیں کر رہا تھا جیسے وہ کنور پرتاب سنگھ ہو۔ وہ کلدیب سے کہہ رہا تھا کہ اب اس کے خیالات بدل گئے ہیں اور وہ بچے کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچانا چاہتا جبکہ مہاراج اس بات پر اڑے ہوئے تھے کہ اس بچے کو ضائع ہو جانا ہی بہتر ہے۔ بلکہ ازحد ضروری! خیالات کے اس تضاد کے بناء پر مہاراج اور اس بوڑھے کے درمیان تلخ کلامی ہو رہی تھی لیکن پھر اچانک نہ جانے کیا ہوا کہ مہاراج ایکدم خاموش ہو گئے۔ وہ خاموشی سے بوڑھے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے اور بوڑھا کلدیب کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہو گیا اس نے مہاراج سے جانے کی اجازت مانگی جو اسے فوراً مل گئی۔ میں تو مہاراج کے اس رویے پر بھونچکا سی رہ گئی تھی۔''

''مہاراج نے اچانک ہار کیوں مان لی؟'' میں نے جلدی سے پوچھا۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مہاراج بڑے ضدی آدمی ہیں مگر نہ جانے کیسے وہ اچانک ہی اس بوڑھے کے سامنے بھیگی بلی بن کر رہ گئے تھے۔''

مجھے ایک دم اس بوڑھے کے چہرے کا خیال آیا جو میں دو ایک بار اپنے تصور میں دیکھ چکا تھا۔ میں نے سوشیلا سے کہا۔ ''اس بوڑھے کا حلیہ کیا تھا؟''

سوشیلا نے جو حلیہ بتایا وہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ حالات اب بہت ہی زیادہ پیچیدہ نظر آنے لگے تھے۔ ان الجھاوؤں کو سلجھانا بہت ہی مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ میں ذرا دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا پھر سوشیلا سے بولا۔

''تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ راج محل میں میرے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔''

''مہاراج اور کلدیب کور، دونوں ہی اس بوڑھے کو کنور پرتاب سنگھ کہہ کر مخاطب کر رہے تھے۔ آخر ایسا کیوں تھا؟

''تو کیا تم یہ سمجھ رہی ہو کہ کلدیب کور بھی میرے خلاف ہونے والی سازش میں شریک ہے؟''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا سمجھوں!'' سوشیلا بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''وہ سب کچھ میرے لیے بہت عجیب تھا۔ منحوس بوڑھا میری پیاری سہیلی کو لے کر چلا گیا اور مہاراج خاموش کھڑے دیکھتے رہے۔ پھر ان دونوں کے جانے کے بعد اچانک مہاراج نے چیخنا شروع کر دیا۔ راج محل کے محافظ چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔ مہاراج کی ہدایت پر انہوں نے ہر طرف راجکماری کو ڈھونڈا لیکن کچھ پتا نہیں چلا سکا۔ وہ اور بوڑھا اس طرح غائب ہو گئے تھے جیسے ہوا میں تحلیل ہو گئے ہوں۔ پھاٹک پر متعین پہرے داروں کا بیان ہے کہ انہوں نے راجکماری کو کسی کے ساتھ وہاں سے نکلتے نہیں دیکھا۔''

''مہاراج کے اس رویے سے تم نے کوئی نتیجہ اخذ کیا؟''

''کیا آپ ان حالات سے کوئی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں؟''

''نہیں''

''تو پھر میں کیسے کر لیتی۔''

''ہوں۔''میں چپ ہو کر سوچنے لگا۔

سوشیلا کچھ دیر بعد بولی۔''مہاراج نے صوبائی پولیس کو اس معاملے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی ہے۔ بس اپنے ایک خاص آدمی کو اس معاملے کی تحقیق و تفتیش پر مقرر کیا ہے۔ وہ کل ہی راج محل سے غائب ہو گیا تھا۔ جب وہ لوٹے گا تو مجھے یقین ہے کہ آپ سے اچھی طرح پیش نہیں آئے گا۔''

''کیوں!''میں نے بے ساختہ پوچھا۔

لیکن سوشیلا کو جواب دینے کی مہلت نہیں مل سکی۔ ہم اس گفتگو کی ابتدا میں تو بہت محتاط رہے تھے لیکن پھر اس بری طرح الجھے کہ اردگرد کے ماحول کی خبر ہی نہ رہی۔ پھر ہم اس وقت چونکے جب ایک بھاری بھرکم آواز ہمارے سروں پر گونجی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

سوشیلا کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا اور وہ جلدی سے اپنے کپڑے درست کرتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ میں نے اس گھبراہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ بڑے اطمینان سے اُٹھ کر بیٹھ گیا اور اس اجنبی کا جائزہ لینے لگا جو ہمارے سروں پر کھڑا ہوا تھا پینتیس چھتیس سال کا وہ آدمی اپنے لہجے ہی کی طرح بھاری بھرکم واقع ہوا تھا۔

''کیا تم لوگوں نے سنا نہیں؟''وہ پھر گرجا۔''میں نے پوچھا تھا یہاں کیا ہو رہا ہے۔!''

''اگر تمیز سے سوال دہراؤ تو شاید میں جواب دینے کے بارے میں سوچ سکوں!''میں نے بڑے اطمینان سے کہا۔

اس وقت سورج کی روشنی مضمحل ہو چکی تھی۔ دن ڈھل رہا تھا۔ ملگجی سی روشنی میں مجھے نو وارد اجنبی کے ہونٹوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ دکھائی دی۔

''پرتاب سنگھ!''وہ پہلے ہی کے سے لہجے میں بولا۔''میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم نے دوبارہ یہاں آنے کی حماقت کیسے کی۔ لیکن اب تم آ ہی گئے ہو تو تمہیں بتانا پڑے گا کہ راجکماری صاحبہ کہاں ہیں۔!''

میں نے غور سے اس کی کینہ توز آنکھوں کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی توہین آمیز مسکراہٹ میرے تن بدن میں آگ لگا رہی تھی لیکن میں نے اپنے جوش کو دباتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

''میں بدتمیزوں کو منہ نہیں لگاتا۔ بات کرنا ہے تو تمیز سیکھ کر آؤ۔!''

میں سوشیلا کی طرف مڑا جو زمین پر نظریں گاڑے خاموش بیٹھی لرز رہی تھی۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''تمہیں میرے سوالوں کا جواب دینا ہی پڑے گا۔ سمجھے!''اجنبی نو وارد غرایا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ بڑے زور

سے میرے کندھے پر رکھا۔

اب میری برداشت جواب دے گئی اور میں بڑی تیزی سے پلٹا میرے سیدھے ہاتھ کا گھونسہ اجنبی کے جبڑے پر پڑا۔ وہ کمزور تو نہیں تھا لیکن میری یہ حرکت اس کے لیے غیر متوقع ہی رہی ہوگی۔ ویسے بھی میں نے اپنے جسم کی تمام تر قوت اپنے گھونسے میں سمو دینے کی کوشش کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اجنبی کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح دوسری طرف الٹ گیا۔

''کنور! کنور!'' سوشیلا چیخی۔ ''یہ تم کیا کر رہے ہو؟ یہ مہاراج کے دست راست ہیں۔''

لیکن مجھے اس کی یہ وارننگ بہت دیر سے ملی تھی۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا تھا اور جو کچھ میں کر گزرتا تھا اس پر پچھتانا میری فطرت نہیں تھی۔ ویسے میں راجہ شمشیر سنگھ سے بھی مرعوب نہیں ہوا تھا لہٰذا اس کے دست راست کی میری نظروں میں کیا اہمیت ہوسکتی تھی۔

میں نے لاپرواہی سے شانے اچکا کر کہا۔ ''بدتمیزوں کو سبق دینا ضروری ہوتا ہے' خواہ وہ راجہ مہاراجہ ہی کیوں نہ ہوں۔''

اس اثنا میں اجنبی خون تھوکتا ہوا کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ مجھے گھورتا ہوا بڑے زہریلے لہجے میں بولا۔ ''تمہیں یہ حرکت بہت مہنگی پڑے گی۔''

''مہنگے سودے کرنا میری ہابی ہے' تم پروامت کرو!'' میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''اور تم!'' اجنبی سوشیلا کی طرف مڑتا ہوا غرایا۔ ''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت ہاتھ پیر نکال رہی ہو۔ تمہارے حق میں بہتر ہوگا کہ اس شخص سے دور دور رہو ورنہ مجھے اس سلسلے میں تمہارے باپ سے گفتگو کرنا پڑیگی۔''

سوشیلا کے ہونٹ لرز کر رہ گئے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں سکی۔ اجنبی ہاتھ جھلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی برابر کے کورٹ نہ جانے کب کے خالی ہو چکے تھے۔ میری اور اس اجنبی کی جھڑپ کسی نے نہیں دیکھی تھی۔

''یہ آپ نے اچھا نہیں کیا کنور!'' سوشیلا لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''وہ تو پہلے ہی آپ کا دشمن تھا۔ اب آپ نے اسے دشمن جانی بنا لیا ہے۔ اس کا نام بلونت ہے اور وہ بڑا کینہ پرور شخص ہے۔

میں نے کچھ دیر پہلے اسی کا تذکرہ کیا تھا۔ راج محل کا کرتا دھرتا یہی شخص ہے۔ مہاراج کے عزیزوں میں سے ہے اور کلدیپ کور سے شادی کرنا اس کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ ایسی صورت میں آپ کے بارے میں اس کے جذبات کیا ہوں گے' اس کا اندازہ آپ آسانی سے لگا سکتے ہیں۔''

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ سوشیلا بہت خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔ ممکن ہے وہ ہمیشہ ہی بلونت سے خوفزدہ رہتی ہو۔

''اچھا اب میں چلتی ہوں۔'' سوشیلا نے کہا اور تیزی سے ایک طرف بڑھتی چلی گئی۔

ایک لمحے کے لیے میرے دل میں آیا تھا کہ آگے بڑھ کر اسے روک لوں لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور محل کی طرف چل



''کیا اس کا فیتہ ٹوٹ گیا جناب!''

''آں...... ہاں۔''میں نے چونک کر کہا۔

ملازم نے کافی کی ٹرے تپائی پر رکھ دی اور پھر میری طرف بڑھتا ہوا بولا:''لائیے مجھے دیجیے! میں فیتے میں گرہ لگا کر......''

''نہیں اب اسے یہاں مت لٹکانا۔''میں نے کیلنڈر اسے دیتے ہوئے کہا۔''یہ یہاں ہوا سے پھڑ پھڑاتا ہے تو مجھے اس کی آواز بری معلوم ہوتی ہے۔''

''بہتر۔''

میں تپائی کے قریب کرسی پر جا بیٹھا۔ میرا ذہن بدستور اسی معاملے میں الجھا ہوا تھا۔ میں نے کافی پیتے ہوئے سوچا کہ اگر میری آنکھوں میں واقعی کوئی غیر معمولی قوت ہے تو میں ان سے کچھ اور کام بھی یقیناً لے سکتا ہوں۔ مجھے اس کا تجربہ کر کے دیکھنا چاہیے۔

''آپ کھانا کس وقت کھائیں گے جناب!''ملازم نے پوچھا۔

''ایک گھنٹے بعد۔''میں نے گھڑی دیکھ کر کہا۔

ملازم چلا گیا تو میں نے ایک سگریٹ جلائی اور سیٹنگ روم سے اُٹھ کر خواب گاہ میں چلا آیا۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ اپنی آنکھوں کی قوت کے بارے میں کیا تجربہ کروں اور کیسے کروں؟ میری نظریں دیوار پر لٹکے ہوئے کیلنڈر کی طرف گئیں تو میں نے فیصلہ کیا کہ اگر پہلا کیلنڈر ایک اتفاق کے تحت گرا تھا تو اس کی تصدیق یا تردید کے لیے بھی کیلنڈر ہی کو آزمایا جائے۔ میں نے اس پر نظریں جما دی اور پوری شدت سے یہ خواہش کی کہ وہ ٹوٹ کر فرش پر گر پڑے میری نظریں کیلنڈر پر جمی ہوئی تھیں اور میرا ذہن جیسے چیخ چیخ کر اسے حکم دے رہا تھا۔

''ٹوٹ جاؤ...... گر جاؤ...... ٹوٹ جاؤ...... گر جاؤ!''

یکلخت کیلنڈر کا فیتہ ٹوٹنے کی آواز ہوئی اور وہ دیوار پر پھسلتا ہوا فرش پر گر گیا۔ یہ دیکھتے ہی میری اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ میں اچانک اپنے آپ کو بے حد تھکا ہوا محسوس کرنے لگا میں نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں اور لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ اس تجربے کی کامیابی نے میرے سارے جسم میں سنسنی سی پھیلا دی تھی لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس تجربے نے مجھ پر تھکن کیوں طاری کر دی تھی۔ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے اتنی جلدی جلدی اپنی آنکھوں کی اس قوت کو استعمال نہیں کرنا چاہیے تھا؟...... میں اس سلسلے میں کسی حتمی نتیجے تک نہیں پہنچ سکا تھا لیکن بہر حال یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ میں ایک غیر معمولی قوت کا مالک ہوں۔

میں بہت دیر تک خیالات سے الجھا رہا اور پھر اس وقت چونکا جب ملازم میرے لیے کھانا لے کر آیا۔ میں خاصی بھوک محسوس کر رہا تھا اس لیے کھانے سے بڑی معقول حد تک انصاف کر سکا۔ کھانے کے بعد میں نے چائے بھی پی اور سگریٹ سلگا کر کمرے سے نکل آیا۔ کوئی آدھے گھنٹے تک میں راج محل کے وسیع وعریض دالانوں میں گھومتا رہا اور سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا قدم اُٹھانا چاہیے۔ آخر میں اس

فیصلے پر پہنچا کہ صبح کا انتظار کرلیا جائے۔ راجہ شمشیر سنگھ سے دوسری ملاقات کے بعد ہی مجھے کوئی قدم اُٹھانے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔
اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد میں نے اپنے کمرے کا رُخ کیا۔ ملازم وہاں موجود تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ اب وہ جا کر آرام کرے۔ اسے رخصت کرنے کے بعد میں نے سٹنگ روم کا دروازہ بند کیا اور خوابگاہ کی طرف بڑھا۔ خوابگاہ میں داخل ہوکر میں اس کا دروازہ بند کرنے والا تھا کہ سٹنگ روم کے دروازے پر دستک ہوئی میں نے بے اختیار ایک طویل سانس لی اور اس کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ میرا خیال تھا کہ ملازم مجھ سے کچھ کہنا بھول گیا ہوگا اس لیے واپس لوٹا ہے۔

لیکن دروازہ کھولتے ہی مجھے غیر متوقع طور پر سوشیلا نظر آئی۔ وہ کچھ گھبرائی ہوئی سی معلوم ہو رہی تھی۔

''کیا بات ہے؟ تم اس وقت؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

سوشیلا نے کوئی جواب دینے کی بجائے مڑ کر اِدھر اُدھر دیکھا' جیسے اسے ڈر ہو کہ اسے دیکھ نہ لیا جائے۔ میں نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑا اسے اندر گھسیٹ لیا۔ ایسا کرتے ہوئے میرا جسم اس کے جسم سے ٹکرا گیا اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری رگ رگ میں بجلی دوڑ گئی ہو۔ میں دروازہ بند کر کے پلٹا تو سوشیلا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کنور! آپ خطرے میں ہیں۔ فوراً راج محل سے چلے جایئے کسی طرح بھی یہاں سے بھاگنے کی کوشش کیجیے!''

''خطرے کی نوعیت کیا ہے؟'' میں نے بڑے اطمینان سے پوچھا۔

''آپ نے بلونت کو چھیڑ کر اچھا نہیں کیا۔ میں راج محل میں کچھ دیر رکنے کے بعد جب گھر جانے کے ارادے سے باہر نکلی تھی تو راستے میں ایک جھاڑی کے پیچھے سے مجھے کھسر پھسر کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ آپ کا نام بھی میرے کانوں میں پڑا تھا اس لیے میں ٹھٹھک کر رک گئی تھی۔ وہ لوگ بہت آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے لیکن جب میں نے دھیان دے کر سننے کی کوشش کی تو میری سمجھ میں اتنا ضرور آ گیا کہ آج رات آپ کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔''

''کس طرح؟''

''یہ میں نہیں سن سکی۔''

''وہ لوگ کون تھے؟''

''میں نے انہیں دیکھنے کی کوشش کی تھی اور دیکھ بھی لیا تھا لیکن میں انہیں پہچان نہیں سکی۔ ویسے ان کا تعلق راج محل کی پولیس ہی سے ہے کیونکہ میں نے ان کی وردیاں پہچان لی تھیں۔''

''اسی لیے تمہارا خیال ہے کہ وہ بلونت کے آدمی تھے۔!''

''اور کیا سمجھا جاسکتا ہے!'' اس نے لمبی لمبی سانسیں لیتے ہوئے کہا۔

وہ شب خوابی کے لباس پرگون پہنے ہوئے تھی اور میرے اتنے قریب کھڑی ہوئی تھی کہ میں اس کے جسم سے اُٹھتی ہوئی مہکار سے مدہوش سا ہوا جا رہا تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اپنے ساتھ لیجا کر بستر پر بٹھا دیا۔

''خطرے کی اس اطلاع کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں سوشیلا!'' میں نے اس کا ہاتھ اپنی گود میں رکھ کر ہولے ہولے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

اس نے عجیب نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر کچھ چور سی ہو کر کھڑی ہونے لگی۔ ''میں اب چلتی ہوں۔ میرا یہاں رکنا مناسب نہیں۔ آپ بھی جلد از جلد راج محل چھوڑنے کی کوشش کیجیے!''

''سنو تو! ابھی تم نے پوری بات کہاں بتائی ہے!'' میں نے اسے پھر بستر پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم ان لوگوں کو پہچان لوگی اگر دوبارہ دیکھو؟''

''یقیناً پہچان لوں گی۔ ان میں سے ایک نے سگریٹ سلگانے کے لیے ماچس جلائی تھی تو مجھے اس کا چہرہ دکھائی دے گیا تھا۔ سیاہ رنگ کے اس بدشکل آدمی کا ایک کان بھی کٹا ہوا تھا۔''

''اگر اس کا تعلق ریاست کی پولیس سے ہے تو اسے بہ آسانی پکڑا جا سکے گا۔ تم اس سلسلے میں زیادہ فکرمند نہ ہو۔ یہاں اس کمرے میں مجھ پر حملہ کرنا آسان نہیں ہے۔ میں حیران ہوں کہ تم یہاں شب خوابی کے لباس میں ہو۔''

''آپ کو خطرے سے آگاہ کرنا ضروری تھا اس لیے میں اپنے گھر نہیں گئی تھی۔ میں اکثر راتوں کو راج محل میں رک جاتی ہوں۔ کلدیب ہی مجھے روک لیا کرتی تھی۔ اسی لیے میں نے اپنے کچھ کپڑے لا کر کلدیب کے کمرے میں رکھ دیے ہیں۔ آج بھی میں اس کے کمرے میں ہوں۔''

''گھر والوں کو تمہاری فکر نہیں ہوتی!''

''میں انہیں فون کر دیتی ہوں۔'' سوشیلا نے کہا اور ایک بار پھر اُٹھنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ ''اب مجھے اجازت دیجیے اور......''

''ٹھیک ہے، تم جاؤ!'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''تنہائی ہوگی تو میں نیند کے دباؤ سے سو جاؤں گا اور میرے دشمن اپنا

کام کر جائیں گے۔''

میں نہیں چاہتا تھا کہ اس وقت سوشیلا میرے پاس سے جائے۔ وہی خوابناک سانسوانی چہرہ بار بار میرے تصور میں ابھر کر میرے جذبات کو برانگیختہ کر رہا تھا۔ گزرے ہوئے لمحوں کے ساتھ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ ذہن سارے خطروں کو نظر انداز کر کے خواہشات کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔ سوشیلا کے مہکتے ہوئے گداز بدن کی قربت، وسیع خوابگاہ میں پھیلی ہوئی مدھم مدھم سی نیلی روشنی اور تنہائی میرے جسم میں آگ لگائے دے رہی تھی۔ میں مجسم آگ بنتا جا رہا تھا۔

''لیکن کنور! میں یہاں نہیں رک سکتی۔'' سوشیلا کے لہجے میں بڑی بے بسی تھی۔

میں نے اسے دونوں شانوں سے پکڑ کر اپنے قریب کر لیا اور اس کی مخمور آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ''کیوں نہیں رک سکتیں؟ مجھ سے ڈر لگتا ہے یا تم اپنے پتاجی کی طرح فری تھنکر نہیں ہو!''

سوشیلا نے اپنے شانے چھڑانے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے تنفس کی رفتار بڑھ گئی تھی اور آنکھوں میں تیرتے ہوئے گلابی ڈوروں کا رنگ کچھ اور تیز ہو گیا تھا۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی: ''وہ تو سب کچھ...... ٹھیک ہے...... لیکن...... کنور!...... آپ کلدیپ کور کو چاہتے ہیں...... اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا وعدہ کر چکے ہیں۔''

''یہ سب ماضی کی باتیں ہیں سوشیلا!'' میں نے اس کے ہونٹوں پر جھکتے ہوئے سرگوشی کی: ''اور تم جانتی ہو کہ میرا ماضی مجھ سے کٹ چکا ہے۔ مجھے تو کلدیپ کی شکل تک یاد نہیں۔''

پھر اس سے پہلے کہ سوشیلا کچھ کہتی' میرے جلتے ہوئے ہونٹ اس کے سرد ہونٹوں سے پیوست ہو گئے۔ سوشیلا کے دونوں ہاتھ میری پشت پر آہستہ آہستہ پھسلنے لگے۔ میری طرح اسے بھی جذبات نے مغلوب کر لیا تھا۔ بدن کے تقاضوں پر بند نہیں باندھا جا سکتا۔

اور جب تقاضے پورے ہو گئے تو میں نے محسوس کیا کہ میں کوئی پہلا مرد نہیں تھا جو سوشیلا کی شبانہ زندگی میں داخل ہوا۔ اس کی رعنائیاں اچھوتی نہیں تھیں تاہم میں اپنی زندگی کی اس رات سے پوری طرح مطمئن تھا۔

سوشیلا نے تھک کر آنکھیں بند کر لیں اور پھر اس پر نیند نے غلبہ پا لیا۔ میں بدستور جاگتا رہا۔ جذبات کا ابال ختم ہونے کے بعد اب مجھے ان خطرات کا خیال آ رہا تھا جن کی نشاندہی سوشیلا نے کی تھی۔ میں سگریٹ سلگائے ہلکے ہلکے کش لیتا ہوا سوچ کے تانے بانے سے الجھ رہا تھا کہ سیٹنگ روم کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ فوراً ہی دستک پھر ہوئی اور میں بستر سے اتر آیا۔ سوشیلا بدستور بے خبر سو رہی تھی۔ اس کے لب اس طرح نیم وا تھے جیسے وہ مسکرا رہی ہو۔ میں نے اسے چادر اُڑھا دی اور پھر دروازے کی طرف پلٹا۔

سٹنگ روم کے دروازے پر پہنچ کر میں نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''میں ہوں...... بلونت'' غراتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

کیا یہ براہِ راست حملے کے موڈ میں ہے؟ میں نے سوچا۔

''دروازہ کھولو!'' بلونت کی غراہٹ پھر سنائی دی۔ میں نے چٹخنی کھولی اور دروازہ کھولتا ہوا بڑی تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ میں ہر قسم کے حملے کے لیے تیار رہنا چاہتا تھا۔ لیکن مجھے بلونت کے ہاتھوں میں کوئی ہتھیار نہیں دکھائی دیا۔

''مہاراج نے تمھیں یاد کیا ہے۔'' وہ مجھے گھورتا ہوا بولا۔

''اس وقت؟...... خیر تو ہے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''یہ مہاراج ہی بتا سکیں گے۔'' بلونت نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''جلدی کرو۔ مہاراج کا حکم تھا کہ میں تمھیں فوراً لے کر پہنچوں۔''

میں تذبذب میں پڑ گیا۔ اندرونی کمرے میں سوشیلا سو رہی تھی۔ میری عدم موجودگی میں کوئی یہاں آ کر اسے دیکھ لیتا تو یہ بہت بری بات ہوتی۔ بلونت کے سامنے میں سوشیلا کو اُٹھا کر رخصت بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''کیا تمھیں مہاراج کے حکم کی کوئی پروا نہیں ہے پرتاب سنگھ!'' بلونت تیز لہجے میں بولا ''وہ فوراً تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''اچھا...... چلو!'' میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا اور باہر نکل آیا لیکن میں بلونت کی طرف سے پوری طرح چوکنا رہا تھا۔

بلونت ایک طرف مڑ گیا تو میں دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے ہو لیا۔

راجہ شمشیر سنگھ واقعی بڑی بیتابی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی بولا۔ ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کیا بلا ہو!''

''جی!'' میں حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''میں تمہارے بیان کی تصدیق کے لیے خود ہی ہسپتال دوڑا چلا گیا تھا۔ میرا ذاتی ہوائی جہاز ہے اس لیے مجھے کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی لیکن وہاں جا کر میں مصیبت میں پھنس گیا جیسے ہی میں نے تمہارے بارے میں پوچھ گچھ شروع کی' وہاں کھلبلی مچ گئی۔ مجھے چوروں کی طرح پکڑ لیا گیا اور کوئی نصف درجن شخصیتوں نے مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ وہ سب تمہارے بارے میں کچھ جان لینے کے لیے بے چین تھے۔! ان میں پولیس انسپکٹر جوگیندر سے لے کر برطانوی سفیر تک موجود تھے۔''

''برطانوی سفیر۔'' میں زیرِ لب بڑبڑایا۔

''ہاں...... اور وہ سب مجھ سے ایک ہی سوال کر رہے تھے کہ میں تمھیں کیسے جانتا ہوں اور اب تم کہاں ہو!''

''پھر آپ نے انہیں کیا جواب دیا؟'' میں نے بے صبری سے پوچھا۔

''میں نے بات بنا دی تھی میں نے کہا تھا کہ تصویر والے آدمی کی شکل میرے ایک عزیز سے ملتی جلتی ہے اور وہ بہت عرصے سے مجھ سے نہیں ملے۔''' راجہ شمشیر سنگھ نے کہا' پھر بولا۔ ''لیکن مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں نے میری بات پر یقین نہیں کیا۔ اگر میں کوئی عام آدمی ہوتا تو شاید پولیس مجھے حراست میں ہی لے لیتی لیکن اب بھی مجھے خدشہ ہے کہ شاید مرکزی جاسوس راج محل کے گرد منڈلانا شروع

کر دیں گے۔ اب اگر تمہیں یہاں سے پکڑا گیا تو اخبارات اسی خبر کو لے اڑیں گے اور عین ممکن ہے کہ میری بیٹی کا معاملہ بھی طشت از بام ہو جائے اگر ایسا ہوا تو......''

شمشیر سنگھ نے اپنی بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔ مجھے اس کی پریشانی اور الجھن کا خوب اندازہ تھا لیکن میری اپنی الجھن بھی کم نہیں تھی۔ یہ بہت حیرت انگیز تھا کہ برطانوی سفیر جیسی شخصیتیں میری ذات میں دلچسپی لے رہی تھیں۔ آخر میں کون تھا؟ میری کیا اہمیت تھی؟

''بلونت!'' راجہ شمشیر سنگھ بے بسی سے بولا: ''اب تم ہی کوئی مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔''

''اگر راجکماری دستیاب ہو چکی ہوتیں تو میں بڑی آسانی سے آپ کو یہ مشورہ دے دیتا کہ ان حضرت کا گلا گھونٹ دیا جائے اور ان کی لاش آپ ان لوگوں کے حوالے کر دیں جو ان میں دلچسپی لے رہے ہیں۔'' بلونت نے زہریلے لہجے میں کہا۔

میں راجہ شمشیر سنگھ سے بولا۔ ''کیوں نہ آپ راجکماری کی تلاش میں مجھ سے تعاون کریں۔''

''تم اسے کیوں ڈھونڈنا چاہو گے۔؟''

''میں ان سے بہت قریب ہو گیا تھا۔'' میں نے کہا اور پھر شمشیر سنگھ کے چہرے کی بدلتی ہوئی رنگت دیکھ کر جلدی سے بات آگے بڑھا دی۔ ''ممکن ہے میں نے انہیں کچھ ایسی باتیں بتائی ہوں جن کے سامنے آنے سے میری یادداشت لوٹ آئے۔ اس کے علاوہ راجکماری کو تلاش کرنا میرے لیے یوں بھی ضروری ہے کہ وہ......وہ......میرے......'' میں نے ہچکچا کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

راجہ شمشیر سنگھ دوسری طرف دیکھنے لگا۔ بلونت کی آنکھوں سے ایک بار پھر کینہ توزی جھلکنے لگی۔ اگر اس کا بس چلتا وہ مجھے کچا چبا جاتا۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر میں نے ہی وہ سکوت توڑا۔ ''مہاراج! جو ہوا سو ہوا' میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے تعاون کریں یا نہ کریں لیکن میں آپ کی بیٹی کو ضرور ڈھونڈ نکالوں گا اور باقی ماندہ مسئلے کا حل وہی ہو گا جو آپ چاہتے تھے جو میں بھی چاہتا تھا مگر جو میرے نامعلوم دشمنوں کو کسی وجہ سے پسند نہیں تھا۔''

''کون ساحل؟'' راجہ شمشیر سنگھ جیسے بے خیالی کے عالم میں پوچھ بیٹھا۔

میں نے جواب دیا۔ ''آپ نہیں چاہتے تھے کہ کلدیب کور میری نشانی کو اپنے گلے سے لگائے رہے اور میں بھی یہی چاہتا تھا چنانچہ کلدیب کور کی بازیابی پر پہلا کام یہی کیا جائے گا اور پھر میں کلدیب کور کی زندگی سے یوں نکل جاؤں گا جیسے کبھی اس سے ملا ہی نہیں تھا۔

''لیکن کیا راجکماری اس پر آمادہ......''

بلونت کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی ایک خوفناک دھماکے سے راج محل کی مضبوط عمارت لرز اٹھی۔

''یہ کیا!'' بلونت اچھل پڑا۔

''یہ کیسا دھماکہ تھا!'' راجہ شمشیر سنگھ متوحش انداز میں بولا۔ میرے ذہن میں بجلی کے کوندے کی طرح ایک خیال چمکا۔

''سوشیلا!'' میں نے غیر ارادی طور پر سرگوشی سی کی اور پھر ایکدم وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ میرا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا۔ راجہ شمشیر سنگھ اور بلونت میرے پیچھے پیچھے تھے۔

میرا خیال غلط نہیں نکلا۔ راج محل کا وہ حصہ جو میری رہائش کے لیے مخصوص تھا' ملبے کے ایک ڈھیر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ آہ!...... میں اپنی اس وقت کی کیفیت کو بیان نہیں کر سکتا۔ میں ایک انسان ہوں اور سوشیلا نے مجھے متاثر بھی کیا تھا۔ اسے میری زندگی کی فکر لاحق تھی اور اس چکر میں پڑ کر وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔ اس کا کندن ایسا جسم منوں مٹی کے نیچے دب چکا تھا۔ ایک خوبصورت اور بھرپور جوانی محض میری وجہ سے خاک کا ڈھیر بن چکی تھی۔ اب اگر میں جذبات سے مغلوب نہ ہو جاتا تو اور کیا ہوتا۔ میری پلکیں نمناک ہو گئی تھیں اور دل کی گہرائیوں سے لاوا ابل رہا تھا۔ اس وقت مجھے ہسپتال کی نرس آسیہ یاد آئی جس نے مجھے اپالو کا نام دیا تھا۔

میں واقعی اپالو تھا۔

یونانی دیوتا اپالو!

جو حسن میں یکتا تھا!

جو مجسم قہر تھا!

اور تباہی و بربادی جس کے جلو میں چلتی تھی۔!

''سوشیلا! میں اپنے دشمنوں سے تیری موت کا انتقام لوں گا۔'' میں دانت کچکچا کر بڑبڑایا۔

اسی وقت کسی نے پشت سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو بلونت کی شکل نظر آئی۔

''کیا تمہارے کمرے میں سوشیلا تھی۔؟'' بلونت نے دبی آواز سے پوچھا۔

اس لمحے اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میری آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ سوشیلا کی باتیں میرے ذہن میں گونج رہی تھیں اور

ان باتوں کی روشنی میں بلونت ہی سوشیلا کا قاتل نظر آ رہا تھا۔ میرے ہاتھوں نے برقی سرعت کے ساتھ اس کا گلا دبوچ لیا۔ مجھے پر جیسے دیوانگی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ اور میرے حملے میں ایسی مجنونانہ شدت تھی کہ بلونت کوشش کے باوجود اپنی گردن نہ چھڑا سکا۔

میں شاید اسے ختم ہی کر دیتا لیکن راجہ شمشیر سنگھ آڑے آیا۔ دھماکے کی آواز سن کر محل کی سپاہ اور دوسرے بہت سے افراد وہاں پہنچ چکے تھے۔ راجہ شمشیر سنگھ کا اشارہ ملتے ہی ان میں سے کئی سپاہی مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ اب مجھے مدافعت بھی کرنا پڑی تو بلونت کی گردن میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ مری ہوئی چھپکلی کی طرح پٹ سے زمین پر گرا۔

میں اس وقت بڑے وحشیانہ انداز میں لڑ رہا تھا۔ نصف درجن سپاہی مجھ پر پلے پڑ رہے تھے لیکن میں ان کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ البتہ انہی میں سے دو ایک زمیں بوس ہو چکے تھے۔ شاید میں ایک ایک کر کے ان سبھی کو ہوش و خرد کی دنیا سے بیگانہ کر دیتا لیکن اسی وقت راجہ شمشیر سنگھ چلایا۔

''کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے پرتاب سنگھ؟...... اپنے ہاتھ روکو ورنہ میں ان سپاہیوں کو حکم دوں گا کہ یہ تمہیں گولی سے اڑا دیں۔''

میں یکلخت راجہ شمشیر سنگھ کی طرف گھوم گیا اور اسے گھورتا ہوا بولا۔ ''میں بلونت کی زندگی مٹا دینا چاہتا ہوں۔ اس نے ایک بے گناہ لڑکی کی جان لی ہے۔ میں اسے ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔''

''نہ جانے تم کیسی باتیں کر رہے ہو! بلونت کسی بیگناہ کی جان کیوں لینے لگا۔''

''وہ مجھ سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ آج شام اس نے مجھ سے بدتمیزی کی تھی تو میں نے اسے ایک گھونسہ مار دیا تھا۔ اسی بناء پر یہ ذلیل شخص میری جان کا دشمن ہو گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی تھی کہ وہ مجھے ختم کر دیں اور وہ بدبخت میرے بستر پر سوتی ہوئی سوشیلا کو میرے دھوکے میں بم سے اڑا بیٹھے۔''

''سوشیلا؟'' راجہ شمشیر سنگھ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ''وہ تمہارے کمرے میں کیسے پہنچ گئی۔''

''آج شام کو میں اس کے ساتھ ٹینس کھیلا تھا۔ بلونت سے میری لڑائی اس کے سامنے ہوئی تھی۔ بعد میں کسی طرح اسے پتا چلا تھا کہ بلونت مجھے ہلاک کروانے کی فکر میں ہے چنانچہ وہ مجھے خبردار کرنے آئی تھی۔ مجھے خطرات سے آگاہ کرنے کے بعد وہ کمرے سے چلی جاتی لیکن اسی وقت بلونت آپ کا پیغام لے کر آ گیا۔ وہ بلونت سے خائف رہتی تھی اسی لیے کمرے میں دبک گئی۔ میں واپس جا کر اسے اپنے کمرے سے روانہ کر دیتا لیکن اس سے پہلے ہی یہ حادثہ ہو گیا۔''

''اور تم سمجھتے ہو کہ ایسا کرنیوالے بلونت کے آدمی تھے۔؟''

''ظاہر ہے۔''

''گویا بلونت کو معلوم ہو گا کہ اس وقت اس کے آدمی کمرے میں بم پھینکیں گے؟''

''ہاں۔''

''تو پھر بلونت احمق تھا جو تمہیں تمہارے کمرے سے نکال لایا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ مجھے کسی بہانے سے اس ملاقات سے باز رکھتا۔''

میں نے غور کیا تو مجھے راجہ شمشیر سنگھ کی دلیل کافی وزنی معلوم ہوئی۔ مجھے ہلاک کرنے کی یہ سازش بلونت کی نہیں ہوسکتی تھی۔ تو پھر؟ کیا یہ حملہ بھی میرے نامعلوم اور پراسرار دشمنوں ہی نے کرایا تھا۔؟

راجہ شمشیر سنگھ نے اپنے آدمیوں کو ملبے کے بارے میں کچھ ہدایت دیں اور پھر مجھ سے بولا۔ ''میرے ساتھ آؤ!''

میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ مجھے اب یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے حالات کے تندو تیز دھارے پر میرا وجود کسی حقیر تنکے کی طرح بہتا چلا جارہا ہے۔ میرے دشمن جو چاہتے تھے کر گزرتے تھے۔ وہ تو میری قسمت ہی یاوری کررہی تھی ورنہ میں کبھی کا ہلاک ہوگیا ہوتا۔

راجہ شمشیر سنگھ مجھے اپنے کمرے میں لے گیا اور گھورتا ہوا بولا۔ ''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں بلا تاخیر راج محل چھوڑ دینا چاہیے۔ کلدیب کور ملے یا نہ ملے، میں تمہارے منحوس وجود سے نجات حاصل کرلینا چاہتا ہوں۔ اگر تم یہاں رہے تو مجھے ڈر ہے کہ میں پاگل ہو جاؤں گا یا راج محل کی اینٹ سے اینٹ بج جائیگی۔ میں حیران ہوں کہ سوشیلا کے باپ کو کیا جواب دونگا۔ وہ بہت پیاری بچی تھی۔ اس کی موت کا اعلان ہوتے ہی کہرام مچ جائیگا۔ اگر تم یہاں رُکے تو شاید بدنامی بھی اس بدنصیب خاندان کا مقدر بن جائے گی۔''

''بہتر ہے...... میں چلا جاؤں گا۔'' میں ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''لیکن کیا آپ اس معاملے کی تفتیش نہیں کریں گے؟ آخر یہ کیسے ممکن ہوا کہ محل ہی کے آدمی میرے دشمنوں کا آلۂ کار بن گئے۔''

''محل کے آدمی؟''

''جی ہاں' سوشیلا نے بتایا تھا کہ مجھے ہلاک کرنے کا پروگرام بنانے والے محل کے سپاہیوں کے وردی میں تھے اور ان میں سے ایک شخص کا کان کٹا ہوا تھا۔

راجہ شمشیر سنگھ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔ ممکن ہے وہ اپنی سپاہ کے کسی کن کٹے شخص سے واقف رہا ہو۔

''میں آپ سے ایک درخواست اور کرنا چاہتا ہوں۔'' میری آواز سن کر راجہ شمشیر چونک پڑا۔

''کیا؟'' اس نے پوچھا۔

''میں کلدیب کور کے کاغذات کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے اس کی ڈائری سے مجھے کوئی کام کی بات معلوم ہوسکے۔''

راجہ شمشیر سنگھ نے چند لمحے کچھ سوچا اور پھر اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ وہ خود ہی مجھے لے کر کلدیب کور کے کمرے میں پہنچا اور پھر مجھے وہاں تنہا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ میں نے جلدی جلدی کمرے کی تلاشی لینا شروع کی مجھے ایک چھوٹی سی ڈائری مل گئی جس میں کلدیب کور، یادداشتیں، تقریبات کی تاریخیں اور ضروری پتے نوٹ کرتی تھی۔ اس میں مجھے ''کنور پرتاب سنگھ'' کا پتہ مل

گیا۔ وہ دارلحکومت کے ایک فرسٹ کلاس ہوٹل کا پتا تھا۔ میں نے وہ ڈائری اپنی جیب میں ڈال اور کلدیب کور کے کمرے سے نکل آیا۔ میں سوچ رہا تھا کہ مجھے اس ہوٹل میں پہنچ کر اپنے بارے میں چھان بین کرنا ہوگی۔

میں جیسے ہی کلدیب کور کے کمرے سے نکلا ایک ملازم نے میرے قریب آ کر کہا۔ ''مہاراج دیوان خانے میں آپ کے منتظر ہیں۔''

''وہاں تک میری رہنمائی کرو۔!'' میں نے ملازم سے کہا۔

ملازم نے مجھے دیوان خانے تک پہنچایا۔ اندر داخل ہوتے ہی میرے قدم ٹھٹھک کر رک گئے۔ مہاراج کے ساتھ وہاں ایک کن کٹا شخص بھی موجود تھا اور اس کے جسم پر نظر آنے والی وردی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ محل کے سپاہ میں کوئی عہدیدار رہے۔

''یہ بے قصور معلوم ہوتا ہے۔'' راجہ شمشیر نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔ ''اسے اس کے کوارٹر سے یہاں لایا گیا ہے۔ یہ وہاں بے خبر سو رہا تھا۔ یہ اس بات سے لاعلم ہے کہ دھماکہ کہا ہوا تھا۔''

''بہت خوب!'' میں نے آگے بڑھتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ ''اگر یہ شخص بہرہ ہے تو یقیناً بے گناہ ہوگا ورنہ اس وقت راج محل میں کون ہے جو بے خبر سو رہا ہو یا جسے یہ علم نہ ہو کہ دھماکہ راج محل کے کس حصے میں ہوا ہے۔''

راجہ شمشیر کے جواب دینے سے پہلے ہی کن کٹا بول اُٹھا۔

''میں بے شک بے خبر سو رہا تھا لیکن میں نے یہ کب کہا کہ دھماکے سے لاعلم ہوں۔ اس وقت میری آنکھ کھل گئی تھی لیکن میں دھماکے کی نوعیت کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ مجھ پر اتنی تھکن طاری تھی کہ میں دوبارہ سو گیا تھا۔''

میں اسے گھورتا رہا۔ وہ بڑی معصوم صورت بنائے بیٹھا ہوا تھا مجھے حیرت تو اس بات پر تھی کہ راجہ شمشیر سنگھ نے اس کی الٹی سیدھی تاویلات پر بڑی آسانی سے یقین کر لیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ راجہ شمشیر سنگھ کو سوشیلا کی باتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

''میں اس شخص کے کمرے کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

راجہ شمشیر سنگھ نے کسی تذبذب کے بغیر میری بات مان لی۔ اس نے اپنے چند آدمی میرے ساتھ کر دیے اور میں ان کی معیت میں کن کٹے کے کوارٹر تک پہنچا۔

تلاشی میں مجھے کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جو مشتبہ ہو اور کسی طرح کن کٹے کے جرم کی طرف اشارہ کر سکے۔ تلاشی کے دوران میں کن کٹا مجھے نفرت انگیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر فکر و تردد کے آثار بالکل نہیں تھے اور وہ بالکل مطمئن نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی خفیف سی مسکراہٹ تو مجھے زہر ہی لگ رہی تھی۔

راجہ شمشیر سنگھ نے جن آدمیوں کو میرے ساتھ بھیجا تھا وہ خاموشی سے ایک طرف کھڑے ہوئے تھے۔ میں ان کو نظر انداز کر کے آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا کن کٹے کی طرف بڑھا۔ اس کے قریب پہنچ کر میں رک گیا۔ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا اور پھر دھیمی

آواز میں بولا۔

''اگر تم ان لوگوں کی طرف صرف اشارہ ہی کر دو جنہوں نے تم کو مجھے ختم کرنے پر مامور کیا تھا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں مہاراج سے معافی دلا دونگا۔''

''پتا نہیں آپ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔'' کن کٹا بڑے اطمینان سے بولا۔ ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ میری بے بسی سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

میں ہونٹ بھینچ کر اس کی طرف سے مڑ گیا۔ اب میں طائرانہ نظروں سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اچانک میری نظریں ایک چیز پر ٹھٹک گئیں۔ وہ ردی کی ٹوکری تھی۔ میں نے ابھی تک اس کا جائزہ نہیں لیا تھا۔ ٹوکری کے قریب ہی گتے کا ایک ڈبہ بھی پڑا ہوا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر سب سے پہلے وہ ڈبہ اُٹھایا اور غور سے کن کٹے کی طرف دیکھا۔ وہ نظریں چرائے کسی اور سمت میں دیکھ رہا تھا۔

''اس ڈبے میں تم کیا لائے تھے؟ میں نے اچانک تیز آواز میں پوچھا۔

ایک لمحے کے لیے کن کٹے کے چہرے کی رنگت بدل گئی لیکن فوراً ہی اس نے خود پر قابو پا لیا اور مسکراتا ہو بولا۔

''آپ کا کیا خیال ہے؟...... کیا اس ڈبے میں بم چھپا کر لایا جا سکتا ہے؟''

مجھے یقین ہے کہ اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے یہ جملہ محض اس لیے کہا تھا کہ اسے معقول جواب سوچنے کے لیے کچھ مہلت مل جائے۔

''سیدھے سادے انداز میں جواب دو!'' میں نے غرا کر کہا۔

اتنی دیر میں شاید کن کٹے نے کچھ سوچ لیا تھا۔ وہ فوراً ایک گوشے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہاں رکھی ہوئی شیلف میں سے اس نے چند کتابیں نکالیں اور پھر میرے قریب آیا۔

''یہ لایا تھا میں اس ڈبے میں۔'' اس نے کتابیں میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ڈبے میں کتابیں!'' میں چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''باندھنے کے لیے سُتلی نہیں ملی تھی اس لیے دوست نے ڈبے میں رکھ کر دے دیں۔ آپ کو اعتراض ہے کوئی؟''

''گویا تحفہ ملا تھا تمہیں؟''

''نہیں میں نے عاریتاً لی تھیں۔''

''دوست کا نام اور پتا بتاؤ!''

کن کٹے نے کسی جھجک کے بغیر اپنے دوست کا نام اور پتا بتا دیا جسے میں نے اپنے پاس نوٹ کر لیا۔

اب میں ردی کی ٹوکری کی طرف متوجہ ہوا۔ اس میں سے کچھ ردی کاغذ ہاتھ لگے۔ ان کی شکنیں اس قسم کی تھیں جن سے اندازہ

ہوتا تھا کہ وہ گتے کے ڈبے پر لپٹے ہوئے ہوں گے۔ ان پر اسکاچ ٹیپ کے چند ٹکڑے بھی لگے ہوئے تھے۔

''باقاعدہ پیک کر کے کتابیں لائے تھے؟'' میں نے کن کٹے کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''آپکو اعتراض ہے کیا؟'' وہ شاید مجھے چڑانے پر ادھار کھائے بیٹھا تھا۔

میرا دل چاہا کہ اس کے ایک ہاتھ رسید کر دوں۔ بڑی مشکل سے خود پر قابو پاتے ہوئے میں اس کی طرف سے منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ردی کاغذ ابھی تک میرے ہاتھ میں تھے۔ الٹ پلٹ کر ان کا جائزہ لینے لگا اور دفعتاً ایک ایسی چیز میری نظروں میں آئی کہ میں چونک پڑا۔

کاغذ پر کسی فرم کا نام اور پتا چھپا ہوا تھا اور ہاتھ کی کوئی تحریر بھی تھی جسے کاٹ دیا گیا تھا۔ میں نے فوراً وہ کاغذ تہہ کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا اور دروازے کی طرف مڑا۔

راجہ شمشیر سنگھ کے آدمی کن کٹے کو اپنے ساتھ لیے ہوئے میرے پیچھے پیچھے کمرے سے نکلے اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کن کٹا

''اسے ہوش آچکا ہے۔''

''میں نے اس کے ساتھ زیادتی کی تھی مجھے اس کا افسوس ہے۔ میں جوش کی حالت میں وہ سب کچھ کر گزرا۔''

''میں تمہارا اظہارِ افسوس بلونت تک پہنچادوں گا۔''

''مجھے پھاٹک پر باہر نکلنے سے روکا تو نہیں جائے گا؟''

''نہیں میں ہدایت دے چکا ہوں کہ تمہیں جانے دیا جائے۔''

''بہتر ہے۔ شکریہ!''

صبح طلوع آفتاب سے پہلے میں راج محل سے نکل آیا۔ مجھے زنجن پور کے بازاروں میں اس فرم کا دفتر تلاش کرنا تھا جس کا لیٹر ہیڈ مجھے کن کٹے کے کمرے میں ردی کی ٹوکری سے ملا تھا۔ اس کی تلاش میرے لیے کوئی بڑا مسئلہ نہیں بنی۔ سورج کی ابتدائی کرنیں آسمان کو منور کر رہی تھیں جب میں مطلوبہ دفتر کے سامنے پہنچا تو دفتر کھلنے میں ابھی دیر تھی لیکن دو بھنگی وہاں کی صفائی کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ ان کو باتوں میں الجھا کر اور کچھ روپے انعام میں دے کر میں ان سے اس فرم کے کرتا دھرتا کا پتا معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

فرم کے مالک کا نام پرکاش تھا اور اس کی رہائش دفتر سے قریب ہی تھی۔ وہ ایک تعیش پسند شخص تھا اور غالباً اسی لیے اپنے خاندان والوں سے الگ تھلگ ایک فلیٹ میں رہا کرتا تھا۔ جب میں نے اس کے دروازے پر دستک دی تو وہ شاید محو خواب تھا کیونکہ اسے دروازے تک آنے میں کچھ دیر لگی تھی۔ دروازہ کھول کر جب اس نے ایک اجنبی کو سامنے پایا تو بڑے جھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

''کیا ہے؟''

میں فوراً بھرائی ہوئی آواز میں گھبراہٹ کا عنصر شامل کرتے ہوئے کن کٹے کا نام لے کر کہا۔ ''مجھے دیو پرشاد نے بھیجا ہے۔ بم نہیں پھٹ سکا۔''

''یہ کیسے ممکن ہے'' پرکاش کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور پھر اس نے چونک کر مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''مگر...... تم کون ہو؟ میں نے تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا!''

اب کسی قسم کی ہچکچاہٹ کام خراب کر دیتی اس لیے میں ایکدم اسے دھکیلتا ہوا اندر گھس گیا اور اپنے پیچھے دروازہ بند کرتا ہوا بولا۔ ''میں وہ ہوں جس کو ختم کرنے کے لیے تم نے دیو پرشاد کو بم سپلائی کیا تھا۔ وہ بم پھٹ چکا ہے اور ایک بے گناہ کی زندگی اس کی نذر ہو چکی ہے۔ اب میں تم کو بھی موت کی آغوش میں پہنچا دینا چاہتا ہوں۔''

پرکاش کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ میرے لہجے کی سفاکی محسوس کر کے وہ بے حد خوفزدہ ہو گیا تھا۔ یوں بھی وہ کچھ مضبوط اعصاب کا مالک نہیں معلوم ہوتا تھا اور اس کی جسمانی صحت بھی کسی کے لیے قابلِ رشک نہیں تھی۔ یکبارگی اس نے مڑ کر مجھ سے دور بھاگنا چاہا لیکن وہ مجھ سے زیادہ تیزی نہیں دکھا سکا۔ میں نے جست لگا کر اسے یوں دبوچ لیا جیسے بلی بھاگتے ہوئے چوہے کو پکڑتی ہے۔ وہ ذبح

ہوتے ہوئے بکرے کی طرح چیخنے لگا لیکن مجھے اس پر بالکل ترس نہیں آیا۔ میں اسے اُٹھا کر اندرونی کمرے میں لے گیا اور بستر پر پٹخ کر اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس سے پوچھ گچھ شروع کرنے سے پہلے میں اس کی باقاعدہ مزاج پرسی کر لینا چاہتا تھا لیکن مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ احتیاط نہیں برت سکا۔ میرا ایک گھونسا اس کی کنپٹی پر کچھ اس طرح لگا کہ اس کے ہوش وحواس زائل ہو گئے۔

''بس اب کھیل ختم ہوگیا۔ اسے چھوڑ کر الگ ہٹ جاؤ!''

میں چونک پڑا۔

خوابگاہ کے ایک دروازے سے تو میں داخل ہوا تھا لیکن وہاں صرف وہی ایک دروازہ نہیں تھا۔ دوسرے دروازے میں مجھے ایک بھاری بھرکم آدمی کھڑا نظر آیا جس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا رُخ میری طرف تھا۔ ریوالور کی نال پر سائیلنسر فٹ تھا۔

''تم دیکھ سکتے ہو کہ یہ ریوالور خاموشی سے فائر کرسکتا ہے تمہاری موت پر بھیڑ نہیں لگ سکے گی اس لیے جو کچھ بھی کہوں، خاموشی سے کرتے چلے جاؤ!'' طویل القامت اجنبی نے چند قدم آگے بڑھ کر کہا۔

مدھم روشنی میں اس کا چہرہ تو مجھے صاف طور پر دکھائی نہیں دے سکا لیکن اس کی آواز کے اتار چڑھاؤ سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ فطری طور پر سفاک اور بے رحم واقع ہوا ہے۔

میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا: ''مجھے معلوم ہوا تھا کہ پرکاش یہاں اکیلا رہتا ہے!''

''تم نے ٹھیک ہی سنا تھا میں دیو پرشاد کی طرف سے تمہاری موت کی خبر سننے کے لیے رک گیا تھا لیکن تم بہت ہی سخت جان ہو۔ پانچواں حملہ بھی ناکام ہوگیا۔''

''پانچواں؟'' میں حیرت سے بولا۔

''ہاں...... پانچواں...... لیکن یہ چھٹا موقع رائیگاں نہیں جائیگا۔ میرے ریوالور کی گولی تمہارے سینے میں پیوست ہونے کے لیے بے چین ہے۔''

پھر ایسا معلوم ہوا تھا جیسے طویل القامت اجنبی کی انگلی ٹرائیگر دبانے ہی والی ہو۔ یکلخت میرے جسم کے تمام مساموں سے ٹھنڈا پسینہ بہہ نکلا۔ موت کو اتنا قریب دنیا کے بہت کم لوگ دیکھ سکے ہیں اور جنھوں نے دیکھا ہے ان کی حالت مجھ سے مختلف نہیں ہوئی ہوگی۔ میرے سارے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی تھی اور میرا ذہن بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا کہ اس وقت موت کو جل دیکر نکل جانے کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔ اچانک مجھے اپنی آنکھوں کی غیر معمولی قوت کا خیال آیا اور میں نے خود سے سوال کیا کہ کیا میں اس موقع پر اس قوت کو استعمال کرسکتا ہوں۔؟

''سنو!'' اچانک میں ہاتھ اُٹھا کر جلدی سے بولا: ''کیا تم واقعی مجھے ہلاک کر دینا چاہتے ہو؟''

''جب گولی تمہارے سینے کے پار ہو جائیگی تو تمہارا یہ شبہ خود بخود دور ہو جائے گا۔'' اجنبی نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

''لیکن یہ بات تم مجھ سے نظریں ملا کر نہیں کہہ رہے ہو۔''

''کیوں! میں ایسا کرنے سے کیوں کتراؤں گا۔'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر قدرے گھبراہٹ نظر آئی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ بہت جلد مجھ سے نظریں چرا لے گا۔ میں فوراً بولا۔

''خبردار تم مجھ سے نظریں چرانے کی کوشش نہیں کرو گے۔ تم مجھے گولی بھی نہیں مارو گے۔ تم ایسا نہیں کر سکتے ہرگز نہیں کر سکتے۔ ہرگز نہیں کر سکتے۔''

میں ایک جوا کھیل رہا تھا اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس میں جیت کس کی ہو گی نتائج سامنے آنے میں چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اجنبی کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی اور ریوالور والا ہاتھ کپکپانے لگا تھا۔ مجھے اپنی کامیابی کی امید نظر آئی تو میرا دل خوشی سے دھڑک اُٹھا۔

''ٹرائیگر پر سے اپنی انگلی کا دباؤ ختم کر دو۔'' میں نے تحکمانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔ ''مجھ سے نظریں ملائے ہوئے کھڑے رہو۔ میں جو کچھ کہوں اس پر عمل کرتے چلے جاؤ۔ تم مجھ پر فائر نہیں کرو گے۔ بہتر یہ ہے کہ ریوالور پھینک دو۔''

اجنبی کے ریوالور والے ہاتھ کی کپکپاہٹ بڑھ گئی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ریوالور پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑتی جا رہی تھی۔ انگلیاں آہستہ آہستہ ریوالور کے دستے سے الگ ہو رہی تھیں۔ اجنبی کسی معمول کی طرح میری طرف دیکھے جا رہا تھا اور اس کے چہرے پر سفیدی پھیل گئی تھی۔

کھٹ کی آواز کے ساتھ ریوالور فرش پر گرا اور میرے ہونٹوں پر ایسی فاتحانہ مسکراہٹ آ گئی جیسے میں نے ہفت اقلیم کو زیر نگیں کر لیا ہو۔

طویل القامت اجنبی پتھر کے بت کی طرح ساکت و صامت کھڑا ہوا تھا۔

''سنو!'' میں نے تیز قسم کی سرگوشی کی۔ ''کیا تم میری آواز سن رہے ہو۔؟''

''اجنبی کے ہونٹ ہلے اور ایک مدھم سی آواز سنائی دی۔ ''ہاں''

''اب تم میری ہر بات کا جواب دو گے...... سمجھے؟''

''ہاں۔'' ویسی ہی مدھم آواز!

میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو چکی تھیں۔ قوی امید تھی کہ اس طویل القامت اجنبی سے مجھے بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔ شاید میری تمام الجھنیں رفع ہو جاتیں۔ میری کھوئی ہوئی شخصیت مجھے واپس مل جاتی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے اس پوچھا۔

''زردار بیگ۔''

''تم مجھے کیوں ختم کرنا چاہتے تھے؟''

''کیشپ نے مجھے اس کام کے لیے بڑی بھاری رقم دی تھی۔''

''کیشپ کون؟''

''بوڑھا کیشپ!......وہ ایک پراسرار شخصیت ہے۔اس کے خاص آدمی اسے مقدس کیشپ کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔''

یہ جواب سن کر میرے ذہن میں سرسراہٹ سی ہونے لگی اور میں نے کہا۔''اس بوڑھا کا حلیہ بتاؤ!''

زردار بیگ نے حلیہ بتایا اور میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔وہ حلیہ اس چہرے پر منطبق ہوتا تھا جسے میں اپنے تصور میں دیکھتا رہا تھا۔

''خیر۔''میں نے کہا۔''ذرا دیر پہلے تم مجھے بتا چکے ہو کہ یہ مجھ پر پانچواں حملہ تھا جو ناکام ہوگیا۔کیا پہلا حملہ بھی تم نے کیا تھا۔؟''

''کب؟ کیسے؟ مجھے ساری باتیں تفصیل سے بتاؤ!''

''دو دن قبل بوڑھے کیشپ نے مجھے تمہاری تصویر دی تھی اور تمہارے ہوٹل کا پتا بتایا تھا۔مجھے اس سے ایک معقول رقم ملی تھی اس لیے میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں اسی روز تمہیں ختم کروں گا۔میں تمہارے ہوٹل پہنچا۔اس وقت ایک ویٹر خالی برتنوں کے ٹرے لیے ہوئے تمہارے کمرے سے نکل رہا تھا۔میں لپک کر تمہارے کمرے کے قریب پہنچ گیا۔اس سے پہلے کہ تم دروازہ اندر سے بند کرلو میں اندر گھس جانا چاہتا تھا لیکن تمہیں دروازہ بند کرنی کی جلدی نہیں تھی۔تم کہیں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔تمہارے ایک ہاتھ میں بریف کیس اور دوسرے ہاتھ میں ایک ٹیلیگرام تھا جسے تم جیب میں رکھنے جا رہے تھے۔میں نے دروازہ کھولا اور ریوالور سے تم پر گولی چلادی مگر تم اپنی پھرتی کی وجہ سے بچ گئے۔میری دوسری یا تیسری گولی ضرور نشانے پر بیٹھتی لیکن تمہاری قسمت اچھی تھی۔برابر کے کمرے سے ایک خاتون نے نکل کر شور مچا دیا۔اب میں خطرے میں پڑ جاتا اس لیے میں اس کام کو کسی اور وقت کے لیے ملتوی کرکے وہاں سے بھاگ نکلا۔تم میرے پیچھے دوڑے اور نچلی منزل کے کوریڈور میں تم نے مجھے آلیا۔مجھ سے غلطی یہ ہوئی تھی کہ میں نے بے خیالی میں اپنا ریوالور جیب میں رکھ لیا تھا۔مجبوراً مجھے تم سے بھڑ جانا پڑا۔تم میری توقع سے زیادہ طاقتور ثابت ہوئے۔بمشکل تمام مجھے بھاگ نکلنے کا موقع مل سکا۔اس دھما چوکڑی میں تمہارے ہاتھ میں دبا ہوا ٹیلیگرام پھٹ گیا تھا۔دوسرا ٹکڑا میرے ہاتھ میں آگیا تھا۔اسے میں نے یونہی اپنی جیب میں ڈال لیا۔بعد میں جب بوڑھے کیشپ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو اس نے وہ ٹکڑا دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اسے دیکھنے کے بعد اس نے اس کے بارے میں چھان بین کی اور کسی طرح یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ وہ ٹیلیگرام زنجن پور کی راجکماری کلدیب کور نے بھیجا تھا۔''

زردار بیگ بولتے بولتے شاید کچھ تھک گیا تھا اس لیے رک کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔

''مجھے کار سے کچلنے کی کوشش بھی تم ہی نے کی تھی؟''میں نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا۔

''ہاں۔'' زردار بیگ نے جواب دیا۔ ''لیکن تم کار کی ٹکر کھا کر بھی بچ گئے۔''

''یہ واقعہ بھی تفصیل سے بتاؤ! آخر میں سڑک پر پیدل کہاں جا رہا تھا؟''

''تم بھی کار ہی میں تھے اور میں تمہارے تعاقب میں لگا ہوا تھا۔ ایک جگہ کار روک کر تم اتر پڑے اور کھڑے ہو کر کسی ڈاکٹر کے کلینک کی طرف دیکھنے لگے جو سڑک کے پار تھا۔ تمہارے انداز سے ہچکچاہٹ صاف ظاہر ہو رہی تھی جیسے تم جانا بھی چاہتے ہو اور نہ جانے کا خیال بھی ذہن میں ہو۔ آخر تم نے جانے ہی کا فیصلہ کیا تم آہستہ آہستہ قدم اُٹھا کر سڑک پار کرنے لگے۔ میں قریب ہی کار روکے موقعے کی تاک میں تھا۔ یہ موقع ملتے ہی میں نے کار دوڑا دی اور تمہیں کچل ڈالنا چاہا لیکن تم بروقت چونک پڑے اور پہیوں کے نیچے کچلے جانے سے صاف بچ گئے۔''

''اس کے بعد مجھے ہسپتال میں زہر دینے کی کوشش کی گئی۔ یہ کام شاید اس بوڑھے نے اپنے کسی خاص آدمی سے لیا تھا۔ پھر کسی آدمی کو بم دے کر بھیجا گیا۔ اس آدمی کا بندوبست شاید تم نے ہی کیا تھا۔ کیوں!''

''ہاں۔''

''کلدیپ کور کو بوڑھے ہی نے اغوا کیا ہے؟''

''ہاں۔''

''کس طرح! اس کی تفصیل بھی بتاؤ!

''میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ بوڑھے نے اس معاملے میں جادوگری دکھائی تھی۔ وہ حیرت انگیز قوتوں کا مالک ہے۔ یہ جادوگری نہیں تو اور کیا ہے کہ وہ تن تنہا راج محل میں گھس کر کلدیپ کور کو وہاں سے نکال لایا مگر سب کا بیان یہی ہے کہ کسی نے اسے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

''کلدیپ کے اغوا کا مقصد کیا ہے؟''

''اس کے بارے میں مجھ کچھ نہیں معلوم۔''

''کلدیپ اب کہاں ہے؟''

''اسی شہر میں جہاں بوڑھے کا قیام ہے۔''

''قیام کس جگہ ہے؟''

''میرے گھر میں۔''

''تمہارا گھر کہاں ہے؟'' میں کچھ جھنجلا سا گیا۔

زرداد بیگ نے پتا بتایا جو میں نے ذہن نشین کر لیا۔ زرداد بیگ بدستور ساکت و صامت کھڑا ہوا تھا لیکن اس کے چہرے کی

رنگت اب بہت زیادہ پھیکی پڑ چکی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آہستہ آہستہ اس کے جسم کا خون خشک ہوتا چلا جا رہا ہو۔ اب میں نے اس سے ایک نہایت اہم سوال کیا۔ ''کلدیپ کے سلسلے میں اب بوڑھے کیشپ کا کیا پروگرام ہے۔؟''

''مجھے اس کی تفصیل نہیں معلوم لیکن مجھے ان لوگوں کی باتوں سے کچھ ایسا اندازہ ہوا تھا جیسے وہ کلدیپ کور کو لے کر کھٹمنڈو روانہ ہونا چاہتا ہو!'' زرداد بیگ نے جواب دیا۔ اس کی آواز اب پہلے سے بھی زیادہ مدھم پڑ گئی تھی۔

اچانک مجھے ایک اور اہم بات یاد آئی اور میں اس سے اس کے بارے میں سوال کر بیٹھا۔ ''راج محل میں بوڑھے کیشپ کو پرتاب سنگھ کیوں سمجھا گیا تھا؟''

''مجھے اس کا علم نہیں۔''

''کیا میرا نام واقعی پرتاب سنگھ ہے؟''

''مجھے اس کا علم نہیں۔''

''اور......''

لیکن اس سے پہلے کہ میرا فقرہ مکمل ہوتا' زرداد بیگ اچانک کسی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح فرش پر گر پڑا۔ میں اس کے اس طرح گرنے پر بھونچکا رہ گیا تھا۔ بات سمجھ میں آنے والی تھی بھی نہیں۔ آخر کھڑے کھڑے اسے کیا ہو گیا تھا؟ میں تیزی سے اس کی طرف جھپٹا اس کی آنکھیں اب بند ہو چکی تھیں اور چہرہ کسی مردے کی طرح سفید نظر آ رہا تھا میں نے اس کی نبض دیکھی، دل کی دھڑکنیں محسوس کرنا چاہیں اور پھر یہ جان کر دم بخود رہ گیا کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

حیرت انگیز، پراسرار ناقابل یقین سی موت تھی اس کی! میں چکرا کر رہ گیا۔ اس بارے میں کوئی نتیجہ اخذ کرنا میرے لیے ناممکن تھا۔ دفعتاً ایک تیز قسم کی بو کمرے میں پھیلتی چلی گئی۔ میں نے چونک اِدھر اُدھر دیکھا اور جب میری نظریں دروازے کے طرف گئیں تو دروازے کے نچلے حصے سے کوئی سیال شے بڑی تیزی سے کمرے میں داخل ہوتی نظر آئی۔

پیٹرول!...... میرے ذہن میں جھنکار سی ہوئی۔

کمرے میں پھیلنے والی بو پیٹرول ہی کی تھی۔ کوئی شخص کمرے میں پیٹرول بہا رہا تھا۔ میں نے بے تحاشا دروازے کی طرف چھلانگ لگائی اور اسے کھولنا چاہا لیکن وہ باہر سے بند تھا۔

''ارسلان!'' باہر سے ایک تیز قسم کی سرگوشی سنائی دی۔

''دروازہ کھولو...... باہر کون ہے!'' میں دروازے کو جھنجھوڑنے کی کوشش کرتا ہوا چیخ کر بولا۔

جواب میں ایک دھیمے سے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ بڑا زہریلا قہقہہ تھا۔ اور پھر ایک کھر کھراتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

''میں تمہاری موت ہوں ارسلان...... ویسے دوسرے لوگ مجھے مقدس کیشپ کہتے ہیں۔ تم مجھے بھول چکے ہو لیکن میں تو تمہیں

فراموش نہیں کرسکتا تھا۔ آخر وہ وقت آہی گیا جب میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری ہونیوالی ہے۔ پیٹرول اب تک سارے فلیٹ میں پھیل چکا ہوگا۔ بس اب اسے دیا سلائی دکھانے کی دیر ہے۔

میں اچھل کر پیچھے ہٹا میرے جوتے بھی پیٹرول میں بھیگ گئے تھے۔ گویا آگ لگتے ہی میرا اس کی زد میں آجانا یقینی تھا۔

بوڑھے کیشپ کی آواز سنتے ہی مختلف النوع خیالات میرے دماغ میں ہجوم کر آئے تھے لیکن یہ موقع ایسا نہیں تھا کہ میں اپنے ذہن کو ان سے الجھاتا۔ اس وقت تو میرے لیے سب سے بڑا سوال زندگی بچانے کا تھا۔

میرے لیے کوئی راہِ فرار نہیں تھی۔ پیٹرول ہر طرف پھیل چکا تھا۔ دراصل میں نے اس کی بو کچھ دیر سے محسوس کی تھی۔

''ارسلان!'' بوڑھے کیشپ کی گمبھیر آواز سنائی دی۔ ''بہادروں کی طرح موت کا استقبال کرو۔''

میں تیزی سے اس دروازے کی طرف لپکا جس سے نکل کر زرداد بیگ میرے سامنے آیا تھا لیکن اس وقت میری مایوسی کی انتہا نہ رہی جب وہ دروازہ باتھ روم کا ثابت ہوا۔ پیٹرول کی ایک دھار بہتی ہوئی باتھ روم میں بھی داخل ہوچکی تھی۔

کمرے سے میرے نکل جانے کا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا۔ کمرے میں ایک کھڑکی تو تھی لیکن اس میں بھی آہنی گرل لگی ہوئی تھی۔ اگر وہ گرل نہ ہوتی تو بھی اسے میرا نکلنا غیر ممکن ہی ہوتا کیونکہ میں تیسری منزل سے نیچے چھلانگ نہیں لگا سکتا تھا۔

اتنی دیر میں پیٹرول کی دھاریں کمرے میں ہر طرف پھیل چکی تھیں۔ میری نظریں دروازے کے نچلے حصے پر جمی ہوئی تھیں اور میرے جسم سے پسینہ پھوٹ نکلا تھا۔

دروازے کے نچلے حصے میں ایک شعلہ سا لپکا اور میں سانس لینا بھی بھول گیا۔ پیٹرول میں آگ لگائی جاچکی تھی اور میں جانتا تھا کہ پیٹرول پر آگ لگائی جائے تو شعلے کتنی تیزی سے پھیلتے ہیں۔ دو سیکنڈ کے اندر اندر سارا کمرہ ایک دہکتا ہوا تنور بن جاتا۔

سفاک، بے رحم اور سنگدل، یعنی خوف و دہشت کی دیوی موت، میرے سامنے کھڑی تھی اور مجھے یقین ہو چلا تھا کہ بے وفا، بیسوا زندگی مجھ سے منہ موڑنے کو ہے۔ چند لمحوں میں شیرازۂ حیات بکھر جائے گا۔ میرے حواس اس عالم رنگ و بو کی طرف سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے حس ہوجائیں گے۔ خاک، خاک میں مل جائے گی۔ جہاں سے ابتدا ہوئی تھی، انجام بھی وہیں ہوگا۔

اس وقت میرے جسم سے پھوٹ پڑنے والا پسینہ میرے انہی احساسات کا نتیجہ تھا۔ زندگی کتنی پیاری شے ہے؟ اس کا اندازہ ایسے ہی حالات میں ہوسکتا ہے لیکن اس عالم خرماں نصیبی میں بھی میرے ہوش وحواس زائل نہیں ہوئے تھے۔ بقا کی شدید خواہش نے میرے جسم میں بجلیاں سی بھردی تھیں۔ میں برقی سرعت سے دوبارہ اس دروازے کی طرف جھپٹا جو غسلخانے کا تھا۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال جڑ پکڑ چکا تھا کہ میں نل کھول کر اپنے کپڑوں کو پانی سے بھگولوں۔ پانی سے تربہ تر کپڑے مجھے چند لمحوں کے لیے تو آگ کی ضرر رسانی سے محفوظ رکھ سکتے تھے میں نے سوچا تھا کہ بھیگے ہوئے کپڑوں کے ساتھ، میں بیرونی دروازے کو توڑتا ہوا باہر نکل جاؤں گا۔ آگ میں جلتا ہوا دروازہ زیادہ مضبوط نہیں رہ جاتا اس لیے اسے ایک ہی دھکے میں توڑ دینا ممکنات میں سے تھا۔ چند فیصد امکانات تھے کہ اس طرح شاید میں بچ جاؤں لیکن یہ بات یقینی تھی کہ وہ زندہ بچا ہوا وجود، اور جو کچھ بھی ہو، اپالو ہرگز نہیں ہوگا۔

اپالو، جو دیوتاؤں میں بھی حسین ترین دیوتا مشہور ہے۔

بھلا آگ کے شعلوں میں غسل کرنے کے بعد میرا چہرہ اس قابل کہاں رہ جاتا کہ مجھے اس دیوتا کے نام سے پکارا جاسکے لیکن اس وقت مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔ میں اپنی بقا کی جنگ لڑنے پر آمادہ تھا اور شدید ترین خواہش یہ تھی کہ موت وزیست کی اس رسہ کشی کا نتیجہ میرے حق میں نکلے۔

میں نل کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھا ہی رہا تھا کہ اچانک مجھے ان خونی لمحات کے اعجاز کا احساس ہوا۔ میرے قدموں تلے بہتے ہوئے پیٹرول کی ٹھنڈک بدستور تھی۔ کمرہ جسے اب تک نارِ جہنم کی لپیٹ میں آجانا چاہیے تھا، جوں کا توں تھا۔ آگ کے وہ شعلے جنہیں میرے گرد رقصاں ہونا چاہیے تھے۔ ابھی تک وجود میں نہیں آئے تھے اور یہ بڑی حیرت انگیز بات تھی۔ میں اسے وقت کا اعجاز نہ سمجھتا تو اور کیا سمجھتا۔ پیٹرول کی آگ کو پھیلنے میں اتنی دیر نہیں لگتی کیا میری بقا کی خواہش اتنی ہی شدید تھی کہ اس نے عناصر کے فطری عمل کو جامد کر دیا تھا۔؟

میں جلدی سے غسل خانہ چھوڑ کر کمرے میں نکل آیا۔ کچھ دیر پہلے مجھے دروازے میں جو شعلہ سا لپکتا نظر آیا تھا وہ اب مجھے کہیں دکھائی نہیں دیا۔ میری عقل چکرا کر رہ گئی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں نے لپکتا ہوا شعلہ نہیں بلکہ اس کا صرف پرتو دیکھا تھا۔

اسی وقت مجھے احساس ہوا کہ کمرے کے باہر، کوریڈور سے بھی آگے، شاید بیرونی دروازے کے پاس کچھ لوگ آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ ''کچھ لوگ'' کے الفاظ میں بڑی احتیاط سے اس لیے استعمال کر رہا ہوں کہ ان کی دبی دبی آوازوں اور کراہوں سے ان کی تعداد کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ یہ بات ممکنات میں سے تھی کہ وہ دو سے زیادہ ہوں اور یہ بھی ممکن تھا کہ صرف دو ہوں۔

مگر وہ کون تھے اور کیوں لڑ رہے تھے؟ میں اس سے بے خبر تھا باہر نکل کر ہی مجھے حقیقت حال معلوم ہوسکتی تھی ویسے بھی اس کمرے میں رکا رہنا میرے لئے خطرناک تھا۔ پیٹرول کی دھاریں میرے اردگرد بہہ رہی تھیں اور یہ بہتی ہوئی موت کسی وقت بھی میرا گلا دبا سکتی تھی۔ مجھے جلا کر خاک کر سکتی تھی۔ لہٰذا اس سے پہلے کے وہ اعصاب شکن لمحات پھر لوٹ آئیں۔ مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے تھا۔ قسمت کی یاوری سے مجھے جو مہلت مل گئی تھی۔ اس سے فائدہ نہ اُٹھانا حماقت ہی ہوتی۔ میں نے بچاؤ کی اکلوتی تدبیر پر فوری عمل کی ٹھانی اور پوری

قوت کے ساتھ اس دروازے سے جا ٹکرایا جو باہر نکلنے کی راہ میں آڑے آ رہا تھا۔

اس دھکے سے دروازہ ہل کر رہ گیا۔ میں نے یہ عمل پھر دہرایا۔ پھر تیسری ضرب پر دروازہ چرچرا کر رہ گیا۔ چوتھے دھکے نے اس کی چولیں کچھ اور ڈھیلی کر دیں۔ آخر پانچویں کوشش کامیاب ہوئی۔ دروازہ ٹوٹ کر دوسری طرف جا گرا۔ اس کی وجہ سے بہتے ہوئے پیٹرول کی چھینٹے اڑے۔ میں نے بیتابی سے باہر کی طرف جست لگا دی تھی۔ میں پیٹرول کے چھینٹوں میں سے گویا اڑتا ہوا بیرونی دروازے تک جا پہنچا۔

کھلے ہوئے دروازے کے باہر ایک آدمی فرش پر پڑا ہوا کراہ رہا تھا۔ دوسرے آدمی کی صرف پشت دکھائی دی۔ وہ بڑی تیزی سے، نیچے جانے کے لیے زینے طے کر رہا تھا۔ اس کے انداز سے یہ بات صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ وہ بھاگ نکلنے کی فکر میں ہے۔ میں سوچے سمجھے بغیر اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ یہ میری اضطراری حرکت تھی۔ اس وقت مجھے قطعی نہیں معلوم تھا کہ میرے آگے آگے بھاگنے والی ہستی اسی بڈھے کی تھی جو نامعلوم وجوہات کی بنا پر ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا اور میری موت ہی اس کی وہ پیاس بجھا سکتی تھی جس کا سبب مجھے نہیں معلوم تھا۔

چند ہی لمحوں میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ میرے آگے بھاگنے والا شخص، پھرتی اور تیزی میں کسی طرح بھی مجھ سے کم نہیں ہے۔

زینے ختم ہو گئے اور ہم بلڈنگ کے نیچے فٹ پاتھ پر پہنچ گئے۔ اس وقت اچانک بھاگنے والے نے مڑ کر مجھے دیکھا اور میں جھجک کر رہ گیا۔ میرے خیالوں میں بسا ہوا نفرت انگیز وجود میرے سامنے تھا۔ تصور میں بسے ہوئے بوڑھے کی شخصیت کو، گوشت و پوست کی جیتی جاگتی، ہستی کے روپ میں پا کر، میرا ٹھٹکنا اور رکنا ایک فطری بات تھی۔ منحوس بوڑھے نے میری اس جھجک سے فائدہ اُٹھایا اور بھاگتا چلا گیا۔ میں بھی جیسے خواب سے چونکا اور دوبارہ اس کے پیچھے لپکا مگر اب درمیانی فاصلہ کچھ اور بڑھ چکا تھا۔ بوڑھا ایک گلی میں گھس گیا اور جب میں بھی اس گلی میں داخل ہوا تو کف افسوس ملتا رہ گیا۔

گلی میں ایک کار کھڑی ہوئی تھی اور بوڑھا اس میں بیٹھ چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کار کے قریب پہنچتا، وہ حرکت میں آ گئی اور تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑتی ہوئی گلی میں دوڑتی چلی گئی۔

بوڑھا کیشپ، میرا جانی دشمن، میرے ہاتھ آتے آتے رہ گیا تھا۔ اس وقت میری بے بسی دیدنی تھی۔ کیشپ کسی لیس دار مچھلی کی طرح میرے ہاتھوں سے پھسلا جا رہا تھا۔ اسی وقت طلوع ہوتے ہوئے سورج کی کرنیں کار کی نمبر پلیٹ پر پڑ کر منعکس ہوئیں اور میرے ذہن میں جھما کہ سا ہوا۔

کار کا نمبر...... مجھے وہ نمبر نوٹ کر لینا چاہیے تھا میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کلدیب کور کی وہ نوٹ بک نکالی جو مجھے اس کی خوابگاہ سے ملی تھی۔

کار گلی سے نکل کر نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی لیکن مجھے اس کا نمبر اس طرح یاد ہو گیا تھا جیسے وہ ہمیشہ ہمیشہ سے میرے ذہن میں

ہو۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اب میں اس نمبر کو کبھی نہیں بھول سکوں گا لیکن پھر بھی میں نے احتیاطاً نوٹ بک میں اس کا اندراج کر لیا۔

اب مجھے اس آدمی کا خیال آیا جسے میں پرکاش کے فلیٹ کے دروازے پر کراہتا چھوڑ آیا تھا۔ شاید اسی کی وجہ سے میری جان بچ گئی تھی۔ وہ کیشپ کو آگ لگاتے دیکھ کر اس سے بھڑ گیا ہوگا لیکن یہ معمہ میرے لیے لاینحل ہی تھا کہ پیٹرول کی آگ کیسے بجھ گئی۔

میں تیزی سے واپس پرکاش کی بلڈنگ کی طرف چل پڑا۔ صبح کا اجالا سڑکوں پر پھیل گیا تھا اور اِکا دُکا راہگیر نظر آنے لگے تھے۔

جب میں پرکاش کے فلیٹ پر پہنچا تو وہ آدمی کپڑے جھاڑتا ہوا کھڑا ہو رہا تھا۔ اسے اپنی حالت کو سنبھالنے میں کافی دیر لگی تھی اس لیے میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ کیشپ کے بوڑھے جسم میں بلا کی طاقت تھی۔ اس نے اس بے چارے کو بری طرح رگڑ ڈالا ہوگا۔

پھر جب میری نظریں اس شخص کے چہرے پر پڑیں تو میرا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ بلونت تھا۔!

''تم......!'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

بلونت نے ٹھنڈی سانس لے کر اثبات میں سر ہلایا اور پھر بولا۔ ''اگر میں عین وقت پر نہ پہنچ گیا ہوتا تو تم اب تک کوئلے میں تبدیل ہو چکے ہوتے۔ اس کی انگلیوں میں دبی ہوئی ماچس کی تیلی جل چکی تھی اور وہ اسے بہتے ہوئے پیٹرول پر پھینکنے ہی جا رہا تھا کہ میری آہٹ سن کر پلٹا۔ میں نے پیٹرول کی بو سونگھ لی تھی۔ اس لیے مجھے خطرے کا احساس پوری شدت سے ہو چکا تھا۔ میں اس پر ٹوٹ پڑا۔ سب سے پہلے میں نے اس کے ماچس والے ہاتھ پر کلائی ماری تھی تاکہ تیلی اس کے ہاتھ سے چھوٹ پیٹرول سے دور جا گرے، میں اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گیا لیکن اس بڈھے سے بھڑ کر مجھے یوں لگا تھا جیسے میں کسی گھوڑے کو پچھاڑنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کم بخت میں بلا کی جان تھی۔''

بلونت بولتا رہا لیکن میرا ذہن اس سوال میں الجھ گیا تھا کہ مجھے پیٹرول میں آگ لگتی کیوں محسوس ہوئی تھی۔ میں نے جو شعلہ دیکھا تھا وہ کیا چیز تھی۔ کیا وہ ماچس کی تیلی کے شعلے کا عکس تھا جو پیٹرول کی سطح پر پڑ رہا ہوگا؟

''کہاں کھو گئے؟'' بلونت نے مجھے خیالات میں ڈوبا ہوا محسوس کر کے ٹوکا۔

میں چونک پڑا پھر میں نے بلونت کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ''میرے دوست! میں یہ بات کبھی نہیں بھولوں گا کہ تم نے مجھے یقینی موت سے بچایا ہے لیکن افسوس کہ تم اس شخص کو قابو میں نہ کر سکے جس نے کلدیپ کو غائب کر دیا ہے۔''

''کیا...... کیا یہ...... بوڑھا......؟'' بلونت ہکلا گیا۔

''ہاں، یہ میرا دشمن جانی کیشپ تھا۔ اسی نے میرے نام پر راج محل سے کلدیپ کو اغوا کیا تھا لیکن یہ باتیں تمہاری سمجھ میں اس وقت تک نہیں آئیں گی جب تک میں تفصیل سے نہ بتاؤں۔ بہتر یہ ہے کہ ہم نیچے چل کر کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھیں۔ یوں بھی ہمارا یہاں کھڑا رہنا ہمارے لیے مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔ صبح ہو چکی ہے اور دوسرے فلیٹوں سے لوگوں کی آمد و رفت شروع ہونے ہی کو ہوگی۔ اگر ہم پکڑے گئے تو جان بچانا مشکل ہو جائے گی کیونکہ فلیٹ میں ایک بے ہوش آدمی کے ساتھ ایک لاش بھی پڑی ہوئی ہے۔''

''لاش!'' بلونت اچھل پڑا۔

''ہاں' بس اب جلدی سے نکل چلو کہاں سے۔''

ہم دونوں نے بڑی تیزی سے زینے طے کیے اور نیچے فٹ پاتھ پر پہنچ گئے۔ کچھ فاصلے پر سڑک کے کونے کا ایک ریسٹورنٹ اس وقت کھولا جا رہا تھا۔ ہم دونوں وہیں پہنچ گئے۔ تمام میزیں ابھی خالی ہی پڑی ہوئی تھیں تاہم ہم نے کنارے ہی کی ایک میز منتخب کی۔ اس میز کے پہلو کی دیوار شیشے کی تھی جس سے پرکاش کی بلڈنگ صاف نظر آ رہی تھی۔

''کیا حقیقتاً اسی بڈھے نے راجکماری کو اغوا کیا ہے؟'' بلونت نے مجھ سے پوچھا۔

''ہاں......اور کلدیپ اب بھی اسی کے قبضے میں ہے۔''

''تو پھر یہ بڑا اچھا ہوا کہ میں نے اسے دیکھ لیا۔ اب میں اسے پاتال میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔''

''قرائن سے تو یہی پتا چلتا ہے کہ نوبت شاید پاتال تک ہی پہنچے گی۔ کم بخت سانپ کی طرح تیز اور چیتے کی طرح پھرتیلا ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ حیرت انگیز قوتوں کا مالک بھی ہے۔ اس سے ٹکرانا آسان نہیں ہوگا۔ ویسے اس کا پتا چلانے کے لیے میرے پاس ایک سراغ ضرور ہے۔''

''کیا؟'' بلونت نے بیتابی سے پوچھا۔

''وہ ابھی ایک کار میں بیٹھ کر بھاگا تھا اور اس کار کا نمبر میں نے نوٹ کر لیا ہے۔''

''نمبر پلیٹ جعلی بھی ہو سکتی ہے۔''

''اس کا امکان بہت کم ہے کیونکہ یہ بات کیشپ کے سان وگمان میں بھی نہیں ہوگی کہ اسے اس طرح بھاگنا پڑے گا۔''

''وہ نمبر کیا ہے؟''

میں نے اسے نمبر بتایا جو اس نے اپنے پاس نوٹ کر لیا۔

''لیکن تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟'' میں نے پوچھا۔

''مہاراج نے تمہیں راج محل چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن یہ ایک وقتی جوش کی بات تھی۔ اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ راجکماری کی بازیابی کے لیے اکیلے سر مارنے کی بجائے تمہارا تعاون حاصل رکھنا زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ مہاراج کے خیالات کا یہ انقلاب محسوس کر کے میں نے کن کٹے دیو پرشاد پر تشدد کیا اور تمہارے شبے کے مطابق اس سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اسے بم کس نے دیا تھا۔ وہ بدقت تمام پرکاش کا نام اپنی زبان پر لا سکا۔ پھر اسے پرکاش کا پتا بھی بتانا پڑا یہاں میں اس توقع پر آیا تھا کہ پرکاش سے بہت کچھ معلوم کر سکوں گا اور چونکہ شاید تم بھی اس کی تاک میں ہو گے اس لیے تم سے بھی کسی نہ کسی طرح رابطہ قائم ہو ہی جائے گا۔''

بلونت خاموش ہو گیا کیونکہ ایک ویٹر قریب آ گیا تھا۔ میں نے اسے ناشتے کے سلسلے میں کچھ ہدایات دیں اور وہ مؤدبانہ انداز میں سر کو جنبش دے کر چلا گیا۔

میں نے بلونت سے پوچھا۔ ''تم کار کے نمبر سے اس کے مالک کا پتا کتنی دیر میں چلا لو گے؟''

''ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں لگے گا۔''

''ٹھیک ہے، میں یہیں بیٹھ کر تمہارا انتظار کروں گا۔''

''یہاں کیوں......؟ تم راج محل......''

''نہیں، میں فی الحال وہاں نہیں جانا چاہتا۔ مجھے کچھ سوچنے کے لیے تنہائی کی ضرورت ہے۔''

''جیسا تم مناسب سمجھو لیکن میں فون پر مہاراج کو اطلاع دے دوں گا کہ میں نے تمہیں ڈھونڈ لیا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔''

''ہاں تم نے یہ نہیں بتایا کہ پرکاش کے فلیٹ میں لاش کس کی پڑی ہے؟ کیا تم نے پرکاش کو مار دیا۔؟''

''نہیں وہ دوسرا آدمی ہے۔''

اور پھر میں نے بلونت کو تفصیل سے بتایا کہ پرکاش کے فلیٹ میں کیا واقعات پیش آئے تھے لیکن میں اپنی اس حیرت انگیز قوت کا ذکر گول کر گیا جس سے میں نے زرداد بیگ کو حقیقت اگلنے پر مجبور کیا تھا۔

ویٹر ناشتہ لے کر آیا تو میں چپ ہو گیا۔ اس کے واپس جانے کے بعد ہم پھر گفتگو میں مصروف ہو گئے اور ناشتہ بھی کرتے رہے۔ میری تمام باتیں سننے کے بعد بلونت نے پر خیال انداز میں سر ہلایا اور پھر کہا۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم اپنے ہی ملک میں راجکماری کو اس بڈھے کے نیچے سے نہ نکال سکے تو ہمیں کھٹمنڈو تک اس کا پیچھا کرنا پڑے گا۔!''

''ہاں یہ تو ہے۔''میں نے جواباً کہا۔

اس کے بعد ہم نے ناشتے کے دوران میں کوئی گفتگو نہیں کی۔ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ سوچ میں گم تھے۔ ناشتہ کر چکنے کے بعد بلونت کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

''تو تم ایک گھنٹے بعد مجھے یہیں ملو گے؟''

''ہاں۔''

بلونت چلا گیا اور میں نے سگریٹ سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔ میں ہلکے ہلکے کش لیتا ہوا اپنے خیالات میں غرق تھا کہ ایک منظر نے مجھے چونکا دیا۔ پرکاش کی بلڈنگ کے سامنے پولیس کی دو گاڑیاں آ کر رکی تھیں۔ پولیس ان گاڑیوں سے اُتر کر بلڈنگ میں چلی گئی۔ دو ایک سپاہی باہر کھڑے رہ گئے۔ یہ سمجھنا میرے لیے مشکل نہیں تھا کہ بلڈنگ میں رہنے والے کسی شخص نے پیٹرول کی بو محسوس کر کے پرکاش کے فلیٹ کی طرف توجہ دی ہوگی اور دروازے کو کھلا ہوا دیکھ کر اندر گھس گیا ہوگا۔ جب اسے لاش نظر آئی ہوگی تو اس نے شور مچا کر بلڈنگ کے دوسرے لوگوں کو جمع کیا ہوگا۔ پھر وہ سب مل کر اس فیصلے پر پہنچے ہوں گے کہ پولیس کو اطلاع دے دی جائے۔

اب میرے لیے مسئلہ یہ تھا کہ اس ریسٹورنٹ میں بیٹھا رہوں یا اٹھ کر چلا جاؤں۔ دراصل خطرہ اس بات کا تھا کہ پولیس کا کوئی افسر تحقیقات کرتا ہوا اس ریسٹورنٹ تک بھی آ سکتا تھا۔ تاہم یہ بات میری تقویت کے لیے کافی تھی کہ مہاراجہ شمشیر سنگھ کی وجہ سے میں کسی بڑی پریشانی میں نہ پڑتا۔ اسی تقویت کے سہارے میں ریسٹورنٹ میں بیٹھا رہا۔ دراصل یہاں سے اُٹھ جانے میں قباحت یہ تھی کہ میں نے بلونت سے یہیں منتظر رہنے کا وعدہ کیا تھا۔

میں بیٹھا رہا، سگریٹ پھونکتا رہا اور زرداد بیگ کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ کھڑے کھڑے، میری باتوں کا جواب دیتے دیتے اچانک تڑ سے فرش پر گرا تھا اور اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔ اس سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ میں نہ صرف مسحور کرنے کی طاقت رکھتا تھا بلکہ سحر زدہ افراد کے اعصاب میری اس قوت سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاتے تھے اور بلآخر یہ ٹوٹ پھوٹ سحر زدہ شخص کے لیے نا قابل برداشت ہو جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی زندگی کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا تھا۔ موت اچانک اس کا مقدر بن جاتی تھی۔

لیکن میری اس پراسرار طاقت کا راز کیا تھا؟ مجھے یہ بات نہیں معلوم تھی۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ مجھ میں یہ طاقت حال ہی میں پیدا ہوئی ہے یا بہت پہلے سے ہے۔

اسی اُدھیڑ بن میں میرا ایک گھنٹہ گزر گیا۔ بلونت اپنے وعدے کے مطابق صحیح وقت پر لوٹ آیا۔ اس وقت بھی پرکاش کی بلڈنگ کے سامنے پولیس کی گاڑیاں موجود تھیں اور ظاہر ہے بلونت نے انہیں دیکھ لیا ہوگا لیکن اس نے ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں دیکھ کر اس پر کوئی ردِعمل نہ ہوا ہو۔ شاید اسے پہلے ہی پولیس کی اس سرگرمی کا علم ہو چکا ہوگا۔ میں نے بھی اس سے اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں چھیڑی کیونکہ میں یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ وہ جو کچھ معلوم کرنے گیا تھا وہ معلوم ہو سکا تھا یا نہیں!

بلونت نے خیال ظاہر کیا کہ کھٹمنڈو کے سفر کا امکان بہت روشن ہو چکا ہے کیونکہ اس کار کا مالک صوبائی دارلحکومت میں رہتا تھا اور اس کا تعلق نیپال کے سفارت خانے سے تھا۔

''تو پھر ہمیں فوراً وہاں پہنچنا چاہیے۔'' میں نے کہا۔ ''کیا ہمیں اس وقت کوئی ٹرین مل جائے گی۔؟''

''ٹرین سے زیادہ تیز رفتار چیز جہاز ہے۔''

''کیا فوری طور پر کوئی فلائٹ مل سکے گی۔''

''مہاراج کا ذاتی بوئنگ موجود ہے اور اڑنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے بس مہاراج سے اجازت ملنے کی دیر ہے اور پھر ہم فضا میں ہوں گے۔''

بلونت نے اسی وقت ٹیلیفون پر راجہ شمشیر سنگھ سے رابطہ قائم کیا اور اسے صورتحال بتائی شمشیر سنگھ نے طیارے کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی اور کہا کہ وہ فوراً طیارے کے پائلٹ کو فون پر ہدایات دے دے گا۔

ہم دونوں ایک ٹیکسی کر کے ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہو گئے۔ اچانک بلونت کو نہ جانے کیا خیال آیا کہ وہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتا ہوا بڑبڑایا۔

''میری بھی مت ماری گئی ہے۔''

''کیوں؟ کیا ہوا؟''

''تمہارے بیان کے مطابق زرداد بیگ نے تمہیں بتایا تھا کہ اس بوڑھے نے راجکماری کو اسی کے یعنی زرداد بیگ کے گھر میں رکھا تھا۔''

''ہاں تو پھر؟''

''ہمیں زرداد بیگ کا پتا لگا کر وہاں چھاپہ مارنے چاہیے تھا۔''

''یہ بات میرے ذہن میں بھی آئی تھی لیکن میں تضیع اوقات سے بچنا چاہتا تھا۔''

''کیوں؟ کیا مطلب؟''

''بوڑھا کیشپ پرکاش کی بلڈنگ میں' اپنے پھینکے ہوئے پانسے کو الٹا گرتے ہوئے دیکھ کر گیا تھا اس لیے یہ بات ممکن نہیں رہ گئی تھی کہ اس نے راجکماری کو زرداد بیگ کے گھر میں رہنے دیا ہو۔ اس نے راجکماری کو فوراً وہاں سے ہٹا دیا ہو گا اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ اس وقت راجکماری کو اپنے ساتھ لیے ہوئے، کسی راستے سے صوبائی دارالحکومت کی طرف رواں دواں ہو۔''

''تم واقعی ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں یوں نہیں سوچ سکا۔'' بلونت نے سر ہلایا۔

''اس موضوع پر بات یہیں ختم ہو گئی۔ جب ہم ہوائی اڈے پہنچے تو راجہ شمشیر کا بوئنگ جیٹ، پرواز کے لیے تیار تھا اور اس کے

پائلٹ کو ہمارے بارے میں ہدایات بھی مل چکی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد ہم فضا میں تھے۔ ہم نے طے کیا کہ منزل پر پہنچ کر بلونت تو اس نیپالی افسر کے بارے میں چھان بین کرنے چلا جائے گا اور اس دوران میں اس ہوٹل کا رُخ کروں گا جہاں میں اپنی یادداشت گم کرنے سے پہلے مقیم تھا اور جہاں زرداد بیگ نے اپنے بیان کے مطابق مجھ پر گولی چلائی تھی۔ اس ہوٹل تک پہنچنا میرے لیے یوں ممکن تھا کہ اس کا پتا مجھے کلدیپ کور کی ڈائری سے مل گیا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے سوشیلا کماری سے بھی اس کے بارے معلومات حاصل ہو چکی تھیں کیونکہ کلدیپ کور کی طرف سے وہ ٹیلیگرام اسی نے ہوٹل کے پتے پر مجھے بھیجا تھا۔

بلونت سے پروگرام طے کرنے کے بعد میں نے نشست کے پچھلے حصے سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگا کہ میری زندگی بھی کچھ عجیب طور سے رقص کناں ہے۔ چند دن میں مجھے اَن گنت حیرت انگیز واقعات سے دوچار ہونا پڑا تھا اور ابھی تک مجھے یہ بات نہیں معلوم ہو سکی تھی کہ میں کون ہوں۔ شاید اس ہوٹل سے مجھے اپنے بارے میں کچھ سراغ مل سکتا جہاں اب مجھے جانا تھا۔

اس شہر کی یاد کے واسطے سے مجھے ہسپتال کی نرس آسیہ یاد آئی جس نے ہسپتال سے فرار ہونے میں میری مدد کی تھی۔ شاید وہ پاگل لڑکی سچ مچ میری محبت میں گرفتار ہو گئی تھی لیکن میں اس قسم کے جنجال میں پڑنے کا عادی نہیں تھا بس حسن سے سیراب ہونا میری فطرت تھی۔ اس سے کوئی واسطہ نہیں تھا کہ میری یہ سیرابی ''حسن'' پر کیا کیا بپتا ڈال سکتی ہے۔ میری اس فطرت کا سب سے بڑا ثبوت راجکماری کلدیپ کور تھی جس کے بطن میں میری ''سیرابی کا حاصل'' پرورش پا رہا تھا۔ میری کوشش یہ رہی تھی کہ طب کا سہارا لے کر اس جھگڑے کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا جائے لیکن راجکماری اپنی محبت کی اس نشانی کو ہر قیمت پر محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ شاید اسنے مجھے ٹوٹ کر چاہا تھا اور شاید میری زندگی میں داخل ہونے والی ہر لڑکی مجھے اسی طرح ٹوٹ کر چاہتی ہے لیکن میں اسے بے وقوفی سمجھتا ہوں۔ حاصل زندگی شادی تو نہیں۔!

آسیہ کے بعد میری زندگی میں سوشیلا کماری داخل ہوئی تھی۔ اس کے لمس آتشیں نے میرے دل کو برمایا تھا اور میں نے اس کے ساتھ بھی کیف و سرشاری کی منزلیں طے کی تھیں پھر میری ہی وجہ سے وہ موت کی آغوش میں جا سوئی تھی اور اس خوبصورت زندگی کے خاتمے پر میرے جذبات اُبل پڑے تھے لیکن میرے جذبات کی برانگیختگی کا سبب یہ نہیں تھا کہ مجھے اس سے محبت ہو گئی تھی۔ نہیں، اس کا سبب صرف یہ تھا کہ ایک انسان کے سانسوں کا تار ٹوٹ گیا تھا۔ ایک نو دمیدہ پھول، اجل کے آتشیں جھونکے کی زد میں آ کر جل گیا تھا۔ زندگی کی ایک مہک کم ہو گئی تھی اور مجھے زندگی سے پیار ہے۔ میں اس گلستان کی ایک ایک کلی اور ایک ایک غنچے کو مستی میں جھومتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ بھنورے اڑتے رہیں تتلیاں چکراتی رہیں اور پھول جھومتے رہیں۔ بس یہی میری خواہش ہے۔ میں اس فرحاں و شاداں چمن کی کسی شاخ کو اجڑا ہوا نہیں دیکھنا چاہتا۔

میں اپنے ان خیالات سے اس وقت چونکا جب بلونت نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے بتایا کہ طیارہ لینڈ کرنے والا ہے۔ ہوائی اڈے پر اترنے کے بعد ہم نے دو ٹیکسیاں کیں اور مختلف سمتوں میں روانہ ہو گئے۔ میں نے اپنے ٹیکسی ڈرائیور کو ہوٹل کا

نام بتادیا تھا اور ٹیکسی اس کی طرف رواں دواں تھی۔ لیکن اب میں یہ سوچ رہا تھا کہ ہوٹل جانا مناسب بھی ہوگا یا نہیں؟ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا کہ مجھے پہچانا جاسکتا ہے۔ اخبارات میری خاصی پبلسٹی کرچکے تھے۔'' چونکہ میرا معاملہ ایک غیر معمولی نوعیت کا تھا اس لیے عام لوگوں کو بھی میری ذات سے دلچسپی ہوجانی چاہیے تھی۔ ایک امکان یہ بھی تھا کہ اخبارات میں میری تصویر دیکھ کر ہوٹل کے منتظمین نے پولیس سے رابطہ قائم کرلیا ہو اور پولیس اچھی طرح میرے کمرے کی تلاشی لے چکی ہو۔ نیز یہ میرا سامان بھی اب پولیس ہی کی تحویل میں ہو۔ اس صورت میں اب مجھے اپنی ذات کا سراغ نہیں مل سکتا تھا۔ میری توقعات صرف سامان ہی سے وابستہ تھیں اور سامان تک رسائی نہ ہونے کی صورت میں مجھے کچھ نہیں معلوم ہوسکتا تھا۔

ٹیکسی ہوٹل کے پورٹیکو میں پہنچ کر رک گئی اور ڈرائیور نے انجن بھی بند کردیا تھا لیکن میں تذبذب کے عالم میں بیٹھا ہی رہا۔ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اتروں یا نہ اتروں لیکن آخر کار میں نے خطرہ مول لینے ہی کا فیصلہ کیا۔ میں خود کو جاننے کے لیے اتنا ہی بے چین تھا کہ غیر یقینی خطرات میرے قدم کو آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتے تھے۔

میں نے ڈرائیور کو کرایہ ادا کرکے ٹیکسی رخصت کردی اور ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ میں نے اس بات کی بھی پروا نہیں کی تھی کہ میرا معمولی لباس اس ہوٹل کے شایانِ شان نہیں ہے۔ میں اب تک بدستور اسی لباس میں تھا جو میں نے ہسپتال سے فرار ہوتے وقت پہن رکھا تھا۔ ابھی تک مجھے اتنی مہلت ہی نہیں مل سکی تھی کہ اپنے لیے کسی ڈھنگ کے لباس کا بندوبست کرسکتا۔

میں ہال میں داخل ہوا میں نے اپنے انداز میں اتنا رعب پیدا کرلیا تھا کہ دربان مجھے روکنے کی ہمت نہیں کرسکا۔ بس دیکھتا رہ گیا۔ میں کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ریسپشنسٹ مجھے دیکھ کر چونک پڑا۔ اس کے چونکنے سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں لیکن میں نے اپنے چہرے سے قلبی کیفیت کا اظہار نہیں ہونے دیا اور خود کو مطمئن کرنے کے لیے سوچا کہ ریسپشنسٹ مجھے دیکھ کر محض اس لیے چونکا ہوگا کہ میں بغیر کسی اطلاع کے کئی روز غائب رہنے کے بعد اچانک واپس لوٹا تھا۔

''چابی۔'' میں نے کہتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اس نے خاموشی سے چابی نکال کر میری طرف بڑھادی۔ اسے مجھ سے کوئی سوال کرنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔

''میرے لیے کوئی پیغام؟'' میں نے اس سے چابی لیتے ہوئے پوچھا۔

ریسپشنسٹ نے ایک نظر اُن خانوں پر ڈالی جن پر کمروں کے نمبر پڑے ہوئے تھے۔ میرے کمرے کے نمبر کا خانہ خالی تھا۔ ریسپشنسٹ نے میری طرف متوجہ ہوکر ادب سے جواب دیا۔ ''جی نہیں۔''

اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مجھے پرتاب سنگھ کی حیثیت سے بہت کم لوگ جانتے ہوں گے ورنہ میری غیر حاضری میں ایک آدھ فون یا خط تو آتا۔

میں مزید کچھ کہے بغیر مڑ گیا۔ چابی پر میرے کمرے کا نمبر پڑا ہوا تھا۔ لہٰذا مجھے اس سلسلے میں کسی الجھن کا شکار نہیں ہونا پڑا۔ میں

آسانی سے اپنے کمرے تک پہنچ گیا جو تیسری منزل پر تھا۔

دروازے کا آہنی قفل کھولتے ہوئے میں نے بڑی بے چینی محسوس کی۔ ریسپشنسٹ کی نظروں کا انداز میری خطرے کی حس کو بیدار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرے دل میں رہ رہ کر یہ خواہش ابھر رہی تھی کہ مجھے فوراً یہاں سے بھاگ جانا چاہیے لیکن اس کے ساتھ ہی اپنی ذات کی تلاش کا خیال بھی ذہن کے کسی گوشے میں کلبلا رہا تھا۔ اس کمرے میں مجھے کوئی ایسی چیز مل سکتی تھی جو میری گم گشتہ شخصیت کو روشنی میں لے آتی اور میں خود کو پالیتا۔

قفل کھل چکا تھا میں دروازے کو آہستگی سے دھکیلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ میں نے دروازہ بند کر کے اندھیرے ہی میں دیوار کو ٹٹولا۔ سوئچ مل گیا اور میں نے اسے دبا کر کمرے میں روشنی کر دی۔ جو فرنیچر مجھے نظر آیا اس سے یہ بات ظاہر تھی کہ وہ کمرہ سٹنگ روم تھا۔ دیوان، صوفے اور آرام دہ کرسیاں! ٹیلی ویژن اور کتابوں کی شیلف! فرش پر نرم اور دبیز قالین! کمرے کی آرائش قیمتی اور دلکش چیزوں سے کی گئی تھی۔

میں چند قدم اُٹھا کر کمرے کے وسط میں پہنچ گیا۔ وہاں رک کر میں گہری نظروں سے اردگرد کا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ میں اچھل پڑا میری نظریں بڑی تیزی سے آواز کی سمت گئیں اور میں نے دیکھا کہ اندرونی کمرے کا دروازہ اب کھلا ہوا تھا۔ اس دروازے میں جو شکل نظر آئی وہ ایک لڑکی کی تھی۔ میرا منہ حیرت سے کھلا اور پھر کھلا ہی رہ گیا۔

اندرونی کمرے میں تاریکی تھی اور اس تاریکی کے پیش منظر میں اس کا نیم برہنہ جسم اس طرح چمک رہا تھا جیسے وہ کوئی آسمانی مخلوق ہو۔ لباس مغربی تراش کا تھا۔ نیکر سے ملتی جلتی کوئی مختصری چیز جس پر وہ اونی بنیان سے مماثل کوئی شے پہنے ہوئے تھی۔ اس لباس میں وہ کچھ ایسی دکھائی دے رہی تھی جیسے کچھ بھی پہنے ہوئے نہ ہو۔

میں نے اپنے سارے جسم میں چیونٹیاں سی رینگتی محسوس کیں۔ وہ گدرایا ہوا شباب ایسا ہی تھا کہ جذبات کا الاؤ دہکا دے۔

مگر اس کیفیت کے باوجود میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا تھا کہ شاید کسی غلط کمرے میں آ گیا ہوں۔ میرے ذہن میں آیا کہ تیزی سے واپس لوٹ جاؤں لیکن اسی وقت وہ لڑکی بڑی بے تکلفی سے میری طرف بڑھتی ہوئی چہچہائی۔

''ہیلو پرنس! مجھے یقین تھا کہ آج تم ضرور آؤ گے۔'' وہ انگریزی میں بولی تھی اور اس کا لب و لہجہ بھی انگریزوں ہی جیسا تھا۔

میں فیصلہ نہیں کر سکا کہ مجھے جواباً کیا کہنا چاہیے۔ وہ بڑی ادا سے چلتی ہوئی میرے قریب آ گئی۔ اس نے اتنے ہولے ہولے قدم اُٹھائے تھے جیسے اس کی پیروں تلے دھرتی کا کلیجہ دھڑک رہا ہو۔ اس کے خوبصورت جسم کی ہلکی ہلکی جنبشوں کو دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میرے دل کی بستی میں شفق کے رنگ مچلنے لگے ہوں۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ اسے دیکھتے ہوئے میری نظروں میں جو کیفیت ابھر رہی تھی۔ وہی عالم سرمستی اس کی نظروں میں بھی تھا۔

''تم......کون ہو؟'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

وہ اب اتنی قریب آ گئی تھی کہ اس کے جسم کی مہکار میری مشامِ جاں کو معطر کرتی چلی گئی۔

''ارے! بھول گئے؟'' وہ اٹھلا کر بولی۔ ''ابھی تین چار دن کی تو بات ہے کہ ایک بدمعاش نے یہاں کمرے میں گھس کر تم پر گولیاں چلائی تھیں۔ اگر میں عین وقت پر نہ آ گئی ہوتی تو شاید......''

''اچھا تو وہ تم ہو۔'' میں نے اسے اور زیادہ غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن تم شاید میرے برابر والے کمرے میں مقیم تھیں، میری روم میٹ تو نہیں تھیں۔''

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کے ہنسنے کا انداز بھی دل کو لبھا لینے والا تھا۔ دلفریب اور کھنکھناتی ہوئی وہ ہنسی ایسی تھی جیسے بے شمار فنجان اس طرح ٹوٹے ہوں کہ ان کی چھوٹی چھوٹی کرچیں ہر طرف بکھر گئی ہوں۔ میں نے ان کرچوں کی لذت انگیز چبھن اپنے دل پر محسوس کی۔

وہ کہہ رہی تھی۔ ''بیشک میرا قیام تمہارے برابر والے کمرے میں تھا اور میں اب بھی وہیں مقیم ہوں لیکن اگر تم غائب نہ ہو گئے ہوتے تو مجھے یقین ہے کہ میں اب تک تمہاری روم میٹ بھی بن چکی ہوتی۔'' اس نے بڑی بیباک نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ان نظروں میں بھوک تھی۔ شدید بھوک، جنم جنم کی بھوک!

''لیکن اس وقت تم میرے کمرے میں کیسے آ گئیں؟'' میں بولا لڑکی نے مڑ کر خوابگاہ کی طرف دیکھا اور پھر سرسراتی ہوئی آواز

میں کہا: ''کیا ہم یہ سب باتیں آرام دہ ماحول میں بیٹھ کر نہیں کر سکتے۔؟''

''کیا یہاں کا ماحول آرام دہ نہیں؟''

''وہاں زیادہ آرام دہ ہوگا۔'' وہ خوابگاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہنس پڑی۔

میرے قدم بے اختیار دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گئے شاید میرے لاشعور میں بھی نشہ انگیز خواہشات کا طوفان امنڈ رہا تھا۔ ایک خوابناک سا چہرہ اپنی تمام فسوں کاریوں کے ساتھ میرے تصور میں لہرا گیا۔ بوڑھے کیپٹن کے علاوہ یہی ایک نسوانی چہرہ ایسا تھا جو کئی مرتبہ میرے تصور میں آ چکا تھا۔ یقیناً اس کا تعلق میرے ماضی سے ہوگا۔ اس چہرے کو دیکھ کر میرے جذبات کی آگ کچھ اور سوا ہو جاتی تھی۔ اعصاب پر نشہ سا چھانے لگتا تھا اور تصور کے پردے پر، شفق کے پیش منظر میں پریاں سی ناچتی نظر آنے لگتی تھیں دہکتے ہوئے شباب سے بھر پور جوانیاں!

میرے پیچھے پیچھے وہ خوابگاہ میں داخل ہوئی اور پھر مجھ سے آگے بڑھ کر سیدھی بستر پر جا گری۔ اس کی ایک ایک ادا میں دعوت پنہاں تھی۔ ایسی بیباک لڑکیاں میری زندگی میں شاذ ہی آئی ہوں گی۔

میں اس کی دعوت پر لبیک کہنے سے قبل اس کمرے میں اس کی موجودگی کا راز جاننا چاہتا تھا اس لیے میں بستر کے قریب بھی نہیں گیا اور ایک آرام کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''ہاں اب بتاؤ! تم اس کمرے میں کیسے آئیں جبکہ دروازہ مقفل تھا۔''

''پہلے تم یہ بتاؤ کہ اتنے دن تک غائب رہے اور تمہارے ساتھ کیا کیا واقعات پیش آئے۔''

یہ میرے سوال کا جواب نہیں تھا اس لیے میں خاموش رہا۔

لڑکی پھر بولی۔ ''اخبارات کا میں بہت غور سے مطالعہ کرتی ہوں اس لیے مجھے معلوم ہے کہ تم ایک کار کے حادثے میں زخمی ہو کر ہسپتال پہنچے تھے۔ وہاں کسی نے تمہیں ہلاک کرنے کے لیے ڈیڈ بم استعمال کیا تھا۔ پھر تم ہسپتال سے بھاگ نکلے تھے اور تم نے زنجن پور کی راہ لی تھی۔''

میں چونک پڑا کیونکہ اخبارات میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ میں نے زنجن پور کا رخ کیا تھا۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں زنجن پور گیا تھا؟'' میں نے تیزی سے پوچھا۔

لڑکی اچانک بستر پر اوندھی ہو کر لیٹ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی جسم میں بجلیاں بھری ہوئی ہوں۔ اس کا چہرہ میری طرف تھا۔ اس نے کہنیاں بستر پر ٹکا کر ہتھیلیاں اپنی تھوڑی کے نیچے رکھ لی تھیں۔ اس انداز میں لیٹنے کے باعث اس کی بنیان کا گلا کچھ لٹک گیا تھا اور اس کے کھلے ہوئے حصے سے گردن کے نیچے کا حصہ صاف نظر آنے لگا تھا۔ وہ جسمانی خطوط، وہ گدارئے ہوئے ہلال دیکھ کر میری آنکھوں میں انگارے سے دہکنے لگے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے حلق میں کوئی کانٹا ٹوٹ گیا ہو۔ اس تیز و طرار لڑکی نے شاید میرے جذبات کی بڑھتی ہوئی تپش کو میرے چہرے پر محسوس کر لیا تھا اس لیے اب وہ کچھ ایسے انداز میں مسکرا رہی تھی جیسے سمجھ رہی ہو کہ

عنقریب مجھ پر فتح پالے گی۔

''یہ کوئی ایسا الجھا ہوا مسئلہ نہیں تھا'' وہ میرے سوال کے جواب میں بولی۔ ''میں نے اخبارات میں یہ بھی پڑھا تھا کہ زنجن پور کے راجہ شمشیر سنگھ نے ہسپتال پہنچ کر تمہارے بارے میں چھان بین کی تھی۔ وہ وہاں ایک فرضی داستان سنا کر بھاگ لیے تھے لیکن میں اتنی بدھو نہیں ہوں کہ اس پر یقین کر لیتی۔ میں سمجھ گئی کہ تم نے ضرور کسی نہ کسی وجہ سے راجہ شمشیر سنگھ تک رسائی حاصل کی ہوگی میرے اس خیال کو تقویت اس دھماکے سے پہنچی جو راج محل میں ہوا تھا اور جس کی خبر آج کے اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔ میں نے قیاس کیا کہ وہ دھماکہ بھی تمہارے ہی لیے ہوگا۔ میں نے سوچا کہ اب تم وہاں بھی نہیں رکو گے اور شاید یہیں واپس لوٹو۔''

''میں اس دھماکے سے مر بھی تو سکتا تھا تم نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ میں مر گیا ہوں گا۔''

''اخبارات میں صرف ایک لڑکی کے مرنے کی خبر تھی۔''

میں ابھی اس نکتے پر لڑکی سے بحث جاری رکھ سکتا تھا لیکن میرا ذہن اس پریشانی میں الجھ گیا کہ جب اس لڑکی نے اخبارات میں میری تصویر دیکھ کر مجھے پہچان لیا تھا تو یقیناً ہوٹل کے منتظمین بھی بے خبر نہیں ہوں گے۔ ہوٹل کے اس ریسپشنسٹ نے بھی مجھے پہچان لیا ہوگا اور عین ممکن ہے کہ وہ پولیس کو میری واپسی کے بارے میں اطلاع دے چکا ہو۔ ایسی صورت میں پولیس کو لازماً یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ ممکن ہے وہ پہنچنے ہی والی ہو۔

''کہاں کھو گئے تم؟'' لڑکی اٹھلا کر بولی۔

''آں!'' میں چونک پڑا اور پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ''تم نے ابھی تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ اس کمرے میں کیسے آئی ہو۔؟''

''لیکن ابھی تم کچھ اور سوچ رہے تھے۔''

''کیا مطلب؟''

''تمہیں پولیس کی آمد کا دھڑکا لگا ہوا ہے اور یہ دھڑکہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں ہے۔ یوں سمجھ لو کہ پولیس اب پہنچنے ہی والی ہے۔''

میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ یہ خیال میرے ذہن میں بڑی تیزی سے ابھرا تھا کہ شاید یہ لڑکی پولیس کی جاسوس ہو مجھے باتوں میں الجھائے رکھنے سے اس کا مقصد یہ ہوگا کہ اتنی دیر میں پولیس پہنچ جائے۔

''ارے ارے! کیا ہوا؟'' وہ بھی جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

''غلط نہ سمجھو! پولیس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

میں حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ حرافہ، حسین ہونے کے ساتھ ساتھ بلا کی ذہین بھی تھی۔ اس نے میرے چہرے سے پڑھ لیا تھا کہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔

اسی وقت بیرونی دروازے پر دستک سنائی دی اور میں اچھل پڑا۔

''پولیس۔''لڑکی میری طرف دیکھتے ہوئے عجیب انداز میں مسکرائی۔

میں ہونٹ بھینچ کر اسے گھورنے لگا۔

لحاتی وقفے کے بعد دستک پھر سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی چیخ کر کہا گیا۔

''قانون کے نام پر دروازہ کھول!'' یہ آواز میرے لیے جانی پہچانی تھی۔

''انسپکٹر جوگیندر!''لڑکی میری طرف دیکھتی ہوئی پہلے ہی کے سے انداز میں مسکرائی۔

''لیکن میں گرفتار ہونے سے پہلے تم کو تمہاری چالبازی کی سزا ضرور دوں گا۔''میں نے غراتے ہوئے کہا۔

اسی وقت جوگیندر کی آواز پھر سنائی دی۔''اگر تم نے دروازہ نہ کھولا تو میں اسے توڑ دوں گا۔''

لیکن میں جانتا تھا کہ دروازہ توڑنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ ہوٹل کا کوئی نہ کوئی کارندہ ''ماسٹر کی'' سے دروازہ کھول دیتا۔عین ممکن تھا کہ کسی شخص کو''ماسٹر کی'' لینے کے لیے منیجر کے کمرے کی طرف دوڑا دیا گیا ہو۔

مجھے اس حسین ناگن پر بڑے زور کا غصہ آرہا تھا۔ میں نے جھپٹ کر اسے گردن سے پکڑ لینا چاہا مگر وہ بلا کی پھرتیلی بھی تھی۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے اس قسم کے حالات سے نپٹنے کے لیے باقاعدہ تربیت حاصل کی ہو۔وہ مجھ سے چند فٹ دور کھڑی تھی اور اب اس کا چہرہ سنجیدہ نظر آرہا تھا۔

''بے وقوفی کی حرکتیں نہ کرو!'' وہ بولی۔''میں تم کو پولیس سے بچاسکتی ہوں۔''

میں اب اس کے کسی جال میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا اور اس کو سزا دینے کے چکر میں خطرات میرے سر پر پہنچ سکتے تھے اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے کسی طرح یہاں سے بھاگنے کی فکر کرنا چاہیے۔ میں ایکدم گیلری کی طرف جھپٹا۔ مجھے خیال آیا تھا کہ بعض ہوٹلوں کی گیلریوں میں گول زینے بھی بنا دیے جاتے ہیں تاکہ آگ لگنے کی صورت میں یا کسی دوسری قسم کے خطرے کے موقعے پر اس طرف سے نکلا جاسکے۔

میرا خیال درست ثابت ہوا۔گیلری میں آہنی گول سیڑھی کا دروازہ موجود تھا۔اسے کھولنے کے لیے میں نے کنڈی کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ پیچھے سے لڑکی نے میرا دوسرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کھینچا۔

''میرا خیال تھا کہ تم بے حد ذہین ثابت ہوگے لیکن تم حماقت پر حماقت کیے جارہے ہو۔'' وہ بولی۔ ''کیا تم پولیس کو اتنا ہی احمق سمجھتے ہو کہ اس نے عقبی راستے کو نظر انداز کر دیا ہوگا؟ زینے کے اختتام پر تمہیں کم از کم دو کانسٹبل ضرور ملیں گے۔''

لڑکی کی یہ بات وزن رکھتی تھی۔ میں الجھن میں پڑ گیا۔کوئی فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ یہ لڑکی میرے لیے ایک معمہ بنتی جارہی تھی۔

''ادھر آؤ...... میرے ساتھ...... غسل خانے میں۔''لڑکی نے مجھے گھسیٹنا چاہا۔

غسل خانے کا نام آتے ہی مجھے خیال آیا کہ ادھر سے فرار ہونا ممکنات میں سے تو ہے۔ اکثر ہوٹلوں میں دو کمروں کے لیے ایک مشترکہ غسل خانہ ہوتا ہے اور چونکہ برابر والا کمرہ اس لڑکی کا تھا اس لیے یہ بات سوچی جاسکتی تھی کہ وہ خود بھی اسی راستے سے میرے کمرے میں آئی ہوگی۔

میں نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور وہ مجھے گھسیٹتی ہوئی غسل خانے میں لیے چلی گئی۔ دوسری طرف کی دیوار یں واقعی ایک اور دروازہ موجود تھا۔ جولڑکی کے ہاتھ کا دباؤ پڑتے ہی دوسری طرف کھلتا چلا گیا۔

لڑکی مجھے اس طرف لیجاتی ہوئی بولی۔''یہ دروازہ اس طرف سے لکڑی کی مضبوط پٹیاں لگا کر بند کر دیا گیا تھا۔''

لڑکی کی بات صداقت پر مبنی تھی۔ مجھے اس طرف لکڑی کی پٹیاں ایک طرف رکھی نظر آئیں جن کو اسکریو سے کھول کر بڑی خوبصورتی سے الگ کرلیا گیا تھا۔ اب اس چلتا پرزہ قسم کی لڑکی نے جلدی جلدی وہ پٹیاں پھر اسی جگہ لگا دیں جہاں سے انہیں اکھاڑا گیا تھا۔

''اب تم محفوظ ہو۔'' وہ کہتی ہوئی بڑی تیزی سے میری طرف مڑی اور میں جھجک کر رہ گیا کیونکہ اس کا سینہ میرے سینے سے ٹکرا گیا تھا۔ ایک برقی رو میرے سارے جسم میں دوڑتی چلی گئی۔ دوسرے ہی لمحے لڑکی نے ایک ایسی حرکت کی کہ میرا تمام جسم مسلسل جھنجنانے لگا۔ برقی روئیں سر سے پیر تک اور پیر سے سر تک دوڑنے لگیں۔ وہ مجھ سے لپٹ پڑی تھی۔ اب میرے صبر وضبط کا دامن بھی تار تار ہو گیا۔ میں نے فوراً اسے اپنے دونوں ہاتھوں پر اُٹھالیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ میری گردن میں ڈال دیے اور اپنے سلگتے ہوئے ابھرے سے ہونٹ میرے ہونٹوں میں پیوست کر دیے۔ اس کا جسم میرے بازوؤں میں چکنی مچھلی کی طرح پھسل رہا تھا۔ میں اسے اُٹھائے ہوئے بستر کی طرف بڑھا۔ اس وقت سارے خطرات، ساری پریشانیاں، دھواں بن کر میرے ذہن سے اڑ چکی تھیں۔

''انسپکٹر جوگیندر اور پولیس میرے لیے ایک بے معنی سی بات بن چکی تھی۔

''تمہارا نام کیا ہے خوبصورت فتنے!''میں نے سرگوشی سی کی۔

''سلویا۔''اس نے بھی جذبات سے بوجھل سرگوشی کی۔

ہم دونوں کے بوجھل جذبات رنگ پر آچکے تھے۔ شوخ رنگوں کی برسات ہو رہی تھی۔ ہم اس برسات میں بھیگتے چلے گئے۔ ہمارے ایک ایک مسام پر جیسے پھواریں پڑ رہی تھیں۔ سلویا کی بیباکی اور سرکشی اس طوفان رنگ ونور کو تیز سے تیز تر کرتی چلی گئی۔ ہم کیف و انبساط کی لہروں پر تیرتے چلے گئے۔ ان متموج لہروں سے کھیلنا میری عادت تھی لیکن میں ابنارمل نہیں تھا۔ شور مچاتی ہوئی لہروں نے آخر مجھے نڈھال کر دیا لیکن سلویا اب بھی پہلے ہی کی طرح بیتاب اور پر جوش تھی وہ اب بھی ان لمحات کی لذتوں کو نچوڑنے پر آمادہ تھی۔ اسکا انداز قبل از تاریخ کی وحشی عورتوں کا سا تھا۔ اتنی ابنارمل عورت میری زندگی میں کبھی نہیں داخل ہوئی۔ میں بہر طور اسکا ساتھ دینے سے قاصر تھا لیکن وہ مجھ سے کھیلتی رہی۔ مجھے جھنجھوڑتی رہی اور آخر کار میں پھر اس طوفان میں ہاتھ پاؤں پھینکنے لگا۔ ایک بار پھر ان سرکش لہروں سے ٹکرانے لگا۔ سلویا کا جسم پسینے پسینے ہو چکا تھا اور اب اسکے بدن سے ایک عجیب سے مہک اُٹھ رہی تھی جس نے میرے جذبات کو مہمیز کیا تھا۔

طوفان کا دورِ ثانی بھی گزر گیا۔ اب سلویا بھی کیف وانبساط کی ان لہروں پر تیرتے تیرتے تھک چکی تھی۔

اچانک بیرونی دروازے پر دستک سنائی اور پھر انسپکٹر جوگیندر کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ ''دروازہ کھولیے!''

مجھے اب یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا جسم ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گیا ہو لیکن جوگیندر کی آواز پہچانتے ہی میرے جس میں جیسے بجلیاں دوڑنے لگیں۔ میں نے بڑی تیزی سے اُٹھنا چاہا لیکن سلویا نے مجھے روک دیا۔

''لیٹے رہو...... تمہیں اٹھنے کی ضرورت نہیں ہیں اس الو کے پٹھے سے نپٹ لوں گی۔''

سلویا بڑے جھلائے ہوئے انداز میں بستر سے نکلی تھی۔ یہ دخل اندازی سے بری طرح کھل گئی تھی۔ اس وقت اس نے لباس کا منت کش ہونا غیر ضروری سمجھا اور ایک چادر سے اپنے جسم کو کچھ دکھاتی کچھ چھپاتی ہوئی سٹنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ میں دوسری چادر اوڑھے بستر پر لیٹا رہا لیکن یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ مجھ سے غلطی تو نہیں ہوئی ہے۔ میں اب بھی سلویا پر اعتماد کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔

بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور پھر میں جوگیندر کو کہتے سننا۔

''معاف کیجیے گا مادام! ہمیں شبہ ہے کہ ایک مفرور ملزم......''

لیکن سلویا نے اس کا فقرہ پورا نہیں ہونے دیا۔ اس نے ''مادام'' کو ایک گندی سی گالی دی اور پھر مفرور ملزم کی ماں بہنوں کی شان میں کچھ قصیدے جڑ دیے۔ اس وقت مجھے یہ گالیاں بری نہیں لگیں اور میں دل ہی دل میں ہنس دیا۔ اس لڑکی کی بیبا کی پر عش عش کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا تھا۔

''تم لوگ کسی تھکے ماندے جسم کو آرام بھی نہیں کرنے دیتے۔'' سلویا نے کہا۔ ''جاؤ! بھاگ جاؤ! مجھے پریشان نہ کرو۔''

میں بیساختہ مسکرا دیا مجھے یقین تھا کہ سلویا نے پہلا فقرہ کہتے ہوئے اپنے تھکے ماندے جسم کی ایک آدھ جھلک جوگیندر کو بھی دکھائی ہوگی کیونکہ جب جوگیندر بولا تو اس کی آواز میں خفیف سی لرزش تھی۔

''معاف کیجیے گا مس......! ہم صرف ایک نظر غسل خانے کے اس دروازے کو دیکھنا چاہتے ہیں جسے آپ کی طرف سے لکڑیاں لگا کر بند کر دیا گیا ہے۔''

''ضرور دیکھو لیکن میں اس وقت آرام کر رہی ہوں اور آرام کرتے وقت مجھے کسی بھی قسم کا کپڑا اپنے جسم پر رکھتے ہوئے الجھن ہوتی ہے۔ اگر تمہیں میرے آرام کرنے کے اس انداز پر اعتراض نہ ہو تو اندر آ جاؤ۔!''

میں نے سلویا کے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ خوابگاہ کی طرف لوٹ رہی تھی۔ میں اس کی دیدہ دلیری پر عش عش کیے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ اب جوگیندر خوابگاہ میں آنے کی ہمت کرے گا۔ میرا خیال درست ثابت ہوا...... جوگیندر کی آواز سنائی۔

''دس...... سنیے مس!...... شکریہ!...... آپ تو مطمئن ہیں نا کہ کوئی اس طرف سے آپ کے کمرے میں داخل نہیں ہوا؟''

''میں تین گھنٹے سے بستر پر ہوں اور اس دوران میں کوئی ادھر نہیں آیا۔ ویسے بھی اس راستے پر لکڑی کی پٹیاں لگی ہوئی ہیں۔''

''اگر آپ مطمئن ہیں تو پھر ہمیں اندر آکر دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں شکریہ...... ! آپ دروازہ بند کر لیجیے۔!''

سلویا کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔شاید وہ پولیس کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔اس نے بڑی پرشور آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا اور میں نے اطمینان کی سانس لی۔سلویا نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ جوگیندر کو بے وقوف بنا دیا تھا لیکن میری یہ الجھن بدستور قائم تھی کہ آخر یہ لڑکی ہے کون؟ یہ میری ذات میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہے؟ اس کا سبب محض یہ تو نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ میرے وجود سے اپنی تشنہ لبی کو سیراب کرنا چاہتی ہو۔!

وہ ہنستی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے کارنامے پر کوئی تبصرہ کرتی میں نے اس سے کہا۔

''اب مجھے شدید بھوک لگ رہی ہے کیا تم میرے لیے کھانے کا بندوبست کرسکتی ہو۔''

''بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے لیکن میں نے دو آدمیوں کے لیے کھانا منگوایا تو ہوٹل والے شبہات کا شکار ہوسکتے ہیں بہتر ہوگا کہ میں کھانے کے لیے اتنا ہی منگواؤں جتنا ایک آدمی کے لیے کافی ہوسکتا ہے۔''

''پھر تم کیا کرو گی؟''

''میں باہر جا کر کھالوں گی۔''

وہ ایک معقول قسم کا لباس پہن کر کھانے کا بندوبست کرنے چلی گئی۔میں نے بستر چھوڑ دیا اور کپڑے پہن کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''دوپہر ڈھل چکی تھی۔سہ پہر کا آغاز ہونے والا تھا۔گویا اب مجھے چار گھنٹے اور گزارنا تھے۔اس کے بعد میں پھر ہوائی اڈے کا رخ کرتا۔وہیں کے ایک ریسٹورنٹ میں بلونت سے ملاقات ہونا طے پایا تھا۔

لیکن اس وقت میرے ذہن میں بلونت کا خیال تھا نہ ہوائی اڈے کا! میں صرف سلویا کے بارے میں سوچ رہا تھا اس کے خوبصورت بدن کے بارے میں نہیں بلکہ اس کی پراسرار شخصیت کے بارے میں وہ کون تھی؟ کہاں سے آئی تھی اور مجھ سے اس مڈبھیڑ کا مقصد کیا تھا؟ یہ سوالات میرے ذہن میں چکرا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ کھانے کے ساتھ لوٹی۔سروس بوائے کھانے کی ٹرے سٹنگ روم میں رکھ کر چلا گیا تو سلویا نے مجھے آواز دی۔میں ننگے پیر دوسرے کمرے میں پہنچ گیا۔میں نے ابھی جوتے نہیں پہنے تھے۔

وہ چپ چاپ بیٹھی رہی اور میں کھانے میں مصروف ہوگیا۔کھانے کے بعد میں نے چائے بنائی اور اس وقت وہ بولی۔

''تم نے ہسپتال میں اپنا نام اپالو کیوں رکھ لیا تھا؟''

''اس لیے کہ مجھے اس وقت اپنا کوئی نام بھی نہیں معلوم تھا۔''

''کیا مطلب!'' وہ قدرے استعجاب میں بولی۔''تو کیا واقعی تم اپنی یادداشت گم کر چکے ہو؟''

''اگر تم نے اس حادثے میں اپنا ماضی فراموش کر دیا تھا تو پھر اس ہوٹل تک کیسے آ گئے؟''

''مجھے زنجن پوری میں اپنے متعلق کچھ باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ انہی میں سے ایک بات یہ تھی کہ میرا نام پرتاب سنگھ ہے لیکن مجھے اس نام پر بھی یقین نہیں۔ شاید میرا اصل نام ارسلان ہو۔''

بوڑھے کیشپ نے مجھے اسی نام سے مخاطب کیا تھا اور میری انگوٹھی پر بنے ہوئے ''اے'' سے بھی اس کی گواہی ملتی تھی' تاہم مجھے مکمل یقین نہیں تھا کہ میرا نام یہی ہوگا۔ ممکن ہے کہ یہ بھی فرضی ہی ثابت ہوتا۔

سلویا اچانک کسی سوچ میں پڑ گئی تھی۔ وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ ''تمہاری مردانہ جاہت نے مجھے اتنا متاثر کیا ہے کہ میں کچھ لاپرواہ ہو گئی تھی پہلے مجھے اس بات کا اطمینان کر لینا چاہیے تھا کہ تم وہی شخص ہو جس کی مجھے تلاش تھی۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے چونکتے ہوئے کہا۔

''مطلب ابھی سامنے آ جائے گا۔ ذرا اپنا دایاں پیر اوپر اُٹھاؤ!'' سلویا نے کہا اور پھر انتظار کیے بغیر خود ہی جھک کر میری دائیں ٹانگ پکڑ لی اور اسے اوپر اٹھایا۔ چائے کی پیالی جو میرے ہاتھ میں تھی گرتے گرتے بچی۔......!

''ارے ارے یہ تم کیا کر رہی ہو!'' میں جلدی سے چائے کی پیالی تپائی پر رکھ دی۔

سلویا نے میرے احتجاج کو نظر انداز کر دیا اور میرے تلوے کو روشنی کی طرف کر کے غور سے دیکھنے لگی۔ میری پوزیشن اس وقت بڑی مضحکہ خیز تھی۔

''ارے چھوڑو میری ٹانگ۔'' میں نے جھینپ کر کہا۔

اس نے فوراً میری ٹانگ چھوڑ دی اور مجھے پھر ایک جھٹکا لگا۔

''اب میں تمہیں بہت کچھ بتا سکوں گی۔'' سلیویا نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''تم وہی شخص ہو جس کی تلاش میں مجھے یہاں بھیجا گیا تھا۔ میرا تعلق برٹش انٹیلی جنس سے ہے۔ ایک ہفتے پہلے مجھے لندن میں یہ کام سونپا گیا تھا کہ میں اس شہر میں پہنچ کر تمہیں تلاش کروں اور کسی بھی طرح یہاں سے لندن لے جاؤں جہاں ملکہ اور ان کے شوہر ذاتی طور پر تم سے ملاقات کے متمنی ہیں۔''

''اوہ!'' میرے منہ سے بمشکل نکل سکا حیرت سے میری آنکھیں پھیل گئی تھیں اور اپنی شخصیت کے اس بڑھتے ہوئے اسرار سے ذہن چکرا کر رہ گیا تھا۔ بھلا الزبیتھ اور فلپ کو مجھ سے ملاقات کرنے کی کیا پڑی تھی؟

اچانک مجھے ایک ایسی بات کا احساس ہوا کہ میں دم بخود رہ گیا۔ میں ملکہ اور اس کے شوہر کے متعلق ان کے پہلے ناموں کے توسط سے سوچ رہا تھا جیسے میں انہیں ان کے تعظیمی ناموں کے بجائے انہی ناموں سے پکارتا رہا ہوں۔ کیا میں واقعی اپنے ماضی میں ان سے اتنا بے تکلف رہا تھا کہ انہیں ان کے القابات سے پکارنے کی بجائے ان کے ناموں سے مخاطب کروں۔؟

''کہاں کھو گئے؟'' سلویا کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا۔ ''سوچ رہا تھا کہ تمہاری ملکہ اور ان کے شوہر کو مجھ سے ملاقات کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔''

''ہوسکتا ہے تم ان کے دوستوں میں سے ہو!''

''کیا وہ اپنے دوستوں کی تلاش میں برٹش انٹیلی جنس کو بھی استعمال کر سکتے ہیں۔؟''

''یہ بات واقعی سمجھ میں آنے والی نہیں ہے ممکن ہے تمہاری تلاش کا کچھ اور سبب بھی ہو۔ اب تم یہ بتاؤ کہ لندن چلنے پر آمادہ ہو یا نہیں؟ اگر تم واقعی اپنی یادداشت کھو چکے ہو ظاہر ہے وہاں پہنچ کر تمہیں اپنے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔''

''کیا تمہیں میرا نام نہیں بتایا گیا تھا۔؟''

''نہیں صرف تفصیلی حلیہ بتایا گیا تھا۔ اس بات کا یقین دلایا گیا تھا کہ تم یہاں کے کسی فرسٹ کلاس ہوٹل میں مقیم ہو گے۔ تمہاری خاص شناخت وہ بتائی گئی تھی جو تمہارے دائیں پیر کے تلوے پر ہے۔''

''کیسی نشانی؟'' میں ایک بار پھر چونک پڑا۔

سلویا نے مجھے حیرت سے دیکھا اور بولی۔ ''کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے دائیں پیر کے تلوے پر کیا گدا ہوا ہے۔؟''

میں نے اپنی دائیں ٹانگ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھ کر تلوے کی طرف دیکھا۔ وہاں واقعی ایک عجیب سی شے بنی ہوئی تھی۔ سفید جلد پر سیاہ اور سرخ لکیروں سے کسی جانور کی شبیہ کو ابھارا گیا تھا۔ اسے اتفاق ہی کہیں گے کہ یادداشت کھونے کے بعد سے اب تک میری نظر داہنے پیر کے تلوے پر نہیں پڑی تھی۔

''یہ کیا ہے!'' میں بڑبڑایا۔

''تین سروں والا شیر۔'' سلویا بولی۔ ''اور یہ شاید بچپن ہی میں تمہارے تلوے پر گودا گیا ہوگا۔
''مگر اس قسم کے نشانات تلووں پر تو نہیں گودے جاتے۔''
''میرا بھی یہی خیال ہے۔''

آخر میں کون ہوں؟ کون ہوں؟ یہ سوال میرے ذہن پر ضربات سی لگانے لگا۔ ہر گزرنے والا دن میری شخصیت کے اسرار بڑھاتا چلا جارہا تھا مجھے یہ خوف محسوس ہوا کہ یہ بڑھتی ہوئی الجھنیں مجھے پاگل نہ کردیں!

''کہیں یہ تمہارا خاندانی نشان تو نہیں!'' سلویا بولی ''کاش مجھے یہ سب کچھ یاد آسکتا!'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

سلویا کچھ سوچنے لگی۔

''اچھا! میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''اب میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔ میرا جسم بری طرح ٹوٹ رہا ہے۔ کھانا کھانے سے کسلمندی کچھ اور بڑھ گئی ہے۔ تم اس دوران میں کھانا کھا آؤ۔ اور ہاں! اگر تم میرا ایک کام کرسکو تو شکرگزار ہوں گا۔ میرے پاس معقول لباس نہیں ہے۔ اگر تم اس کا بندوبست کرسکو تو میں تمہیں کچھ رقم دے دوں۔''

''رقم کی ضرورت نہیں۔ میں بندوبست کرلوں گی۔''

میں اب اتنی زیادہ تھکن محسوس کرنے لگا تھا کہ اس مسئلے پر زیادہ گفتگو کرنا مجھے گراں گزر رہا تھا میں پھر اندرونی کمرے میں چلا گیا اور بستر پر ڈھیر ہوگیا۔ آنکھیں جیسے خود بخود بند ہوتی جارہی تھیں۔ گزشتہ رات سے اب تک مجھے چند منٹ کی نیند بھی میسر نہیں آئی تھی اور گزشتہ سے پیوستہ رات کو بھی نرنجن پور جاتے ہوئے ٹرین میں بس اونگھنے ہی کا موقع ملا تھا، نینداس لیے نہیں آئی تھی کہ ذہن میں اپنی ذات سے متعلق بے شمار سوالات چکرا رہے تھے۔

میں لیٹتے ہی سو گیا...... اور جب میری آنکھ کھلی تو سامنے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی سات بجکر دس منٹ اعلان کررہی تھی میں جلدی سے آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔ قریب ہی سلویا ایک آرام کرسی پر نیم دراز ایک انگریزی رسالے کی ورق گردانی کررہی تھی۔ وہ مجھے اٹھتا دیکھ کر جلدی سے سیدھی ہوگئی اور بولی۔

''میں تمہارے لیے سلا سلایا لباس خرید لائی ہوں ذرا پہن کر دیکھو کہ تمہارے جسمانی ناپ کے بارے میں میرے اندازے درست تھے یا نہیں!

میں سیدھا غسلخانے میں جا گھسا اور نہا کر تازہ دم ہوگیا سلویا میرے لیے جو لباس خرید کر لائی تھی وہ میری ناپ کے عین مطابق تو نہیں لیکن کچھ ایسا نامناسب بھی نہیں تھا۔

سلویا نے مجھے تعریفی نظروں سے دیکھا اور پھر بولی: ''اس لباس میں تو تم واقعی پرنس معلوم ہونے لگے۔''

''ملاقات ہونے پر بھی تم نے مجھے سب سے پہلے پرنس ہی کہہ کر مخاطب کیا تھا اور اب پھر تمہاری زبان سے یہ لفظ سن کر کیا میں یہ

سوال کرنے میں حق بجانب نہیں ہوں گا کہ تم مجھے پرنس کیوں کہہ رہی ہو؟''

''تمہاری شخصیت کسی ریاست کے پرنس ہی کی طرح باوقار جاذب اور دل نشیں ہے۔'' سلویا نے مسکراتے ہوئے کہا۔'' پھر میں یہ بھی سوچتی ہوں کہ ہر میجسٹی اوران کے عزت مآب شوہر جس شخصیت میں گہری دلچسپی لے رہے ہوں وہ یقیناً کوئی معمولی ہستی نہیں ہوسکتی۔''

''تو یوں سوچ رہی ہو تم؟'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

لیکن سلویا میری بات کا جواب دینے کی بجائے بولی۔'' باہر چلنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''کیا مطلب!''

''کچھ تفریح کی جائے۔''

''نہیں میرا تفریح کا کوئی موڈ نہیں ہے مجھے ایک کام سے جانا ہے۔ میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ تم میرے ساتھ نہیں ہوگی۔''

''تم بھول رہے ہو کہ میرا کام تمہیں تلاش کر کے اپنے ساتھ لندن لے جانا ہے میرے اس کام کا پہلا حصہ مکمل ہو چکا ہے اور دوسرا حصہ باقی ہے پھر ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں!

''تو کیا تم مجھے زبردستی لندن لے جاؤ گی!'' میں ہنس پڑا۔

''نہیں۔'' سلویا نے ایک طویل سانس لی۔'' تمہارے ساتھ کسی قسم کی زبردستی کرنے کے احکامات نہیں ہیں مجھ سے کہا گیا تھا میں تمہیں لندن چلنے پر آمادہ کروں اور اگر مجھے اس مقصد میں کامیابی نہ ہوسکے تو سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگی رہوں''

''کیوں پیچھے کیوں لگی رہو؟''

''شریر بچوں کو حفاظت کرنے والے فرشتوں کی ضرورت ہوتی ہے نا!'' سلونا نے شوخی سے کہا اور ہنس پڑی۔

میں نے ہنسی میں اس کا ساتھ نہیں دیا اور سنجیدگی سے بولا۔'' تم ہوٹل سے باہر تو جاچکی ہو یہ بتاؤ کہ اب تو پولیس ہوٹل میں نہیں ہے۔؟''

''ہال میں سادہ لباس والے دو تین آدمی موجود ہیں۔ ایک کانسٹبل تمہارے کمروں کے دروازے پر متعین ہے اور مجھے یقین ہے کہ دو چار کانسٹبلوں کو عقبی زینوں کی نگرانی پر مقرر کیا گیا ہوگا۔ شاید جوگیندر کو یقین ہے کہ تم ابھی تک ہوٹل ہی میں کسی جگہ چھپے ہوئے ہو۔''

''میں دوبارہ اپنے کمرے میں جانا چاہتا ہوں جوگیندر نے وہاں تو کسی کانسٹبل کو نہیں بٹھا رکھا ہوگا؟''

''شاید نہیں......مگر تم وہاں کیوں جانا چاہتے ہو!''

''میں اپنے سامان کی تلاشی لوں گا۔ ممکن ہے اس میں سے مجھے کوئی ایسی شے مل جائے جس سے مجھے اپنی شخصیت کا سراغ مل سکے۔''

''تمہارا سامان اب پولیس کی تحویل میں ہے لیکن میں نے اس سے پہلے ہی تمہارے سامان کی تلاشی لے لی تھی مجھے کوئی ایسی چیز

نہیں مل سکی جو تمہیں پرتاب سنگھ کے علاوہ کچھ اور ثابت کر سکے۔''

''ہوں۔'' میں چند لمحے کچھ سوچتا رہا اور پھر مسکرا کر بولا۔

''لیکن ہوٹل چھوڑنے سے پہلے اگر تم میرے لیے کھانے کا بندوبست کر دو تو......''

''فی الحال یہ مناسب نہیں ہے کہ تم ہوٹل سے نکلو میں بتا چکی ہوں کہ ہوٹل کی کڑی نگرانی کی جا رہی ہے۔''

''خیر خیر......اس مسئلے پر میں کھانے کے دوران میں گفتگو کروں گا۔ تم میرے لیے کھانے کا بندوبست کرو۔''

''اچھا......لیکن تم اس وقت تک سٹنگ روم میں نہ آنا جب تک میں آواز نہ دوں۔''

''ٹھیک ہے۔''

سلویا چلی گئی لیکن میرا ارادہ کھانا کھانے کا ہرگز نہیں تھا۔ کھانا تو مجھے بلونت کے ساتھ کھانا تھا جیسے ہی بیرونی دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی میں لپک کر بالکونی میں پہنچ گیا۔ عقبی گول زینے کا دروازہ توقع کے مطابق اسی طرف سے بند تھا۔ میں نے اسے کھول اور تیزی سے آہنی زینے سے اترتا چلا گیا۔ پھر میں نے آخری زینے پر سے قدم نیچے رکھا ہی تھا کہ ایک کرخت آواز سن کر چونک پڑا۔

''رک جاؤ! کون ہے؟''

میں فوراً سمجھ گیا کہ یہ ان سنتریوں میں سے ایک ہے جن کو سلویا کے بیان کے مطابق جوگیندر نے عقبی زینوں کی نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔

میں رک گیا۔

''اِدھر ڈیئر۔!'' سنتری مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا تھا۔ شاید احتیاطاً! میں اس کی طرف گھوما تو اس نے ٹارچ کی روشنی میرے چہرے پر پھینکی اور پھر فوراً ہی بجھا بھی دی۔ غالباً وہ مجھے پہچان گیا ہوگا۔ کوئی لمحہ جاتا تھا کہ وہ سیٹی بجا کر اپنے ساتھیوں کو بلا لیتا اور مجھے گرفتار کر لیا جاتا۔ میں میں ایک خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہو چکا تھا۔ میرا ذہن بڑی تیزی سے کوئی ایسی تدبیر سوچنے کی کوشش کرنے لگا جو اس پریشان کن صورتحال سے گلوخلاصی کرا سکتی۔ مجھے اپنی آنکھوں کی اس پراسرار قوت کا خیال آیا جسے میں زرداد بیگ پر آزمایا تھا مگر یہاں ایک دشواری یہ تھی کہ اندھیرا تھا۔ تاریکی میں سنتری کو میری آنکھیں دکھائی نہیں دے سکتی تھیں اس لیے مجھے اس پہلو پر بھی غور کرنا پڑا کہ سنتری میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بغیر مسحور ہو سکے گا یا نہیں؟......اس سوال پر غور کرتے ہوئے مجھے کیلنڈر کا خیال آیا۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک بے جان چیز تھی میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن پھر بھی میری پراسرار قوت نے اسے دیوار سے گرا دیا تھا۔

یہ سارے خیالات تین یا چار سیکنڈ کے اندر اندر میرے ذہن میں چکرا گئے تھے اور پانچواں سیکنڈ گزرنے سے پہلے میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ مجھے اپنی اس قوت کا آزمانا ضرور چاہیے' خواہ کامیابی ہو یا نہ ہو۔''

میں نے پوری یکسوئی سے سنتری کی طرف دیکھتے ہوئے اسے اٹنشن ہونے کا حکم دیا۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ نتیجے کا منتظر تھا۔ اس لمحے میری رگ رگ میں مسرت کی لہریں دوڑ گئیں جب میں نے اندھیرے میں سنتری کی ایڑیاں بجنے کی آواز سنی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اس بات کا بھی یقین ہو گیا کہ میری اس قوت کا تعلق محض میری آنکھوں سے نہیں بلکہ میرے ذہن سے تھا۔ آنکھیں تو شاید قوت کے استعمال کا بس ایک ذریعہ تھیں۔

میں نے سرگوشی کرنے والے انداز میں کانسٹیبل کو حکم دیا۔ ''تم بالکل بھول جاؤ گے کہ تم نے مجھے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ ایک منٹ تک اسی جگہ کھڑے رہو اور اس کے بعد دوبارہ پہرہ دینا شروع کر دو سمجھ گئے؟''

''ہاں۔'' کانسٹیبل جیسے دور کسی کنویں سے بولا تھا۔

میں بڑی بے فکری اور اعتماد کے ساتھ گھوم کر دوسری طرف چل دیا۔ اس وقت میرے دل کی دھڑکنیں خاصی تیز تھیں اور پسینہ جسم سے پھوٹ نکلا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے میں نے سخت محنت کا کوئی کام کیا ہو۔ یہی کیفیت اس وقت بھی ہوئی تھی جب میں نے دیوار سے کیلنڈر گرایا تھا۔ غالباً زرداد بیگ پر بھی اس قوت کا استعمال کرتے ہوئے میں تھک گیا ہوں گا لیکن اس وقت بوڑھے کیشپ کی وجہ سے اچانک اتنی گمبھیر صورتِ حال پیش آ گئی تھی کہ اپنی تھکن کی طرف میرا خیال جا ہی نہ سکا ہو گا۔

سڑک پر پہنچ کر میں نے ایک ٹیکسی روکی اور ڈرائیور سے ہوائی اڈے کی طرف چلنے کے لیے کہہ کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔ میں جیب سے رومال نکال کر آہستہ آہستہ اپنے چہرے پر پھیرتا جا رہا تھا' جیسے پسینہ خشک کر رہا ہوں لیکن میرا مقصد صرف یہ تھا کہ ڈرائیور میرے چہرے کو واضح طور پر نہ دیکھ سکے۔ مجھے اب ایک ایک قدم پر محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ یہاں کا ہر شہری میرے لیے پریشانیاں کھڑی کر سکتا تھا۔

ٹیکسی فراٹے بھرتی رہی اور قدرتی طور پر میرا ذہن ان واقعات سے الجھا رہا جو مجھے اب تک پیش آتے رہے تھے۔ حالیہ دو باتیں مجھے اس وقت زیادہ الجھا رہی تھیں۔ سلویا کا بیان میرے لیے حیرت انگیز بھی تھا اور سنسنی خیز بھی! اگر میں یہ مان لیتا کہ فلپ اور الزبیتھ میرے دوستوں میں سے تھے تو پھر مجھے یہ بھی یقین کرنا پڑتا کہ میری شخصیت بہت اہم اور معزز ہے۔ تاجِ برطانیہ کسی معمولی شخص کو تو درخورِ اعتنا نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اب پھر وہی الجھن کہ میں کون ہوں؟

میرے تلوے میں تین سروں والے شیر کی تصویر بھی ایک ایسی ہی چیز تھی جو میری الجھنوں میں اضافہ کر رہی تھی۔ اس قسم کے نشان تو ایسی جگہوں پر گدوائے جاتے ہیں جو نظر آتے ہوں۔ تلوے میں اس قسم کا نشان بنانے کا تو ایک مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ اسے پوشیدہ رکھا جا سکے۔ مگر کیوں؟ ایسے کسی نشان کو پوشیدہ رکھنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟

سلویا کا یہ قیاس بھی میرے ذہن میں گونج رہا تھا کہ شاید یہ میرا خاندانی نشان ہو!

ٹیکسی ہوائی اڈے کے قریب پہنچ چکی تھی۔ میں نے ڈرائیور کو اس ریسٹورنٹ کا نام بتا دیا جہاں بلونت سے ملنا تھا۔ دو تین ہی

منٹ کے بعد ٹیکسی اس ریسٹورنٹ کے سامنے جارکی۔ میں نے بیٹھے بیٹھے کرایہ ادا کیا پھر دروازہ کھول کر اترا اور ریسٹورنٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس وقت بھی میں رومال اپنے چہرے پر پھیرتا جا رہا تھا۔

بلونت انتظار کرتا ہوا ملا۔ اس نے ایک گوشے کی میز منتخب کی تھی اور یہ میرے حق میں مفید تھا۔ میں ایسی کرسی پر بیٹھا کہ میری پشت ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف رہے۔ میرے پہنچتے ہی بلونت نے ویٹر کو بلا کر کھانے کا آرڈر دے دیا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔

''تم کچھ دیر سے پہنچے ہو۔ میں پریشان ہو گیا تھا۔''

''غنیمت ہے کہ میں پہنچ گیا۔ حالات تو مجھے کسی دوسرے رخ پر لیجانا چاہتے تھے۔''

''پولیس؟'' بلونت نے پوچھا اور میرے سر کی اثباتی جنبش دیکھ کر بولا۔ ''مجھے یہ دھڑکا تھا کہ تمہیں پولیس کے خطرے سے دوچار ہونا پڑے گا۔''

''خیر چھوڑو۔ یہ گفتگو بعد میں ہوگی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے اس دوران میں کیا کیا؟''

''نیپالی سفارت خانے کے اس افسر کا نام پاتھا ہے۔ وہ ایک ایسی کوٹھی میں رہتا ہے جو آبادی سے کچھ الگ تھلگ واقع ہے۔ اردگرد بڑی پرہول ویرانی چھائی ہوئی ہے۔ کچھ فاصلے پر ایک قدیم مندر کے کھنڈرات بھی ہیں اور ان سے کچھ دور ایک مرگھٹ ہے۔ کوٹھی کے تمام ملازمین بھی نیپالی ہیں۔ پاتھا کی بیوی مر چکی ہے۔ وہ صرف اپنی بیٹی کے ساتھ وہاں رہتا ہے۔''

''بیٹی۔'' میں جلدی سے بولا۔ ''اس کی عمر کیا ہوگی۔؟''

بلونت نے ناگواری کے انداز میں میری طرف دیکھا اور پھر منہ بنا کر کہا۔ ''جوان ہے...... کیوں؟''

میں نے بلونت کے خیال کو تاڑ لیا تھا اس لیے جھینپ کر بولا۔ ''میرا مطلب وہ ہرگز نہیں تھا جو تم نے سمجھا۔ یہ سوال میں نے محض اس امکان کو پیش نظر رکھ کر کیا تھا کہ شاید ہم اسے ذریعہ بنا کر کلدیب کور کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔ لڑکیاں بہت کام آتی ہیں۔''

''جیسے کلدیب کام آئی تھی جیسے سوشیلا کام آئی تھی۔'' بلونت نے زہریلے لہجے میں کہا: ''ان میں سے ایک کی عزت لٹ چکی ہے اور دوسری، اپنی جان نچھاور کر گئی۔''

''خیر خیر! تم آگے بتاؤ!'' میں نے بحث کو ٹالنے کے خیال سے کہا۔ دراصل مجھے ڈر تھا کہ اس کا طنزیہ انداز مجھے غصہ بھی دلا سکتا ہے۔

''پاتھا کی بیٹی جوان العمر ہے۔ نام ششما ہے۔ کسی مقامی کالج میں پڑھ چکی ہے۔ آجکل ایک کھلاڑی کے چکر میں ہے۔ شاید ٹینس کا قومی چیمپین ہے۔ مرزا خورشید نام ہے۔''

ویٹر کھانا لے آیا تھا اس لیے ذرا دیر کے لیے گفتگو روک دینی پڑی۔

ویٹر کے جانے کے بعد بلونت نے پھر بولنا شروع کیا۔ ''پاتھا کی شخصیت بڑی پراسرار ہے۔ تنہائی پسند شخص ہے۔ دفتر سے لوٹنے کے بعد اپنا سارا وقت گھر ہی میں گزارتا ہے۔ بعض افراد نے اسے کبھی کبھی رات کے وقت مرگھٹ کی طرف جاتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ یہ کوئی نہیں بتا سکا کہ وہ وہاں کیا کرنے جاتا ہے۔ سال میں کم سے کم ایک مرتبہ اپنے ملک کا چکر لگانا اس کے معمولات میں شامل ہے۔ دو ایک روز میں وہ کھٹمنڈو روانہ ہونے والا ہے۔''

''خوب!'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

بلونت سے معلوم ہونے والی یہ آخری بات یقیناً اہم تھی میں اس کی روشنی میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ شاید بوڑھا کیشپ، پاتھا ہی کے ذریعے سے کلدیپ کور کو ملک سے اسمگل کرنے کی فکر میں ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس مرتبہ میں پہلی ہی کوشش میں اس منحوس بوڑھے سے ایک قدم آگے نکل گیا ہوں۔ امکان تھا کہ اس مرتبہ میں اپنے دشمن جانی پر سبقت لے جانے میں کامیاب رہوں گا۔ میں نے بلونت سے کہا۔ ''میں پاتھا کی کوٹھی دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''ہم ابھی وہاں چلے چلیں گے لیکن اب ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہمیں کرنا کیا ہے۔''

ہمیں پاتھا کی قربت حاصل کرنا چاہیے۔ شاید اس طرح ہم اپنے ہاتھوں کو بوڑھے کیشپ کی گردن تک پہنچا سکیں۔''

کھانا کھا چکنے کے بعد ہم ریسٹورنٹ سے نکلے اور بلونت نے وہاں کھڑی ہوئی کاروں میں سے ایک کا دروازہ کھولا۔

''کیا مطلب!'' میرے لہجے میں استعجاب تھا۔

''چلو بیٹھو!'' بلونت نے کہا۔

''لیکن یہ گاڑی تمہارے پاس کہاں سے آ گئی۔''

''یہ مت بھولو کہ میں نرنجن پور کے مہاراج کا دست راست ہوں۔ ان کی ایک محل نما کوٹھی یہاں بھی ہے اور کئی کاریں اس کوٹھی کے گیراج میں کھڑی رہتی ہیں۔ انہی میں سے ایک کار میں لے آیا ہوں۔'' بلونت نے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف کھولتے ہوئے کہا۔

میں دوسری طرف کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ کے برابر میں بیٹھ گیا۔ بلونت بھی میرے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔ اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور کار چکنی سڑک پر پھسلنے لگی۔

''اگر ہمیں اپنی مدد کے لیے کسی وقت کچھ آدمیوں کی ضرورت پڑے تو اس کا انتظام بھی آسانی سے ہو جائے گا۔'' بلونت نے کہا۔

''یہ بڑا اچھا ہے۔ شاید ہمیں ضرورت پڑ ہی جائے۔''

''اب یہ بتاؤ کہ تم دن بھر کیا کرتے رہے۔ تمہیں کن حالات سے دوچار ہونا پڑا۔؟''

بلونت پر اب مکمل اعتماد کیا جا سکتا تھا اس لیے میں نے وہ سب کچھ بلا کم و کاست بیان کر دیا جو مجھ پر گزر چکا تھا لیکن میں نے اپنے

ذہن کی اس پر اسرار قوت کا ذکر گول کر دیا جس نے دو مرتبہ میری مدد کی تھی۔

میری کہانی سن کو بلونت کی آنکھوں سے بھی الجھن جھانکنے لگی۔ جب اس نے ان واقعات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تو میں نے اسے ٹوکا۔

''کیا سوچنے لگے۔؟''

''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم آخر ہو کیا بلا؟''

''یہی الجھن تو مجھے بھی گھیرے ہوئے ہے میرے دوست!'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

بلونت کچھ نہیں بولا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

کچھ دیر بعد کار شہری حدود سے نکل کر ایک نسبتاً ویران علاقے میں پہنچ گئی۔ ایک جگہ بلونت نے کار روک دی اور انجن بند کرتا ہوا بولا۔ ''یہاں سے وہ کچھ ہی دور ہے۔ مناسب ہوگا کہ ہم وہاں تک پیدل جائیں۔ ہماری کار کو کوٹھی کے قریب دیکھ کر پاتھا یا اس کا کوئی ملازم مشکوک ہو سکتا ہے۔''

میں نے بلونت کی رائے سے اتفاق کیا اور ہم دونوں پیدل چل پڑے۔

نیپالی سفارت خانے کے اس افسر کی کوٹھی واقعی ایک وحشت ناک سے مقام پر تھی۔ رات کے اندھیرے میں وہ ماحول کچھ اور زیادہ پر اسرار معلوم ہو رہا تھا۔ کوٹھی کے گرد چہار دیواری نہیں تھی لیکن کوٹھی کے سامنے والے حصے میں بے ترتیب گھاس کے تختے پھیلے ہوئے تھے۔ کیاریوں کے لیے جگہ تو چھوڑی گئی تھی مگر فی الحال وہاں پھول پودوں کی بجائے جھاڑ جھنکار نظر آ رہا تھا اس چھوٹے سے جنگل میں حشرات الارض کی سیٹیاں گونج رہی تھیں۔ اور کہیں دور سے کسی گیدڑ کے چیخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

''آخر یہ شخص اس بھیانک ماحول میں کیسے رہ لیتا ہے بلونت!'' میں بولا۔

''میں نے کہا تھا نا کہ پاتھا کی شخصیت بڑی پر اسرار ہے۔'' بلونت نے جواب دیا۔

ہم کوٹھی کے سامنے ایک جھاڑی میں کھڑے ہوئے تھے۔ دو ایک کھڑکیوں کے علاوہ ہمیں ساری عمارت میں اندھیرا محسوس ہو رہا تھا۔

کسی انجن کی آواز سن کر ہم دونوں کے سر آواز کی سمت گھوم گئے۔ کچھ دور سڑک پر کسی گاڑی کی ہیڈ لائیٹس نظر آ رہی تھیں۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ روشنیاں اس کچے راستے پر مڑ گئیں جس پر چل کر اس کوٹھی تک آیا جا سکتا تھا۔

''اوہو! یہ تو ٹرک معلوم ہوتا ہے۔'' بلونت بیساختہ بولا۔ اور پھر خود بھی اس کے قریب ہی گر گیا۔ ایک لمحے کے لیے تو بلونت میری اس حرکت پر بری طرح جھلا گیا ہوگا لیکن دوسرے ہی لمحے شاید اس کی سمجھ میں آ گیا کہ اگر میں نے یہ حرکت نہ کی ہوتی تو ہم دونوں ٹرک کہ ہیڈ لائیٹس کی روشنی میں نہا جاتے۔

ٹرک ٹھیک کوٹھی کے سامنے آ کر رکا۔ اس کے انجن کی کرخت آواز کوٹھی میں بھی سنی گئی ہوگی کیونکہ فوراً ہی صدر دروازہ کھلا اور دو آدمی باہر نکل کر بھاگتے ہوئے ٹرک کی طرف آئے۔ وہ حلیے سے ملازم معلوم ہوتے تھے اور چہرے کے نقش ونگار سے ان کا نیپالی ہونا ثابت تھا۔

ٹرک کی ہیڈ لائیٹس بجھا دی گئیں اور انجن بند کر دیا گیا۔ ہم جھاڑی میں دبکے ہوئے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ ان میں سے ایک آدمی اترا اور نیپالی ملازموں کو لے کر ٹرک کے پچھلے حصے کی طرف گیا۔ ان تینوں نے مل کر ٹرک سے جو شے اتاری وہ کم از کم میرے لیے قطعی غیر متوقع تھی۔ میرے سان وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ٹرک میں سے کوئی تابوت اتارا جائے گا۔ میں چند لمحوں کے لیے تو سانس لینا بھی بھول گیا۔

''کیا کوٹھی میں کوئی موت ہوگئی ہے!'' بلونت نے سرگوشی کی۔ میں نے اس خیال پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میری نظریں ان نیپالی ملازموں پر جمی ہوئی تھیں جو تابوت اُٹھائے ہوئے تھے اور ٹرک سے اترنے والا انہیں ٹارچ کی روشنی میں کوٹھی کے دروازے کے طرف لے جا رہا تھا۔ اس کے حلیے میں کوئی ایسی بات تھی جو میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی۔

کوٹھی کے صدر دروازے کے اندر روشنی تھی۔ ٹارچ والا آدمی جیسے ہی اس روشنی کے سامنے پہنچا' میں یوں چونک پڑا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

''کیشپ۔'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''کیا!'' بلونت نے حیرت سے کہا۔ ''کیا یہ بوڑھا......''

''ہاں یہ کیشپ ہے۔'' میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''تب تو...... تب تو...... پھر...... شاید...... کلدیپ کور بھی...... اسی عمارت میں ہوگی!'' بلونت رُک رُک کر بولا۔ وہ بے حد مضطرب نظر آنے لگا تھا۔

کیشپ کی رہبری میں دونوں ملازم تابوت اُٹھائے ہوئے کوٹھی کے اندر چلے گئے۔ ماحول پر بھیانک تاریکی بدستور چھائی ہوئی تھی اور مرگھٹ کی طرف سے سیاروں کی منحوس چیخیں سنائی دینا بند نہیں ہوئی تھی۔

''اب...... ہم...... کیا کریں؟'' بلونت زیرلب بڑبڑایا۔

''انتظار کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں!'' میں نے کہا۔ ''دیکھو' ٹرک ابھی رکا ہوا ہے شاید کیشپ اسی ٹرک پر واپس جائے گا۔''

میری یہ سوچ باطل نہیں ثابت ہوئی مشکل سے پانچ منٹ گزرے ہوں گے کہ بوڑھا کیشپ ایک معزز نیپالی کے ساتھ کوٹھی سے باہر نکلا۔ نیپالی کو میں معزز اس لیے کہہ رہا ہوں کہ وہ ملازموں سے قطعاً بہت، ان سے کہیں زیادہ بہتر پوشش میں ملبوس تھا اور اس کی چال بھی پروقار تھی۔

''پاتھا۔'' بلونت نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''وہ پاتھا ہے، نیپالی سفارت خانے کا وہی افسر۔''

''کیشپ کے ساتھ اس کا انداز مودبانہ ہے۔'' میں بڑبڑایا۔ ''نہ جانے یہ بوڑھا کیا چیز ہے!''

بلونت کچھ نہیں بولا۔ اس کی نظریں پاتھا پر جمی ہوئی تھیں جو کہ بوڑھے کیشپ کے لیے ٹرک کا دروازہ کھول رہا تھا۔ بوڑھا فوراً ٹرک میں سوار ہوگیا۔ پاتھا سر جھکائے تعظیماً کھڑا رہا تھا ٹرک نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور جب وہ کچھ دور نکل گیا تو پاتھا مڑ کر کوٹھی کی طرف چل دیا۔ ایک ملازم نے گیٹ بند کیا اور پھر وہ بھی پاتھا کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔

''آؤ! میں نے بلونت کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''میں کسی بھی طرح سے اس تابوت پر ایک نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں!'' بلونت جیسے بے خیالی میں بولا تھا۔

''اگر کوٹھی میں کوئی موت ہوئی ہوتی تو تابوت کا انتظام خود پاتھا نے کیا ہوتا۔ بس ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ تابوت میں کیشپ کوئی ایسی چیز چھپا کر لایا ہوگا جسے پاتھا کے ذریعے ملک سے باہر بھیجنا مقصود ہوگا۔ سفارتی نمائندوں کے سامان کی تلاشی نہیں لی جاتی۔''

چند لمحے تک بلونت خاموش رہا۔ وہ شاید میری بات پر غور کر رہا ہوگا۔ آخر جب وہ بولا تو اس کی آواز میں خفیف سی لرزش تھی

''تمہارا مطلب..... یہ تو نہیں.....کہ.....تابوت میں.....کلدیپ.....''

''یہ ایک قیاس ہے جو غلط بھی ثابت ہوسکتا ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ''لیکن یہ بات طے ہے کہ اگر وہ کلدیپ ہوتی تو زندہ ہی ہوگی۔ کیشپ کو کیا پڑی ہے کہ وہ ایک لاش کو لیے لیے پھرے۔''

''مگر وہ کلدیپ کو زندہ حالت میں بھی کیوں لیے لیے پھر رہا ہے!'' بلونت کے لہجے سے الجھن مترشح تھی۔

''اس سلسلے میں بس قیاس ہی کیا جاسکتا ہے کہ وہ کلدیپ کو کسی طرح میرے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہے۔''

''آخر تم کیا بلا ہو؟'' بلونت کی آواز میں جھنجھلاہٹ تھی۔ ''کاش یہ اسرار بے پردہ ہوجائیں۔'' میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اس کا کندھا تھپک کر قدم آگے بڑھاتا ہوا بولا۔ ''آؤ۔''

''کیا تم کوٹھی میں گھسنا چاہتے ہو؟''

''کوٹھی میں گھسے بغیر اس تابوت کو دیکھنا کیسے ممکن ہے!''

بلونت نے کچھ نہیں کہا اور میں کوٹھی کے احاطے کا جائزہ لینے لگا اس کی دیوار عام احاطوں کی دیوار سے کہیں زیادہ اونچی بنی ہوئی تھی لیکن اس پر چڑھنا کچھ ایسا زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوتا۔ اس میں جگہ جگہ کٹاؤ سے بنے ہوئے تھے جو شاید خوشنمائی کے لیے رکھے گئے تھے۔

اِردگرد کے ماحول پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ صرف حشرات الارض کی سیٹیاں سی گونج رہی تھیں۔ کبھی کبھی مرگھٹ کی طرف سے اُٹھنے

والی سیاروں کی چیخیں بھی سناٹے کا جگر چیر دیتیں۔

''رہائش کے لیے...... یہ کتنی غلط جگہ ہے۔ بھیانک، خوفناک اور اعصاب شکن۔'' بلونت بڑبڑایا۔

''کچھ لوگوں کو ایسا ماحول بھیانک نہیں، پرسکون لگتا ہے۔'' میں نے جواباً کہا۔

ہم گھوم کر کوٹھی کی پشت پر پہنچے۔ یہاں سناٹے کی چادر کچھ اور دبیز تھی۔ مکمل تاریکی کا راج تھا۔ تاروں کی چھوٹ میں اردگرد کے سائے عجیب عجیب شکلیں اختیار کیے ہوئے تھے۔ ایک بار تو مجھے یوں لگا جیسے ایک سایہ چند لمحوں کے لیے تاریکی سے جدا ہو کر تاریکی میں فنا ہو گیا ہو۔ میں نے ایسا محسوس کیا کہ جیسے کوئی تاریک وجود خاموشی سے ہمارے تعاقب میں ہو۔ شاید کچھ ایسی ہی بات بلونت نے بھی محسوس کی تھی وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

''مجھے ایسا لگتا ہے جیسے اس ویرانے میں بھوتوں کا راج ہو اور جیسے مرگھٹ کی بری روحیں ہمارے پیچھے لگ گئی ہوں۔''

میں دھیمی سی آواز میں ہنس پڑا پھر بولا۔ ''یہ ماحول تو واقعی اعصاب شکن ہے مگر بلونت! مجھے تم سے ایسی لغو باتوں کی توقع نہیں تھی۔ بھوت، بری روحیں، کیا بکواس ہے؟''

بلونت نے اس موضوع پر کوئی بحث نہیں چھیڑی لیکن ایک دو مرتبہ اس سمت میں ضرور دیکھا جدھر مرگھٹ تھا۔

''احاطہ پھلانگنے کے لیے یہ جگہ مناسب رہے گی۔'' میں ایک جگہ رک کر بولا مگر بلونت میری باتوں کا جواب دینے کی بجائے داہنی طرف پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھورتا رہا پھر اس نے اپنا کپکپاتا ہوا ہاتھ میرے کاندھے پر رکھ دیا اور لرزیدہ آواز میں بولا۔'' اس طرف...... مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی عورت تھی۔''

''اس ویرانے میں؟...... بلونت ڈیر! خود کو سنبھالو ہمارے سوا یہاں کوئی ذی روح نہیں ہے۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

بلونت کو شاید مجھ سے اتفاق نہیں تھا مگر پھر اس نے مکمل خاموشی اختیار کر لی۔ میں آستین چڑھا کر دیوار کے قریب پہنچ گیا لیکن اس سے پہلے کہ میں ایک کٹاؤ پر پیر رکھ دیتا پشت پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں چونک پڑا۔ بلونت اچھل پڑا تھا۔

''ٹھہر جاؤ!'' ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی اور میں ہکا بکا رہ گیا۔ تاریکی سے جدا ہو کر تاریکی میں گم ہو جانے والا وجود اب ہمارے قریب پہنچ گیا تھا۔

''سلویا!'' میرے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

''آپ کی خادم۔'' ویرانے میں سلویا کی چہکار گونجی۔

''مگر تم یہاں کیسے۔؟''

اپنا فرض پورا کر رہی ہوں۔'' سلویا نے ٹھنڈی سانس بھر کہا۔'' میں نے بتایا تھا نا کہ اگر تم میرے ساتھ نہیں گئے تو میں سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگی رہوں گی اور یہ تو تم بھی جانتے ہو گے کہ سائے کو اپنے وجود سے جھٹک دینا ایک ناممکن بات ہے۔''

بلونت حیرت سے منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ اس کی حیرت رفع کرنے کے خیال سے میں نے کہا۔ ''بلونت! یہ مس سلویا ہیں۔ مرگھٹ کی کوئی بدروح نہیں، میری ایک دوست ہیں...... اور سلویا! یہ مسٹر بلونت ہیں۔ نرنجن پور کے راجا شمشیر سنگھ کے دست راست۔''

بلونت ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدا کر رہ گیا۔

''تو آپ لوگ راج کماری کی تلاش میں یہاں آئے ہیں؟'' سلویا بولی۔ ''مگر وہ بوڑھا کون تھا جو تابوت لے کر آیا تھا؟''

''میرا دشمن جانی کیشپ ......'' میں نے غراتے ہوئے کہا۔ ''وہی منحوس کلدیپ کو لے اڑا ہے۔''

''تو کیا تمہارے خیال میں وہ بوڑھا راج کماری کو تابوت میں ڈالے ہوئے گھوم رہا ہوگا۔!''

''یہ ناممکن تو نہیں۔'' میں نے کہا، پھر بولا۔ ''تم یہاں کیسے پہنچیں؟''

''تمہارا تعاقب کر کے۔'' سلویا نے جواب دیا۔ ''تم نے سمجھا تھا کہ کھانا لانے کا کام سونپ کر تم مجھ سے چھٹکارا پا لو گے میں اتنی آسانی سے دھوکا نہیں کھا سکتی۔ میں سمجھ گئی تھی کہ تم بھاگ نکلنے کی فکر میں ہو لہٰذا میں ہوٹل سے نکل کر اس کی پشت پر پہنچ گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں تمہیں سنتریوں سے الجھا ہوا پاؤں گی۔ لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ تم ایک سنتری کے قریب سے گزر رہے تھے اور وہ یوں کھڑا ہوا تھا جیسے اس نے تمہیں دیکھا ہی نہیں ہو۔ کیا کوئی بھاری رقم تھما دی تھی تم نے اس کے ہاتھ میں۔''

میں دھیمی آواز میں ہنسا مگر کچھ بولا نہیں۔

''بہر حال میں تب ہی سے تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہوں۔'' سلویا نے کہا۔ ''اور اگر میں اس وقت تمہیں دیوار پر چڑھنے سے روک نہ لیتی تم یا تو اب تک مر چکے ہوتے یا کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتے جس سے چھٹکارا حاصل کرنا شاید آسان نہ ہوتا۔''

''بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔''

''ادھر دیکھو! سلویا نے کہتے ہوئے پینسل ٹارچ روشن کر لی روشنی کی شعاع دیوار پر اس جگہ پر پڑی جہاں پر میں پاؤں رکھنے والا تھا۔ ''اینٹوں پر لپٹا ہوا یہ ننگا تار دیکھ رہے ہو'' سلویا بولی۔ ''اس پر پاؤں رکھ کر تم یا تو بجلی کا زبردست اور شاید جان لیوا جھٹکا کھاتے اور یا پھر اس تار کے دبنے سے کوٹھی کے اندر کسی حصے میں گھنٹی بج اٹھتی اور وہ لوگ جان لیتے کہ کوئی شخص ناجائز طور پر کوٹھی میں گھسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے بعد ظاہر ہے کہ جب تم لوگ اندر داخل ہوتے تو چوہوں کی طرح پکڑ لیے جاتے۔''

میں سناٹے کے عالم میں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ میں واقعی ایک خطرے سے بال بال بچا تھا۔ چند لمحے سکوت رہا اور پھر یہ خاموشی بلونت نے توڑی اس نے شک وشبے سے لبریز آواز میں کہا۔ ''اس اندھیرے میں آپ کو یہ باریک تار کیسے نظر آ گئے مس سلویا۔؟''

''محض اتفاقاً'' سلویا نے جواب دیا۔ ''آپ لوگ کوٹھی کے سامنے جھاڑیوں میں چھپے تھے لیکن میں نے احاطے کی دیوار کو آڑ بنایا تھا۔ ٹرک کی آمد پر میں دیوار سے چپک گئی تھی اور اسی وقت میرا ہاتھ میرا اسی قسم کے ایک تار پر پڑا تھا میں چونک کر دیوار سے الگ ہٹ گئی تھی۔ پھر میں نے ٹارچ جلا کر اس کی روشنی دیوار پر ڈالی تھی تو مجھے تار دکھائی دیا۔''

''مگر تمہیں یہ تار چھونے کے بعد بھی کچھ نہیں ہوا اور نہ کوٹھی کے مکینوں کو تمہاری موجودگی کی اطلاع ہوئی۔'' میں حیرت سے بولا۔
کوٹھی کے مکینوں کو اس وقت ٹرک اور اس بوڑھے کا انتظار تھا۔ غالباً کسی کھڑکی سے دیکھنے کے بعد ہی کنکشن آف کیا گیا ہوگا لیکن

دماغ پر جالا تان دیا ہو۔ میرا ذہن اس جال میں کسی بے بس مکھی کی طرح پھنسا ہوا تھا اے کاش! کوئی صورت اس جال سے نکلنے کی ہوتی!...... کتنے ہی سوال تھے جو ہنوز تشنہ تھے اور ہر گزرنے والے دن کے ساتھ ان کی تشنگی رسوا ہوتی جا رہی تھی۔ میں 'یعنی ''اپالو' آخر کون

اور میرا ذہن اس جال میں بے بسی سے تلملا رہا تھا۔ کاش اس وقت مجھے معلوم ہو سکتا کہ یہ بے بسی تو کچھ بھی نہیں ہے۔ مستقبل قریب میں تو مجھے اس سے بھی زیادہ مایوس کن صورتِ حال سے دوچار ہونا تھا۔ تباہی و بربادی اپالو کے جلو میں چل رہی تھی۔ حالات بہت جلد ایک عجیب وغریب رُخ اختیار کرنے والے تھے۔ ایک ایسا رُخ کہ زندگی پر موت کا گمان ہونے لگے۔

دوسری صبح جب میں اُٹھا تو سلویا بستر پر موجود نہیں تھی۔ وہ باتھ روم کے راستے اپنے کمرے میں چلی گئی ہوگی۔ جب میں نہا دھو کر تیار ہوا تو دروازے پر دستک ہوئی۔ ساتھ ہی سلویا کی آواز سنائی دی۔

''دروازہ کھولو پرنس! کیا تم جاگ گئے۔؟

میں نے دروازے کے قریب پہنچ کر اس کا بولٹ گرایا۔ فوراً ہی باہر سے دروازے پر دباؤ پڑا اور سلویا اندر گھستی چلی آئی اس کے پیچھے بلونت بھی تھا سلویا اسے اس کے کمرے سے لیتی ہوئی آئی تھی۔

''مناسب ہوگا کہ ہم تینوں یہیں کمرے میں ناشتہ کرلیں۔ اگر ڈائننگ ہال کا رُخ کیا تو اس بات کا احتمال ہے کہ کوئی تمہیں پہچان لے۔''

میں نے دروازہ بند کیا اور جب مڑا تو دیکھا کہ سلویا ٹیلیفون پر ناشتے کے لیے ہدایات دے رہی تھی۔ بلونت کرسی پر بیٹھا کسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا ظاہر ہے کہ میری طرح اسے بھی راج کماری کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ وہ کلدیپ کور سے اتنی ہی محبت کرتا تھا کہ اس سے میرا جائز تعلق ثابت ہو جانے کے باوجود بھی اس کے جذبے ٹھنڈے نہیں ہوئے تھے۔ گو کہ اس کے حالات نے میرے دوش بدوش چلنے پر مجبور کر دیا تھا اور دیکھنے والے ہمیں ساتھی ہی سمجھتے تھے لیکن مجھے یقین تھا کہ راج کماری کی دست یابی کے بعد وہ طوطے کی طرح مجھ سے آنکھیں پھیر لے گا۔ عین ممکن تھا کہ وہ مجھ پر کوئی وار لگانے کی کوشش کرتا۔ اسے بلاشبہ مجھ سے نفرت تھی۔ حالات سے مفاہمت کے طور پر اس نے اس نفرت کو اپنے سینے کی گہرائی میں پہنچا دیا تھا لیکن راج کماری کی بازیابی کے بعد وہ نفرت کسی زہریلے چشمے کی طرح ابل پڑتی۔

جب ویٹر ناشتہ لے کر آیا تو میں کرسی سے اُٹھ کر کچھ دیر کے لیے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ مناسب یہی تھا کہ میں ویٹر کی نظروں میں بھی نہ آؤں۔ ویٹر کے چلے جانے کے بعد میں پھر سلویا اور بلونت کے ساتھ بیٹھا ناشتے کے دوران میں سلویا بولی۔

''میں ناشتہ کر کے چلی جاؤں گی اور اسی وقت واپس لوٹوں گی جب پاتھا کی کوٹھی میں ہونے والی پارٹی کے دعوت نامے حاصل کرلوں گی۔''

''اگر میں تم سے پیچھا چھڑانے کے لیے یہاں سے بھاگ گیا تو؟ میں نے مسکرا کر کہا۔

''بھاگ کر جاؤ گے کہاں؟ یہ تو میں جان ہی چکی ہوں کہ تم پاتھا کی کوٹھی کا رُخ کرو گے۔ ویسے اب مجھے تم سے اس حماقت کی توقع نہیں ہے۔ تمہیں یہ احساس تو ہوگا کہ میرے ہی تعاون سے تم پاتھا کی کوٹھی میں داخل ہو سکتے ہو۔''

''اس غلط فہمی میں نہ رہنا۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اگر تم دعوت نامے حاصل کرلیتی ہو تو بے شک پاتھا کی کوٹھی میں داخلہ

آسان ہو جائے گا لیکن اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو بھی کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچ جاؤں گا۔ اگر تم میری صلاحیتوں کو آزمانا چاہو تو آزما لو۔''

''میں اس نکتے پر کسی بحث میں پڑنا مناسب نہیں سمجھوں گی۔'' سلویا مسکرا بولی۔ ''میں یہ مان لیتی ہوں کہ تم یہ دعویٰ کرنے کے اہل ہو۔''

''لیکن اس پارٹی میں شرکت تمہارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔'' بلونت نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہاں مجھے پہچانا جا سکتا ہے۔؟''

''ہاں۔''

''میں اس کا حل سوچ چکی ہوں۔'' سلویا بول پڑی۔

میں اور بلونت سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''میک اَپ۔'' سلویا قدرے توقف سے بولی۔ ''میں تمہارے چہرے کو اتنا تبدیل کر دوں گی کہ تم بھی خود کو نہیں پہچان سکو گے۔''

''میں اس کے لیے تیار نہیں۔'' میں نے برجستہ کہا۔

''کیوں!'' سلویا کی حیرت بھی بجا تھی۔

''مجھے میک اَپ کے خیال ہی سے کراہیت ہوتی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ مگر حقیقت کچھ اور تھی جس کا اظہار میرے لیے ممکن نہیں تھا اگر میں اس بات کو زبان پر لاتا تو شاید جھینپ جاتا۔ آخر میں کیسے کہہ سکتا تھا کہ میں ایک حسین ترین شخص ہوں اور اپنی اسی وجاہت سے ششما کو میں اپنے جال میں پھنساؤں گا تاکہ اس سے معلوم ہو جائے کہ تابوت کوٹھی کے کس حصے میں رکھا ہے۔؟

ویسے اس کے علاوہ بھی میک اپ سے میرے احتراز کا ایک سبب تھا۔ وہ سبب اس وقت تو میرے لاشعور کی تہوں میں چھپا ہوا تھا لیکن کافی عرصہ گزرنے کے بعد مجھ پر یہ بات آشکارا ہوئی تھی کہ میں خود اپنے آپ سے محبت کرنے لگا تھا۔ میں نرگسیت کا شکار ہو چکا تھا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بے شمار خوبصورت زندگیاں میری زندگی میں آئیں لیکن وہ مجھے بس اسی حد تک متاثر کر سکیں کہ میں ان کے جلتے ہوئے بدن اور سلگتے ہوئے لب و رخسار سے کھیلنے کے لیے مضطرب ہو جاؤں ہمیشہ یہی ہوا کہ ان سے آسودگی پانے کے بعد میں نے انہیں اپنے شبستان سے دور پھینک دیا۔ مجھے کبھی کسی لڑکی سے محبت نہیں ہو سکی کیونکہ میں نرگسیت کا شکار ہو چکا تھا۔ مجھے اپنے آپ سے محبت ہو گئی تھی۔

میری سرگزشت پڑھنے والوں میں بعض ایسے بھی ہوں گے جن کے لیے ''نرگسیت'' کی اصطلاح اجنبی ہو گی اور بعض ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے یہ اصطلاح اکثر پڑھی ہو گی مگر انہیں اس کے پس منظر کا علم نہ ہو گا۔ اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس موقعے پر وہ چھوٹی سی دلچسپ کہانی قلمبند کر دوں۔

سینکڑوں ہزاروں سال قبل سرزمین اسرار یونان میں ایک بچہ پھولوں کا سارنگ رس لے کر پیدا ہوا۔ کاہن اعظم نے اس کا

زائچہ نکالا اور پھر بڑے پر اسرار لہجے میں اس کی ماں سے بولا۔ ''تیرا بچہ بہت بڑی عمر پائے لیکن شرط یہ ہے کہ اسے اپنی ذات کا علم نہ ہو۔''

بچہ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا رہا اور جب اس نے جوانی کی مخمور و شاداب وادی میں قدم رکھا تو اس کی نظروں میں اپنی ذات کے سوا کوئی اور شے جچتی ہی نہ تھی۔ یہ اس سبب وہ الگ تھلگ رہا کرتا۔ سنسان وادیاں اس کا گوشہ سکون تھیں۔ ان ہی وادیوں میں ایک روز اسے ایک پری نے دیکھ لیا اور ہزااااار جان سے اس پر فریفتہ ہوگئی لیکن لیکن اس کو اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں تھی۔ وہ پری کی رعنائی اور ملتجیانہ نگاہوں سے بے نیاز، پھولوں کو روندتا کچلتا ہوا اپنے خیالوں میں مست، وہاں سے گزر جاتا۔ پری نے اس کی بے نیازی کو اپنی توہین جانا اور تلملا گئی۔ اس نے انتقام لینے کے لیے خداوند زیوس سے دعا کی۔ باب قبول وا ہوا اور اس سے اگلے روز جب وہ اپنی ذات میں گم، اپنے خیالات میں مست اور اپنے حسن پر نازاں اس وادی سے گزرا تو اچانک اس کی نظریں پھولوں سے ڈھکے ہوئے ایک تالاب پر پڑیں۔ پانی میں اسے اپنا عکس نظر آیا تو وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ پہلے کبھی اس نے اپنا عکس نہیں دیکھا تھا۔ اب جو دیکھا تو دیکھتا رہا گیا، اس کے دل میں خواہش پارے کی طرح مچل اٹھی کہ اس عکس کو اپنی بانہوں میں لے لے۔ وہ بے محابہ کنارے پر لیٹ گیا۔ عکس کو اپنی آغوش میں سمیٹنے کی کوشش کی مگر جب بھی اس کے ہاتھ پانی کی سطح سے ٹکراتے، عکس منتشر ہو جاتا تو وہ اپنے ہاتھ پانی سے الگ کر لیتا اور پرشوق نظروں سے سطح کی طرف دیکھتا رہتا۔ پری نے جو اس کا یہ عالم وارفتگی دیکھا تو بہت گھبرائی۔ اس نے اسے پکارا، جھنجھوڑا مگر بے سود!...... وہ بار بار اپنے عکس سے یہ سوال کرتا جاتا۔ ''آخر تم کون ہو، تم اس قدر حسین کیوں ہو!'' وہ اپنے عکس کو دیکھ کر والہانہ انداز میں مسکراتا بھی جاتا۔

گھڑیاں گزر گئیں۔ دن بیت گئے لیکن وہ وہیں لیٹا اپنے محبوب عکس کو دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور دل کی دھڑکن رک گئی۔ روح جسد خاکی سے پرواز کر گئی۔ دیوتاؤں کو اس کی حالت پر رحم آ گیا اور انہوں نے اسے نرگس کا پھول بنا دیا۔

اسی داستان کو پیش نظر رکھ کر ماہرین نفسیات نے ''نرگسیت'' کی اصطلاح وضع کی ہے جن لوگوں میں خود بینی، خود پرستی اور خود پسندی کا عنصر شدت سے پایا جاتا ہے انہیں نرگسیت کا شکار کہا جاتا ہے۔

یہی کیفیت میری بھی تھی، مجھے اپنے چہرے سے انس ہے، پیار ہے، عشق ہے۔ میں یہ بات گوارا نہیں کر سکتا کہ میرے محبوب چہرے پر کوئی مکروہ خول چڑھا دیا جائے۔

لیکن اس وقت سلویا نے اس معاملے میں مجھ سے کوئی بحث نہیں کی۔ وہ جلدی میں تھی اس نے ناشتہ ختم کر کے کہا۔

''میں واپس آ کر اس سلسلے میں گفتگو کروں گی۔''

پھر وہ چلی گئی۔ بلونت خاموش بیٹھا کسی سوچ میں ڈوبا رہا میں سگریٹ جلا کر اپنے خیالات میں ڈوب گیا۔ مجھے خود بھی احساس تھا کہ میں اپنی اصلی شکل وصورت میں اس پارٹی میں شریک ہوا تو خطرات سے دوچار ہو سکتا ہوں لوگ مجھے پہچان سکتے تھے اور لوگوں سے زیادہ کیشپ کی طرف سے خطرہ تھا۔ لیکن یہ خطرات مول لیے بغیر بات بھی تو نہیں بن سکتی تھی۔ اس تابوت کا سراغ آخر کیسے لگتا؟ نہ جانے وہ کوٹھی کے کس حصے میں ہو؟...... اس کا پتا لگانے کے لیے کسی کو آلہ کار بنانا ضروری تھا اور شرشتما میرا آلۂ کار بن سکتی تھی۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر اچانک بلونت کھڑا ہو گیا۔

''میں آدھے گھنٹے میں واپس آؤں گا۔'' وہ بولا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''کسی قریبی تار گھر سے مہاراج کو آج تک کی رپورٹ کروں گا۔ انہوں نے تاکید کی تھی کہ میں انہیں صورتِ حال سے ہمہ وقت آگاہ رکھوں۔''

بلونت چلا گیا تو میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور بستر پر جا لیٹا۔ ذہن بدستور مکڑی کے جال کی گرفت میں تھا۔ حالات نے مجھ پر بڑی مضبوط گرفت قائم کر رکھی تھی جب کہ میں چاہتا تھا کہ حالات کو اپنی گرفت میں لوں۔ مجھے امید تھی کہ جلد یا بدیر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا لیکن فی الحال وقت مجھ پر سوتیلی ماں کی طرح نامہربان تھا۔

بلونت آدھے گھنٹے کی بجائے ڈیڑھ گھنٹے میں واپس لوٹا لیکن میں نے اس سلسلے میں اس سے کسی استفسار کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ بلونت بھی مجھ سے مخاطب نہیں ہوا وہ اپنی ہی کسی سوچ میں غرق تھا۔

دوپہر کے کھانے کا وقت آیا تو سلویا بھی آ گئی۔ وہ کامران لوٹی تھی۔ اس نے دعوت نامے میرے سامنے پٹخ دیے لیکن اس کی یہ کامیابی میرے لیے کوئی حیرت انگیز امر نہیں تھی۔ میں سمجھ گیا تھا کہ اس نے یہ دعوت نامے برطانوی سفارت خانے کے توسط سے حاصل

کیے ہوں گے۔

صبح کے ناشتے کی طرح کھانا بھی کمرے میں منگوا لیا گیا۔ کھانے کے دوران سلویا نے وہی بحث چھیڑ دی جو صبح ادھوری رہ گئی تھی، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ سلویا کی عجلت کے باعث اس بحث کا آغاز ہی نہیں ہو سکا تھا۔

لیکن اس بحث کا نتیجہ سلویا کی مرضی کے مطابق نہیں نکل سکا۔ میں آخر تک اپنے موقف پر ڈٹا رہا۔ مال کار سلویا کو چپ ہو جانا پڑا اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ کوئی پانچ منٹ بعد وہ بڑبڑانے والے انداز میں بولی۔

''تو پھر ایک ہی تدبیر ہو سکتی ہے۔''

''کیس تدبیر؟''

''یہ میں بعد میں بتاؤں گی۔ اب مجھے پھر ایک بار جانا پڑے گا۔''

''کہاں؟''

لیکن سلویا نے اس سوال کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کھانا کھا چکنے کے بعد رخصت ہو گئی۔ نہ جانے کیا سوچا تھا اس نے؟ تاہم مجھے یقین تھا کہ وہ کوئی غلط قدم نہیں اُٹھائے گی وہ بہت ذہین تھی اور اس کے پاس وسائل بھی تھے۔ پورا برطانوی سفارت خانہ اس کی مدد کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتا ہو گا۔

وہ تیسرے پہر کو واپس لوٹی اور اس نے بتایا کہ ہم اس پارٹی میں کس طرح شریک ہوں گے۔

شام کو ہم پاتھا کی پراسرار کوٹھی کی طرف چل دیے۔

کوٹھی کے گرد آج بھی کل کا سا ویرانہ پھیلا ہوا تھا مگر کوٹھی آج ویران نہیں معلوم ہو رہی تھی۔ نہ اس پر اندھیرے کا راج تھا، نہ سناٹے کا تسلط۔ آج وہ جلتے بجھتے قمقموں سے سجی ہوئی تھی۔ گیٹ سے لے کر کوٹھی تک اتنے بلب روشن تھے کہ رات پر دن کا گمان ہو رہا تھا۔

میں بلونت اور سلویا برطانوی ہائی کمیشن کے افسر کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ پاتھا نے اپنے ہائی کمشنر کے اعزاز میں پارٹی دی تھی جو نیا نیا اس ملک میں تعینات ہوا تھا۔

''اس قسم کی پارٹیاں دینا پاتھا کی ہابی ہے۔'' سلویا نے مجھ سے کہا۔ ''وہ ہر دوسرے تیسرے مہینے اس قسم کی تقریبات کرتا رہتا ہے۔ اس کے حلقہ احباب میں اس کی پارٹیاں خاصی مشہور ہیں۔''

ہال میں ہلکی ہلکی موسیقی لہریں لے رہی تھی اور ہال کے وسط میں چند جوڑے ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈالے ان لہروں پر بڑی ہم آہنگی سے ہلکورے لے رہے تھے۔

میں متجسس نظروں سے ایک ایک مہمان کا جائزہ لیتا رہا لیکن مجھے کیشپ دکھائی نہیں دیا۔ البتہ ششما نظر آئی۔ بلونت ہی

نے مجھے اس سے روشناس کرایا تھا۔ وہ اپنے کسی مہمان کے ساتھ محو رقص تھی۔ مجھے اس کے جسم کی لچک بہت بھلی معلوم ہوئی۔ اس کے نقش ونگار خالص نیپالی نہ تھے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اس میں کسی اور علاقے کے خون کی آمیزش بھی ہے۔

برطانوی ہائی کمیشن کے افسر جیر اللہ نے پاتھا سے میرا تعارف کرایا۔

''میرے دوست ارسلان ہیں۔ آرٹ تو جیسے ان کی گھٹی میں پڑا ہے۔ بڑی دل آویز تصوریں بناتے ہیں۔''

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر ارسلان!'' پاتھا مسکرا کر بولا۔ ''کبھی آپ میرے وطن آیئے۔ آرٹسٹوں کے لیے نیپال کی سرزمین بھی بڑی خوبصورت ہے۔ خوبصورت اور متنوع!''

''اگر کبھی موقع ملا تو ضرور آؤں گا۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ پاتھا نے مجھے شناخت نہیں کیا تھا۔

میں نے وہاں پر موجود کسی بھی شخص کی آنکھوں میں ایسی کوئی کیفیت محسوس نہیں کی تھی جس سے اندازہ ہوتا کہ مجھے پہچان لیا گیا ہے۔ وہاں سبھی اپنی دھن میں مست تھے۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ کھنکتے ہوئے قہقہے ابل رہے تھے اور زندگی اپنی پوری شدت کے ساتھ اپنے وجود کا اظہار کر رہی تھی۔

اتنے میں ششما ہم لوگوں کی طرف نکل آئی۔ اس وقت پاتھا ہمارے ساتھ ہی تھا اس نے ہم سب کو اپنی بیٹی سے متعارف کرایا۔ ششما نے سب سے مصافحہ کیا ور رسمی جملے کہے لیکن مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کی کیفیت اچانک کسی شرابی کی سی ہوگئی اس کی آنکھوں سے خمار جھانکنے لگا۔ وہ پہلی ہی نظر میں مجھ سے متاثر ہوگئی تھی اور یہ گویا اس بات کی علامت تھی کہ وہ میرے ہلکے سے اشارے پر پکے ہوئے پھل کی طرح میری گود میں آگرے گی۔

''ششما دیوی!'' میں نے اپنے ہونٹوں پر ایک دل کش مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔ ''میری خوش قسمتی ہوگی اگر آپ میری ہم رقص بننا پسند کریں۔''

ششما نے مخمور نگاہوں سے میری طرف دیکھ کر ہاتھ آگے بڑھایا سلویا معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ لیکن بلونت کسی بت کی طرح ٹھس بیٹھا ہوا تھا۔

میں اور ششما ہلکورے لیتے ہوئے رقاص جوڑوں کے حلقے میں شامل ہوگئے اس کا ایک ہاتھ میرے ہاتھ میں اور دوسرا ہاتھ میرے کندھے پر تھا اور اس کی پتلی کمر میرے دوسرے ہاتھ کے حلقے میں تھی۔ میں آہستہ آہستہ اس کی کمر پر اپنی گرفت سخت کرتا جا رہا تھا۔ وہ جدید ترین طرز کے مطابق ساڑھی باندھے ہوئے تھی اس لیے میرا ہاتھ اس کی نرم چکنی اور ریشم کی سی جلد پر پھسلتے پھسلتے رہ جاتا تھا کبھی کبھی پھسل بھی جاتا تھا اور اس خفیف سی مساس سے ششما ایک سسکاری کے ساتھ ناگن کی طرح بل کھا جاتی تھی۔ اس کے سینے کا گداز اب میرے سینے میں پناہ لینے کے لیے مضطرب نظر آرہا تھا اور اس نے اپنی ٹھوڑی میرے شانے پر رکھ

دی تھی۔ اس کے جسم کے نشہ خیز لمس سے میرے دماغ میں سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں یوں معلوم ہوتا تھا جیسے جذبات کے ناگ پھنکارنے لگے ہوں۔

جب موسیقی کا ریکارڈ ختم ہوا تو ہم دونوں ایک گوشے کی میز پر جا بیٹھے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ششما کسی ناگن ہی کی طرح مست ہو چکی تھی اس کی آنکھوں کے گلابی ڈورے گہرے ہو چکے تھے اور پلکیں جیسے جھٹکی پڑ رہی تھیں سانسوں کی آمدورفت میں انتشار سا تھا۔

''تم بہت اچھا ناچتی ہو ششما!'' میں نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔ ''شاید'' وہ مسکرائی اور پھر بڑے غور سے میری طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھ چکی ہوں۔''

یکلخت میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ کیا ششما کو میری وہ تصویر یاد آ رہی تھی جو اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔؟''

''شاید پچھلے جنم میں ہم دونوں ایک دوسرے کے کچھ رہے ہوں گے۔'' میں ہنس کر کہا۔

ششما جھینپ سی گئی۔ پھر اس نے شوخ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''شریر بھی ہو اور گستاخ بھی۔''

''جب حسن بے پرواہ کی ہم جلیسی میسر آ جائے تو شرارت کو بھی جی چاہتا ہے اور گستاخی کو بھی۔''

قریب سے ایک ٹرالی گزر رہی تھی جس پر مختلف مشروبات موجود تھے۔ ششما نے ٹرالی روک لی اور مجھے پوچھا۔

''کیا پسند کرو گے؟''

''آرنج اسکوائش۔'' کہتے ہوئے میں خود ہی گلاس اُٹھا لیا۔

''بس! ششما نے استعجابیہ لہجے میں کہا۔ شاید وہ یہ توقع کر رہی تھی کہ میں کسی قسم کی شراب کا انتخاب کروں گا۔

''اسوقت یہی جی چاہ رہا تھا۔''

آرنج اسکوائش کا ایک گلاس ششما نے بھی اُٹھا لیا اور ٹرالی آگے بڑھ گئی۔

''تمہاری کوٹھی تمہاری ہی طرح خوبصورت ہے۔'' میں نے اسکوائش کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔

''اگر کسی جگہ خوبصورت مہمان جمع ہو جائیں تو وہ جگہ اچھی لگنے ہی لگتی ہے۔'' ششما نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

میں ہی دل میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ چڑیا پوری طرح پھنس چکی ہے۔

بلونت اور سلو بدستور اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہماری طرف ان کی توجہ بالکل نہ ہو۔ دوسرے تمام مہمان اپنی اپنی دھن میں مست تھے۔ کسی نے ہماری طرف توجہ نہیں دی تھی اور غالباً کوئی شخص مجھے پہچانا بھی نہیں تھا۔ کم از کم اس وقت جب میں ششما کے ساتھ اس میز پر بیٹھا ہوا تھا مجھے یہی غلط فہمی تھی کہ میرے لیے کوئی خطرہ نہیں کھڑا ہوا ہے اور میں بالکل محفوظ ہوں لیکن کچھ دیر بعد پیش آنے والے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ مجھے وہاں کئی افراد نے پہچان لیا تھا

اور پولیس کو اس کی اطلاع بھی دی جا چکی تھی۔

کھانے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا اس لیے ایک بار پھر موسیقی کا ریکارڈ لگا دیا گیا۔ ششما نے ایسی نظروں سے میری طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہ کیا اب رقص کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔؟

''مجھے اس ہجوم اور شور شغب سے وحشت ہو رہی ہے۔ کیا کچھ دیر کے لیے اس ہال سے نجات نہیں مل سکتی؟...... مجھے خوشی ہوگی اگر تم مجھے اپنی کوٹھی کی سیر کراؤ!'' میں نے ششما سے کہا

''ہاں ہاں...... کیوں نہیں...... چلو!''

ہم مہمانوں سے نظریں بچا کر ہال سے نکل گئے لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ سلویا اور بلونت ہماری اس حرکت سے بے خبر نہیں رہے تھے۔

میں نے ششما کا ہاتھ تھام لیا تھا اور میرے قدم اسی طرف اٹھ رہے تھے جدھر وہ مجھے لے جا رہی تھی۔ کوٹھی کے اندرونی حصے میں اندھیرا تھا ششما ہر کمرے کی لائٹ جلاتی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ مجھے یہ بھی بتاتی جاتی کہ وہ کمرہ کس کام آتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ششما مجھے اس کمرے میں تو شاید ہرگز نہ لے جائے گی جہاں وہ تابوت رکھا ہوگا۔ اسی خیال کے پیش نظر میں جاگتے ذہن کے ساتھ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ مجھے کوٹھی کے کس حصے میں لے جانے سے احتراز کرتی ہے۔ میں ششما کا ہاتھ دبا دبا کر کوٹھی کی آرائش و زیبائش کی تعریف بھی کرتا جا رہا تھا۔

''تو یہ ہے ہمارا غریب خانہ۔'' آخر ششما نے کہا۔

''کیا اوپری منزل نہیں دکھاؤ گی۔؟''

یکلخت ششما کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

''لیکن اب کھانے کا وقت آ چکا ہے۔'' اس نے مجھے ٹالنے کے لیے کہا۔ ''ہمیں اب ہال میں پہنچ جانا چاہیے۔''

''بس چند منٹ کی تو بات ہے۔ آؤ!'' میں نے اسے ایک طرف کھینچا۔ یہ میں نے دیکھ ہی لیا تھا کہ اوپری منزل کا زینہ کہاں ہے۔

ششما نے میرے اصرار کے آگے ہتھیار ڈال دیے لیکن زینہ طے کرتے ہوئے وہ کچھ پریشان اور کھوئی کھوئی سی تھی، میں سمجھ گیا کہ تابوت اوپری منزل پر ہی ہوگا اور اسی لیے وہ مجھے وہاں لے جاتے ہوئے ہچکچا رہی ہے۔ گویا یہ بات اب پایہ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ اس تابوت میں کوئی غیر معمولی بات ضرور ہے کچھ اسرار یقیناً ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ششما اس تابوت کو میری نظروں سے بچانے کی خواہش کیوں رکھتی۔؟

جب ہم اوپری منزل پر پہنچے تو اچانک مجھے کچھ یوں لگا جیسے کوئی ہمارے پیچھے آ رہا ہو۔ میں نے بڑی تیزی سے مڑ کر

دیکھا لیکن زینے پر کوئی نظر نہیں آیا۔ اسی وقت ششما بول پڑی۔

''کیا بات ہے؟''

''مجھے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے......'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور پھر مسکرا کر بولا۔ ''ایسے موقعوں پر دل کو وہم گھیر لیتے ہیں۔''

''کیسے موقعوں پر؟''

''جیسا موقع اس وقت ہے۔'' میں نے ششما کا ہاتھ دبا کر کہا...... ''یہ تنہائی کتنی دل کش، کتنی نشہ انگیز ہے۔

ششما نے قدم آگے بڑھا دیے لیکن اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی تھی۔

میں سوچ رہا تھا کہ مرزا خورشید جو بقول بلونت کے ششما کا محبوب تھا۔ آج کی تقریب میں شریک نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ ہوتا تو مجھے ششما کے ساتھ یہ تنہائی اور اس کا مہکتا ہوا قرب اتنی آسانی سے حاصل نہیں ہو پاتا۔

ششما نے چند کمرے دکھانے کے بعد کہا۔ ''بس اب ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ دو تین کمرے رہ گئے ہیں جو میں دکھا بھی نہیں سکتی۔ انہیں استعمال نہیں کیا جاتا اس لیے وہ ہمیشہ بند ہی رہتے ہیں۔''

اوپری منزل کے اس حصے میں بہت کم قوت کا بلب لگا ہوا تھا جس کی ملگجی روشنی میں مجھے ششما کے چہرے پر کچھ ایسے تاثرات نظر آ رہے تھے جن کو خوف سے ہی عبارت کیا جا سکتا تھا۔

دور مرگھٹ پر کوئی سیار چیخا۔ اس کی آواز بہت مدھم ہو کر یہاں تک پہنچی تھی لیکن اس نیم تاریک ماحول میں وہ بڑی بھیانک محسوس ہوئی۔ اس وقت مشکل ہی سے یقین کیا جا سکتا تھا کہ اسی عمارت کے ایک حصے میں جگمگ جگمگ کرتی ہوئی کوئی تقریب برپا تھی۔

میں نے دونوں ہاتھ ششما کے شانوں پر رکھ دیے اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''تم کچھ خائف معلوم ہو رہی ہو۔''

''نن......نہیں......تو......''

میں نے اسے آہستگی سے اپنی طرف کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔ ایک بار پھر اس کے بدن کا تمام تر گداز میری گرفت میں تھا۔ میرے ہونٹ اس کی گردن کا مساس کرنے لگے۔ فوراً ہی میں نے ششما کے بدن میں تناؤ محسوس کیا جیسے ستار کا تار کستا چلا جا رہا ہو۔ اس کے دونوں ہاتھ میری پشت پر حرکت کرنے لگے تھے اور میرے تصور میں ایک خوابناک سا نسوانی چہرہ ابھر آیا تھا۔ وہی نامعلوم اور دلکش چہرہ جو میرے جذبات کو مہمیز کرتا تھا۔ میں نے اپنے پیاسے ہونٹ ششما کے بھڑکتے ہوئے لبوں پر رکھ دیے۔ اس کا کومل بدن اندر سے دہک اُٹھا ہوگا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت میری ہوئی تھی لیکن اس سے پہلے کہ یہ عالم کیف، رنگ لاتا،

مجھے ایک بات نے چونکا دیا۔ ہم جن کمروں کی طرف ابھی نہیں گئے تھے۔ ان میں سے ایک کی نچلی درز میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ ذرا دیر قبل وہ سارے کمرے تاریک تھے۔

''یہ کیا؟'' میرے منہ سے نکلا۔

''کیا ہوا؟'' ششما کی آوز بھرائی ہوئی تھی۔

ہمارے جسم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے۔ ششما نے اس طرف دیکھا۔ جدھر میری نظریں تھیں۔ ٹھیک اسی وقت کمرے کی درز سے نکلتی ہوئی روشنی غائب ہوگئی۔ وہ کمرہ اب پھر تاریک ہو چکا تھا۔

ششما کے چہرے کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔

''شاید کوئی چور گھس آیا ہے۔'' میں نے سرگوشی کی۔

مگر حقیقتاً میں نے ایسا نہیں سمجھا تھا۔ یہ بات میں نے محض اس لیے کہی تھی کہ ششما کو اس کمرے تک چلنے پر مجبور کر سکوں ویسے میں اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ اس کمرے میں چند لمحے کے لیے روشنی ہونے کا کیا مطلب تھا؟...... بس اتنی سی بات سوچی جا سکتی تھی کہ اس کمرے میں کوئی موجود تھا۔ کسی وجہ سے اس نامعلوم ہستی نے کمرے میں روشنی کی ہو گی لیکن میری یا ششما کی آواز سن کر جلدی سے بٹن آف کر دیا ہوگا۔

''نہیں۔'' ششما میری بات کے جواب میں بولی۔ ''یہاں کوئی چور نہیں آ سکتا۔

''ایک نظر دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔''

''لیکن اب ڈنر شروع ہو رہا ہوگا۔ ہمیں واپس چلنا چاہیے۔'' ششما نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

لیکن میں اس موقعے کو اتنی آسانی کے ساتھ ہاتھ سے جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں نے ششما کا ہاتھ پکڑا اور اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا اس کمرے کی طرف لے جانے لگا۔

ششما اب بھی احتجاج کر رہی تھی لیکن میں نے اسے نظر انداز کر دیا۔ اس کمرے کا دروزہ ہاتھ کا دباؤ پڑتے ہی کھلتا چلا گیا تھا۔ دوسری طرف مکمل تاریکی تھی۔ اس قسم کی کسی سچویشن کا خیال میرے ذہن میں پہلے ہی تھا۔ اس لیے میں نے سلویا کے سامان میں نظر آنے والی ایک ٹارچ اُٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔ اب میں نے وہ فوراً جیب سے نکالی اور دھڑکتے دل کے ساتھ اس کا بٹن دبایا۔

کمرے کی تاریکی میں روشنی کا شگاف سا پڑتا چلا گیا۔ سامنے والی دیوار میں ایک اور دروازہ تھا جو بند نظر آیا۔ لیکن میری آنکھیں اس دروازے کو دیکھنے سے پہلے اس تابوت کو دیکھ چکی تھیں جو کمرے کے وسط میں رکھا ہوا تھا۔ ایک عجیب سی بو کمرے کی فضا کو بوجھل کر رہی تھی میں نے ٹارچ کو بڑی تیزی سے ادھر اُدھر گردش دی لیکن کمرے میں کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ مگر

کمرے کی صفائی اس بات کی مظہر تھی کہ اسے حال ہی میں صاف کیا گیا تھا کمرے کو کسی ذی روح سے خالی پا کر مجھے حیرت ہوئی۔ آخر لائٹ کس نے جلائی تھی۔؟

''لوٹ چلو! فوراً یہاں سے لوٹ چلو!'' ششما کی آواز میں بے پناہ وحشت تھی۔

لیکن کنوئیں کے قریب پہنچنے کے بعد پیا سا لوٹنا حماقت ہی ہوتی میں ششما کا ہاتھ چھوڑ کر تیزی سے تابوت کی طرف جھپٹا۔ میں اسے کھول کر دیکھنا چاہتا تھا۔ میرے ذہن میں یہ خیال پختہ ہو چکا تھا کہ اس میں راجکماری کلدیپ کور ہوگی۔ بند تابوت میں اسے زندہ رکھنے کے لیے آکسیجن وغیرہ کا بندوبست کر دینا کچھ ایسی زیادہ مشکل بات نہیں تھی۔

''نہیں ...... نہیں ...... نہیں ......'' ششما پاگلوں کی طرح سرگوشی کیے چلی جارہی تھی۔

جیسے ہی میں نے تابوت کے ڈھکنے پر ہاتھ رکھا میرے دل کی دھڑکنیں بے حد تیز ہوگئیں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی ذی روح تنگ سی جگہ میں کروٹ لینے کی ناکام سی کوشش کر رہی ہو۔

اپنے اعصابی تناؤ سے نجات حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ میں اس تابوت کو جلد از جلد کھول کر دیکھ لیتا۔

تابوت کا ڈھکنا خاصا وزنی تھا اسے اُٹھانے کی کوشش میں ٹارچ میرے ہاتھ سے گر گئی کمرے میں ایک بار پھر مکمل اندھیرا چھا گیا۔ شیشا کی ہلکی سی چیخ کمرے میں گونج اُٹھی۔ لیکن میں ڈھکنا کھولنے میں کامیاب ہو چکا تھا میں نے جلدی سے جھک کر

ہمیں ...... ہمیں ...... یہاں نہیں ...... آنا چاہیے تھا۔'' وہ سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔ ''اب مجھے ...... اس کی سزا...... برداشت کرنی پڑے گی۔''

''لیکن ششما!''

اس سے پہلے کہ میرا جملہ پورا ہوتا۔ ہماری پشت پر ایک دھماکے سے دروازہ کھلا اور ہم چونک پڑے میں نے پاتھا کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا وہ بہت ہی غصے میں معلوم ہو رہا تھا۔

''ششما!'' وہ گرجا۔

''ششما روتی ہوئی اس کے قدموں گر پڑی۔ وہ نیپالی زبان میں کچھ کہہ بھی رہی تھی جسے میں سمجھنے سے قاصر تھا۔ پاتھا بھی نیپالی زبان ہی میں اس پر گرج برس رہا تھا اور اس وقت میری حالت یہ تھی جیسے مجھے چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا گیا ہو۔

آخر پاتھا میری طرف مڑا اور غصیلے لہجے میں بولا۔ ''آپ میرے مہمان ضرور ہیں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ میری کوٹھی میں ہر جگہ دندناتے پھریں۔'' میں نظریں جھکائے کھڑا رہا۔ میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ پاتھا اس وقت یہاں کیسے پہنچ گیا۔ اسے کیونکر معلوم ہو سکا کہ کوئی اس کمرے تک پہنچ گیا ہے' اس سلسلے میں لے دے کر ایک ہی بات سمجھ میں آتی تھی کہ ملحقہ کمرے میں بھی کوئی موجود تھا۔ غالباً روشنی بھی اسی نے کی تھی۔ اور ہمارے بارے میں اطلاع بھی اسی نے پاتھا کو دی ہوگی۔ دوسرے کمرے میں ٹیلیفون ضرور ہوگا جس پر وہ پاتھا سے رابطہ قائم کر سکتا تھا۔

''آپ فوراً یہاں سے چلے جائیں!'' پاتھا کی گرجدار آواز نے مجھے خیالات سے چونکا دیا۔

ششما ابھی تک پاتھا کے قدموں میں پڑی ہوئی سسک رہی تھی۔

''کیا آپ نے سنا نہیں؟ پاتھا مجھی سے مخاطب تھا۔

میری شدید ترین خواہش تھی کہ دوسرے کمرے میں موجود پراسرار شخص کو دیکھ لوں مگر قسمت میری اس خواہش کو آسودہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی تھی میں محسوس کر رہا تھا کہ پاتھا اب مجھے ایک منٹ کے لیے بھی وہاں نہیں رکنے دے گا۔ میں خاموشی سے دروازے کی طرف مڑ گیا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ دوسرے کمرے میں موجود وہ شخص دروازے کی جھریوں سے یا کسی سوراخ سے میری دیکھ رہا ہے۔

کمرے سے باہر نکلتے ہی میں تیزی سے قدم اٹھانے لگا۔ میرا رخ زینے کی طرف تھا مگر ذہنی رو اب بھی اسی کمرے کی طرف رہی تھی۔ جہاں ایک پراسرار تابوت میں وہ زندہ ڈھانچہ محو استراحت تھا۔

میں تیزی سے زینے طے کرتا چلا گیا۔ زینے کے اختتام پر سلویا سے ٹکرا گیا۔

خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئے!'' وہ چھوٹتے ہی بولی اور پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ وہ مجھے

ہال کی طرف لے جانے کی بجائے کسی اور سمت میں لے جا رہی تھی۔

"ششما کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"یہ ایک مفصل کہانی ہے مگر تم مجھے کہاں لے جا رہی ہو؟"

"تمہیں بلا تاخیر یہاں سے فرار ہو جانا چاہیے ورنہ مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ ہال میں پولیس موجود ہے۔ کچھ لوگوں نے تمہیں پہچان لیا تھا اور یہاں پر تمہاری موجودگی کی اطلاع پولیس ہیڈ کوارٹر کو دے دی تھی۔"

"اوہ! میرے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا۔

"تم نے میک اپ کے بغیر یہاں آ کر بہت بڑی حماقت کی تھی۔ اچھا ہی ہوا کہ تم اس وقت ہال میں نہیں تھے ورنہ پکڑے جاتے۔"

"لیکن اب تم مجھے کہاں لے جا رہی ہو؟"

"یہاں کوئی عقبی دروازہ ضرور ہو گا اور میں اسی کی تلاش میں ہوں۔"

"بلونت کہاں ہے؟"

"وہ ہال ہی میں ہو گا۔ میں نے اسے کہا تھا کہ وہ وہیں رک کر حالات پر نظر رکھے۔" سلویا نے بتایا۔

میری ذہنی رو اس وقت دو مختلف سمتوں میں بہہ رہی تھی مجھے اس نئی صورتِ حال سے بھی نبرد آزما ہونا تھا اور اس پراسرار تابوت کی خلش بھی بے چین کیے ہوئے تھی۔ ان لمحات میں جبکہ میں سلویا کے ساتھ بھاگ رہا تھا میرے ذہن کے ایوانوں میں ہڈیوں کی کھڑکھڑاہٹ گونج رہی تھی۔ ایک استخوانی ڈھانچہ میرے تصور کے پردے پر جیسے انگڑائیاں لے رہا تھا۔ آخر وہ سب کیا چکر تھا۔ کیا اس منحوس کیشپ کے پاس کچھ شیطانی قوتیں بھی تھیں۔؟ میرا ذہن اسے تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔

سلویا عقبی دروازہ ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئی۔ ہم اس راستے باہر نکلے۔ یہاں دور تک اندھیرے کی حکمرانی تھی۔

"کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ سڑک کس طرف ہے؟" سلویا بولی۔

"کیا یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل بات ہے؟" جواب دیتے ہوئے میرا منہ بن گیا۔

"بس تو پھر تم سڑک پر پہنچ کر کوئی ایک میل آگے نکل جاؤ میں گاڑی لے کر آتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم آؤ۔ بلونت کو بھی لیتی آنا۔"

سلویا واپس عمارت میں چلی گئی اور دروازہ بند کر لیا۔

میں اندھیرے میں ایک طرف چل پڑا۔ ٹارچ جلانا مناسب نہ ہوتا اس لیے مجھے کئی جگہ ٹھوکریں بھی کھانی پڑیں۔ جیسے تیسے میں سڑک تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ سڑک پر جس جگہ میں نے قدم رکھا وہاں سے پاتھا کی کوٹھی کا فاصلہ کوئی ایک فرلانگ

ہوگا۔ روشنی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور اسکے دائیں بائیں شیب سا تھا۔

ابھی میں نے بمشکل نصف میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ سڑک پر روشنی سی لہرائی۔ میں نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ ایک کار تیز رفتاری سے آگے بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ میں نے اسے روکنے کے لیے ہاتھ اُٹھا دیا۔ اب اس کی تیز روئی مجھے زد میں لیے ہوئے تھی۔ اچانک میں نے دیکھا کہ اس گاڑی کے پیچھے ایک اور کار بھی تھی میں الجھن میں پڑ گیا۔ اندھیرے میں ان گاڑیوں کی ساخت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ نہ جانے ان میں سے سلویا کی گاڑی کون سی تھی۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ دونوں میں سے کوئی گاڑی بھی سلویا کی نہ ہو۔ یہ خیال آتے ہی میرا اُٹھا ہوا قدم لاشعوری طور پر گر گیا۔

کار اب بالکل قریب آ چکی تھی۔ اگر وہ سلویا ہی کی تھی تو یقیناً رک جاتی کیونکہ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں مجھے دیکھا جا چکا ہوگا۔

دفعتاً میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بج اُٹھیں آنے والی کار کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اور وہ کسی قدر ترچھی ہو کر سیدھی میرے اوپر آ رہی تھی۔ صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ ڈرائیونگ کرنے والا مجھے کچل ڈالنا چاہتا ہے کار بالکل میرے سر پر آ چکی تھی میں نے بے تحاشہ نشیب کی طرف جست لگائی مگر دو تین سیکنڈ کی تاخیر ہو ہی گئی۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میرا جسم کار کے کس حصے سے ٹکرایا تھا۔ بس مجھے اپنے جسم پر دھماکہ سا محسوس ہوا اور میں نے خود کو فضا میں اڑتا ہوا محسوس کیا۔ پھر ایک دھماکے کے ساتھ میں زمین پر گرا میرے حواس منتشر ہو چکے تھے۔ میں جس جگہ گرا تھا وہاں کوئی خاردار جھاڑی رہی ہوگی کیونکہ میرا آخری احساس یہ تھا کہ میرے جسم میں متعدد سوئیاں سی پیوست ہوگئی تھیں اور شاید میں بے ہوش ہونے سے قبل سسک بھی اُٹھا تھا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک سجے ہوئے کمرے میں بستر پر لیٹا ہوا تھا اور دیواروں پر لگے ہوئے مرکری بلب تیز نیلگوں روشنی پھیلا رہے تھے۔ سلویا میرے بستر کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میری آنکھیں کھلتی دیکھ کر وہ مسکرائی اور بولی۔

''تم بہت ڈھیٹ ہو مجھے اب تمہارے دشمنوں سے ہمدردی ہو چلی ہے۔ ان بیچاروں کی کوئی کوشش بھی تو کامیاب نہیں ہو سکی۔! متعدد حملے کر چکے ہیں وہ تم پر۔''

لیکن میں نے سلویا کے اس شوخ تبصرے پر اظہار خیال کرنے کی بجائے اس سے یہ پوچھا کہ میں کہاں ہوں یہ کمرہ مجھے اس ہوٹل کا نہیں معلوم ہوا تھا۔ جہاں ہم مقیم تھے۔

''تمہیں اس کوٹھی میں بلونت لایا ہے۔'' سلویا نے بتایا۔ ''یہ مہاراجہ نرنجن پور کی کوٹھی ہے۔ تم کو اس حالت میں ہوٹل نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ میں تو پریشان ہو گئی تھی۔ لیکن بلونت کی وجہ سے یہ مسئلہ طے ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ اس گاڑی میں خود کیشپ تھا جس نے تمہیں ٹکر ماری تھی۔''

''اور پیچھے والی گاڑی تمہاری تھی؟''

''ہاں ......لیکن اس وقت مجھے یہ شبہ نہیں تھا کہ اس گاڑی میں تمہارے دشمن ہوں گے۔ یہ احساس تو اس وقت ہوا جب اس گاڑی نے تمہیں ٹکر ماری اور تم اچھل کر نشیب میں جا گرے۔ اس وقت شاید زندگی میں پہلی مرتبہ میں کچھ نروس ہوگئی تھی۔ میرے لیے فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اس گاڑی کا تعاقب کروں یا تمہاری خبر لی جائے۔ بہر حال صحیح یا غلط، میں نے فیصلہ کیا کہ تمہاری خبر لینا ضروری ہے۔ بریک تو میں نے لگا ہی دیے تھے۔ گاڑی رکتے ہی بلونت نے دروازہ کھول کر نشیب میں چھلانگ لگا دی۔ اس کے پیچھے پیچھے میں بھی تم تک پہنچی۔ تم بے ہوش تھے اور جسم کے بعض حصوں سے کچھ خون بھی رس رہا تھا۔ ہمیں اندازہ ہوگیا کہ تمہاری حالت خطرناک نہیں ہے۔ ہم تمہیں اٹھا کر گاڑی تک لے گئے اور تمہیں پچھلی نشست پر لٹا دیا۔ تمہیں ٹکر مانے والی کار اتنی دیر میں غائب ہو چکی تھی۔''

سلویا کا بیان سنتے ہوئے میں ذہنی طور پر اپنے جسم کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی کہ مجھے کوئی خطرناک چوٹ نہیں لگی تھی۔ صرف کولہے کی ہڈی میں درد تھا جو غالباً ایک دو روز میں ختم ہو جاتا۔ کانٹوں سے جو معمولی زخم آئے تھے ان پر دوا لگی ہوئی تھی۔

''ہیلو!'' بلونت کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ ہوش آ گیا تمہیں؟''

''ہاں ......'' میں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر نے کہا تھا کہ جب تمہیں ہوش آئے تو تم سے سب سے پہلے یہ پوچھا جائے کہ جسم کے کسی حصے میں تکلیف تو نہیں؟''

''کولہے میں درد ہے۔''

''زیادہ؟''

''نہیں زیادہ تو نہیں ہے مگر شاید چلنے میں کچھ زیادہ ہو۔''

''گویا تشویش کی کوئی بات نہیں؟''

قطعاً نہیں۔''

''خیر میں ڈاکٹر کو اس کی اطلاع دیے دیتا ہوں۔'' بلونت یہ کہہ کر واپس چلا گیا۔

سلویا نے مجھے بتایا کہ مہاراج ایک تنخواہ دار ڈاکٹر مستقل طور پر کوٹھی کے ایک حصے میں رہتا تھا اور اسی نے میری دیکھ بھال کی تھی۔

''پاتھا کی کوٹھی سے میرے غائب ہو جانے کا پولیس پر کیا ردِ عمل ہوا تھا؟'' میں نے سلویا سے پوچھا۔

''بس وہ پریشانی کے عالم میں تمہیں ادھر سے اُدھر ڈھونڈتے پھر رہے تھے میرے سفارخانے کے افسر کو خاصی پریشانی اُٹھانا پڑی کیونکہ اسی نے تمہیں اس محفل میں ایک آرٹسٹ کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔ پولیس نے اس سے خاصی پوچھ گچھ کی اور اسے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑانی پڑی کہ وہ تمہیں زیادہ عرصے سے نہیں جانتا تھا اور یہ کہ تم سے کسی تقریب ہی میں ملاقات ہوئی تھی۔ ازاں بعد زیادہ ملاقاتیں نہیں ہوئی تھیں اور تمہاری رہائش گاہ سے بھی واقف نہیں ہے۔''

''پولیس اور کیشپ!'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ میں دوطرفہ حملوں کی زد میں ہوں۔''

''کیا تم اس تابوت کو دیکھنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔؟''

''ہاں۔''

پھر؟ سلویا نے بے تابی سے پوچھا۔ کیا اس میں؟''

''کلدیب کور نہیں تھی اس میں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن جو کچھ بھی تھا اس پر یقین نہیں آرہا ہے۔''

''یعنی؟''

''زندہ ڈھانچہ۔''

''کیا مطلب؟''

میں نے جو کچھ دیکھا تھا وہ دہرا دیا۔ سلویا نے وہ سب کچھ ایسے انداز میں سنا جیسے سمجھ رہی ہو کہ میں اسے بیوقوف بنا رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ واقعہ ایسا نہیں تھا جس پر آسانی سے یقین آسکتا۔

اتنے میں بلونت واپس لوٹ آیا۔ اس کے ہاتھ میں کسی قسم کے لوشن کی شیشی تھی۔

''ڈاکٹر نے کہا ہے کہ کولہے پر اس لوشن کی مالش کی جائے گی۔''

''کیا تم میرے لیے کھانے کا بندوبست نہیں کر سکتے؟ میں اب کافی بھوک محسوس کر رہا ہوں۔''

''ہم نے بھی ابھی کھانا نہیں کھایا ہے۔ ساتھ ہی کھائیں گے۔!'' سلویا بولی۔

''اسی کمرے میں منگوالوں یا تم ڈائننگ روم تک چل سکو گے؟'' بلونت نے مجھ سے پوچھا۔

''میرا خیال ہے کہ میں چل تو سکتا ہوں لیکن شاید اس سے تکلیف بڑھ جائے اس لیے یہیں منگوالو۔!''

بلونت نے میری تجویز کے مطابق کھانا وہیں منگوالیا اور ہم تپائی کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ کر کھانے میں مشغول ہو گئے۔ کھانے کے دوران میں سلویا نے بلونت کو ان باتوں سے آگاہ کیا جو اسے مجھ سے معلوم ہوئی تھیں۔ جو ردِعمل سلویا پر ہوا تھا وہی بلونت پر ہوا۔

''کیا یہ ممکن ہے!'' بلونت نے بے ساختہ کہا تھا۔

''ممکن ہو یا نہ ہو لیکن اتنا بہر حال طے ہے کہ میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔'' میں منہ بنا کر بولا۔

''خیر خیر!'' سلویا نے میری چڑچڑاہٹ کو محسوس کر کے کہا۔ ''اب سوال یہ ہے کہ آئندہ کے لیے تمہارا کیا پروگرام ہے۔؟''

''میں فی الحال راجکماری کی بازیابی کے سوا کوئی اور بات سوچ ہی نہیں سکتا۔''

''تمہارے خیال میں یہ بازیابی کیونکر ممکن ہوگی؟'

''کیشپ کے پیچھے لگ کر۔''

''لیکن کیشپ تمہاری نظروں میں نہیں ہے۔''

''پاتھا تو ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''مجھے یقین ہے کہ اگر میں پاتھا کے قریب رہ سکوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں کیشپ سے دور نہیں ہوں۔''

''پاتھا تو دو ایک روز میں یہ ملک چھوڑ دے گا۔''

''میں پاتال تک اس کا تعاقب کروں گا۔''

سلویا چپ ہوگئی۔ بلونت بھی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا میں نے اسے مخاطب کر کے کہا: ''تم پاتھا پر کڑی نظر رکھو کل شام تک یا زیادہ سے زیادہ پرسوں صبح تک میرے کولہے کی تکلیف ختم ہو جائے گی اور پھر میں بھی......''

''میدان عمل میں آجاؤں گا۔'' سلویا نے مسکرا کر میرا فقرہ مکمل کر دیا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد کافی کا دور چلا اور اس کے بعد بلنوت نے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ اب سونے کی تیاری کرنا چاہیے کیا خیال ہے مس سلویا۔'

''یقیناً۔''

''تو پھر چلیے میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں۔''

''چلیے۔''

ان دونوں کے جانے کے بعد میں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا مجھے ڈر تھا کہ سلویا کسی بہانے سے اسی کمرے میں نہ رک جائے اگر ایسا ہوتا تو میرے لیے بڑی مصیبت ہوتی۔ میرے کولہے میں تکلیف تھی اور میں تھکا تھکا سا بھی تھا اس لیے کم از کم آج کی رات سلویا کی وحشت کا ساتھ نہ دے پاتا۔

مگر تھکن کے باوجود مجھے بستر پر لیٹتے ہی نیند نہیں آسکی۔ ذہن میں خیالات کا تانتا سا بندھا ہوا تھا۔ کبھی تصور میں استخوانی ڈھانچہ لہرانے لگتا اور کبھی ہڈیوں کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دینے لگتی کبھی کیشپ کی سرخ سرخ آنکھیں یاد آئیں اور کبھی ششما کے مہکتے ہوئے جسم کا رنگین خیال مجھے بے چینی سے کروٹ بدلنے پر مجبور کر دیا۔ اسی عالم میں کوئی ایک گھنٹہ گزر گیا اور اس وقت

جب کچھ غنودگی سی طاری ہوگئی تھی۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی میں چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ دروازے پر ہوئی دستک کا انداز بڑا محتاط تھا۔ جیسے دستک دینے والا یہ چاہتا ہو کہ دستک کی آواز میرے علاوہ کسی کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ مجھے فوراً سلویا کا خیال آیا۔ دستک دینے والی وہی ہوسکتی تھی۔ اس قسم کی عورتیں ایک رات بھی بے کیفی سے نہیں گزار سکتیں، لیکن میں آج رات سلویا کے جذبات کی آگ پر شبنم افشانی کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

مدھم مدھم دستک دو تین مرتبہ پھر ہوئی لیکن میں بڑے اطمینان سے دوبارہ بستر پر لیٹ چکا تھا۔ کچھ دیر بعد دستکیں بند ہوگئیں اور سناٹا چھا گیا اس خیال سے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی کہ سلویا اس وقت بہت جھنجھلائی ہوگی۔

دوسری صبح بلونت اور سلویا نے ناشتہ بھی میرے کمرے میں آ کر کیا اور مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا آج وہ دونوں ایک دوسرے سے کافی بے تکلف تھے۔ اس کی وجہ بھی جلد ہی میرے سمجھ میں آ گئی۔ غالباً کل رات میری طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد سلویا نے بلونت پر جال پھینکا ہوگا اور اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوگئی ہوگی۔

ناشتہ کر چکنے کے بعد وہ دونوں مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ بلونت کو پا تھا کی خبر لینی تھی اور سلویا کو بھی کوئی کام ہوگا۔

دوپہر تک میں بستر پر پڑا سگریٹ پھونکتا رہا۔ کھانے کے وقت تک ان دونوں میں سے کوئی واپس نہیں لوٹا تو میں نے گھنٹی بجا کر ملازم کو بلایا اور ان سے کھانے کے لیے کہا۔

تیسرے پہر کی چائے بھی مجھے تنہا پینی پڑی تھی۔ میرے کولہے کا درد اب بڑی حد تک کم ہوگیا تھا۔ حالانکہ میں نے ڈاکٹر کے دیے ہوئے لوشن کی مالش صرف دو ہی مرتبہ کی تھی۔

شام کے قریب میں نے راہداری میں قدموں کی آہٹیں سنیں غالباً سلویا اور بلونت لوٹ آئے تھے لیکن میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ قدموں کی آہٹیں دو سے زیادہ افراد کی ہیں۔ وہ کم از کم تین ضرور تھے لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ تیسرا کون تھا۔''

دروازہ کھلا اور وہ تینوں کمرے میں آ گئے۔ سلویا اور بلونت کے ساتھ اس تیسری ہستی کو دیکھ کر میں بستر پر اچھل پڑا تھا۔ یہ بات میرے سان و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ وہ تیسری ہستی انسپکٹر جوگیندر کی ہوگی۔

''ہیلو!'' انسپکٹر جوگیندر کا لہجہ بڑا دوستانہ تھا۔

میں بستر سے اُٹھ بیٹھا حیرت اور پریشانی کے تاثرات میرے چہرے پر منجمد ہو کر رہ گئے ہوں گے بلونت اور سلویا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی وہ دونوں میری گھبراہٹ سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔

''تشریف رکھیے انسپکٹر!'' بلونت نے جوگیندر سے کہا۔

''شکریہ...... لیکن پہلے میں ان سے ملاقات کرلوں۔'' جوگیندر یہ کہتے ہوئے میرے قریب آ گیا تھا۔ اس نے مصافحے

کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میں نے بھی بے وقوفوں کی طرح ہاتھ آگے کر دیا۔ میں بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

سلویا نے قریب آ کر میرا بازو پکڑا اور پھر مجھے کرسیوں کی طرف لے جاتی ہوئی بولی ''اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو ہوگی۔''

ہم چاروں، کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ میرا ذہن بہت بری طرح الجھ رہا تھا جوگیندر کی رفاقت میں یہ ماحول مجھے ایک خواب محسوس ہو رہا تھا۔

جوگیندر نے میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''غالباً مجھے سب سے پہلے آپ کو یہ اطمینان دلانا چاہیے کہ اب آپ کو پولیس کی طرف سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

''وجہ'' میں بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

''دراصل ایک اہم شخصیت نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ آپ نہ تو خود مجرم ہیں اور نہ کسی جرائم پیشہ گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اب تک پولیس کی نظروں میں آپ ایک پراسرار انسان تھے لیکن اتنے بڑے شخص کی ضمانت کے بعد ہمیں یقین کرنا ہی پڑا ہے کہ ہم بلاوجہ آپ کے پیچھے لگ تھے۔ ویسے میرے محکمے کو یہ بات اب تک نہیں معلوم ہو سکی ہے کہ آپ کون ہیں۔''

میری ضمانت دینے والا شخص ہے۔

''اصل شخصیت سے تو میں خود بھی واقف نہیں ہوں۔ مجھے صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ آپ کا پیچھا چھوڑ دیا جائے کیونکہ آپ کی ضمانت برطانیہ کی ایک مقتدر ہستی نے دے دی ہے۔''

اس جواب پر میرا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

حیرت کی زیادتی کے باعث میرے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا۔ جوگیندر کہہ رہا تھا: ''مجھے ہدایات ملی ہیں کہ آپ سے ملوں، آپ کی الجھنوں کے بارے میں معلومات کروں اور سلسلے میں آپ سے مکمل تعاون کروں۔ مجھے بتایئے کہ پولیس آپ کی کیا مدد کر سکتی ہے اور وہ لوگ کون ہیں جو آپ کی جان کے دشمن ہو گئے ہیں۔

''کچھ باتیں ایسی ہیں جو میں اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہوں لیکن اگر آپ مجھ سے تعاون کرنے پر آمادہ ہیں تو وقتاً فوقتاً میرے پیغامات آپ کو ان کے توسط سے ملتے رہیں گے۔'' میں نے سلویا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''انہی سے آپ کو معلوم ہوتا رہے گا کہ آپ کو کس سلسلے میں میری کیا مدد کرنا ہے۔''

''بہتر ہے۔''

اتنے میں ایک ملازم چائے کی ٹرالی دھکیلتا ہوا کمرے میں لایا۔ بلونت نے پہلے ہی سے اس سلسلے میں ہدایات دے دی ہوگی۔ ہم لوگ چائے پینے کے دوران میں گفتگو کرتے رہے۔ چائے پی چکنے کے بعد جوگیندر نے جانے کی اجازت چاہی۔ بلونت اسے بیرونی دروازے تک چھوڑنے چلا گیا۔ میں سلویا کو گھورنے لگا۔ کیونکہ میرے خیال میں حالات کا یہ موڑ اسی کی وجہ سے

سامنے آسکتا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' سلویا میری نظروں کا مطلب سمجھ کر مسکرائی۔ ''تم نے غلط نہیں سمجھا میں نے ہائی کمیشن کے ذریعے سے اپنی مفصل رپورٹ لندن بھیج دی تھی۔ وہاں سے غالباً خود ہر میجسٹی نے حکومت سے رابطہ قائم کیا ہوگا اور تمہارے سلسلے میں ہدایات دی ہوں گی۔ پھر حکومت نے یہاں کے پولیس چیف سے رابطہ قائم کیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ تمہارے معاملے میں برطانوی ہائی کمیشن سے رابطہ قائم کرے چونکہ تمہارا کیس جوگیندر کے پاس تھا اس لیے اسے ہائی کمیشن بھیجا گیا۔ وہاں اس سے میں نے ملاقات کی اور پھر اسے یہاں لے آئی۔''

''بلونت بھی تو تھا تمہارے ساتھ۔''

''وہ راستے میں مل گیا تھا۔''

''ہوں۔'' میں چند لمحے سوچتا رہا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میری شخصیت پر پھیلے ہوئے اسرار کے بادل نہ جانے کب چھٹیں گے۔''

''اگر تم میرے ساتھ لندن چلے چلو تو......''

''راجکماری کی بازیابی سے پہلے یہ ناممکن ہے۔'' میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

بعد کے دو روز میں نے اسی عمارت میں گزارے میرے کولہے کی تکلیف بالکل ختم ہو چکی تھی اور میں بہ آسانی چل پھر سکتا تھا۔ لیکن مجھے باہر نکلنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ سلویا اور بلونت سرگرم عمل تھے مجھے تمام رپورٹیں مل رہی تھیں۔ اور انسپکٹر جوگیندر کا مکمل تعاون بھی حاصل تھا۔

پاتھا روانگی کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ نہ جانے کیوں اس نے ہوائی سفر کی بجائے بحری راستے کا انتخاب کیا تھا۔ وہ سیدھا نیپال جانے کی بجائے پہلے سری لنکا جا رہا تھا۔ بعد میں یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ اس کی بیوی کا تعلق سری لنکا ہی سے تھا۔ وہ وہاں کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور آج کل اس کا قیام وہیں تھا۔ اسی کی وجہ سے پاتھا وہاں جا رہا تھا۔ وہ چند دن وہاں رکتا اور پھر اپنی بیوی کو لے کر نیپال روانہ ہو جاتا۔

بظاہر پاتھا کی ہمسفر رفیق صرف ششما ہی تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ کیشپ بھی اسی جہاز میں سفر کرے گا۔ اسی لیے میں نے بھی اسی جہاز میں سفر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ سلویا اور بلونت بھی میرے ساتھ ہوتے۔ ہمارے سفر کی تمام تیاریاں جوگیندر کروا رہا تھا۔ پاسپورٹ اور دوسرے تمام ضروری کاغذات اسی نے تیار کروائے تھے۔ جہاز میں تین کیبنوں کی بکنگ بھی کروالی تھی۔

چوتھے روز ہم روانہ ہو گئے۔

چھٹے روز ہم جہاز پر پہنچے۔ میری کوشش یہ تھی کہ جہاز کی روانگی سے قبل کسی مسافر کی نظریں مجھ پر نہ پڑنے پائیں۔

دراصل میں پاتھا اور ششما سے بچنا چاہتا تھا۔ اور اس بات کے بھی قوی امکانات تھے کہ کیشپ بھی جہاز پر موجود ہو مجھے اس کی نظروں سے بھی بچا رہنا تھا۔ ہاں البتہ جہاز کی روانگی کے بعد مجھے اس کی کوئی پروا نہیں رہ جاتی میں اب یہی چاہتا تھا کہ دشمنوں سے کھل کر مقابلہ ہو جائے۔ آنکھ مچولی سے تو اب وحشت ہونے لگی تھی۔ بادل اگر ایک مرتبہ کھل کر برس جائیں تو مطلع صاف ہو جاتا ہے اور میں اب اس گھٹن اس حبس سے تنگ آ چکا تھا۔

صبح پانچ بجے جہاز نے ساحل چھوڑا اور میں نے کیبن میں بستر پر لیٹے لیٹے اطمینان کی سانس لی۔ خدا کا شکر ہے کہ میں ابھی تک کسی کی نظروں میں نہیں آیا تھا۔

سات بجے میں نے اپنے کیبن ہی میں ناشتہ کیا۔ سلویا اور بلونت بھی وہیں آ گئے تھے۔ ناشتے کے دوران میں اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر وہ دونوں چلے گئے۔ اور میں سونے کے خیال سے بستر پر لیٹ گیا کیونکہ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹی تھی۔ ایک منٹ کے لیے بھی نہیں سو سکا تھا۔ تاہم مجھے لیٹتے ہی نیند نہیں آ سکی۔ کچھ دیر تک مختلف النوع خیالات ذہن میں چکراتے رہے۔ یہ سوال میرے ذہن میں گونج سی پیدا کرتا رہا کہ اس بحری سفر میں کیا گیا گل کھلیں گے؟ جوگیندر کے ذریعے سے یہ رپورٹ مجھے مل ہی چکی تھی کہ پاتھا کے سامان کے ساتھ ایک تابوت بھی جہاز پر بار کیا گیا تھا۔ اور تابوت ہی کی وجہ سے مجھے اس بات کا یقین ہوا تھا کہ کیشپ بھی جہاز پر موجود ہو گا۔

''تابوت! ہڈیوں کے ڈھانچے کا مسکن!

ہڈیوں کا ڈھانچہ......ایک راز!

میرا ذہن اس منتشر خیالات سے الجھتا ہوا بالآخر نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔ پھر میری آنکھ تین بجے کے قریب کھلی تھی۔ میں بھوک محسوس کر رہا تھا۔ لیکن اتنا وقت گزر جانے کے بعد میں نے کھانا مناسب نہیں سمجھا اور چائے کے ساتھ ہلکا سا ناشتہ کر لیا۔

رات کا کھانا کھانے کے لیے میں نے سلویا اور بلونت کے ساتھ ڈائننگ ہال کا رُخ کیا۔ ہم ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے ہی تھے کہ میرے ذہن کو ایک جھٹکے سے دوچار ہونا پڑا۔

کیشپ کا پراسرار وجود میرے سامنے تھا۔ اپنی اسی وضع قطع کے ساتھ جس میں وہ مجھے پہلی مرتبہ نظر آیا تھا۔ وہی لمبا سا چغہ، وہی بے ترتیب سی داڑھی اور کانوں میں ویسے ہی بڑے بڑے سے بالے!

بلونت اور سلویا بھی اسے دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔ وہ ڈائننگ ہال سے باہر جا رہا تھا اور ہم ہی لوگوں کو دیکھ کر وہ بھی ٹھٹکا تھا۔ اب اس کی نظریں میری نظروں سے ملی ہوئی تھیں۔ ان سرخ سرخ آنکھوں سے جیسے کوئی برقی رو خارج ہو کر میری آنکھوں سے ٹکرا رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو مجھے یوں لگا تھا۔ جیسے وہ برقی رو میرے پورے وجود کو مفلوج کر کے رکھ دے گی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے غالباً میرے ذہن کی پراسرار قوت بھی حرکت میں آ گئی مجھے خود بخود یوں محسوس ہونے لگا۔ جیسے کیشپ کی آنکھوں

سے خارج ہونے والی برقی رو کو میری آنکھیں بھرپور جواب دے رہی ہوں۔ فوراً ہی کیشپ نے مجھ سے نظریں چرالیں اور تیزی سے قدم اُٹھاتا ہوا، میرے پہلو سے نکل کر ڈائننگ ہال سے باہر چلا گیا۔

اب یکلخت میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔ ذہن پر اچانک جو ایک بوجھ سا آپڑا تھا' اس سے نجات مل گئی تھی میں نے سلویا اور بلونت کی طرف دیکھا۔ وہ بھی مجھے ہی دیکھ رہے تھے۔ میں خفیف سا مسکرادیا اور پھر سرگوشی کرنے والے انداز میں بولا۔

''میں نے کہا تھا، کیشپ بھی اس جہاز پر ہوگا۔''

''وہ تمہیں دیکھ کر حیران رہ گیا ہے۔'' سلویا بولی۔

''ظاہر ہے کہ اسے اس کی توقع نہیں ہوگی۔''

بلونت جو ڈائننگ ہال میں نظریں دوڑانے لگا تھا، آہستہ سے بولا۔ ''پاتھا اور ششما بھی موجود ہیں یہاں۔''

میری اور سلویا کی نظریں اس طرف گئیں جدھر بلونت دیکھ رہا تھا۔ ششما اور پاتھا ایک میز پر بیٹھے ہوئے غالباً چائے یا کافی پی رہے تھے ان کے ساتھ کوئی اور نہیں تھا لیکن یہ قیاس کیا جاسکتا تھا کہ کشیپ انہی کی میز سے اُٹھ گیا ہوگا۔

''انہوں نے ہمیں اب تک نہیں دیکھا ہے۔'' بلونت نے خیال ظاہر کیا۔

''تو اب دیکھ لیں گے۔'' میں نے لاپرواہی سے شانہ جھٹک کر کہا اور قدم آگے بڑھائے۔

سلویا اور بلونت نے میری تقلید کی تھی۔ میں نے اس میز کا انتخاب کیا جو پاتھا کی میز کے قریب تھی میں چاہتا تھا کہ وہ دونوں مجھے دیکھ لیں جیسے ہی ہم کرسیاں گھسیٹ کر بیٹھے، ششما کی نظریں ہم پر پڑگئیں۔ یکلخت س کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ وہ اس طرح میری طرف دیکھتی رہ گئی تھی جیسے کسی نے اس پر سحر کر دیا ہو میں نے دوستانہ انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دی۔ اور مسکرایا لیکن ششما نے اس مسکراہٹ کا جواب نہیں دیا تھا۔ وہ خوفزدہ سی معلوم ہورہی تھی۔ غالباً پاتھا نے اس کی یہ بدلتی ہوئی کیفیت محسوس کرلی تھی۔ اس نے فوراً سر گھما کر دیکھا اور پھر اس کا منہ بھی حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

ایک ویٹر ہمارے قریب آگیا تھا اور سلویا اسے کھانے کے بارے میں ہدایات دینے لگی تھی۔ بلونت کنکھیوں سے پاتھا کی میز کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پاتھا نے اب ہماری طرف سے منہ پھیر لیا تھا۔ اور آہستہ آہستہ ششما سے کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر وہ دونوں بیک وقت اپنی کرسیوں سے اُٹھے اور ہال کے دروازے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ ششما اپنے باپ سے ایک قدم پیچھے تھی۔ ہال سے نکلتے ہوئے اس نے ایک مرتبہ پلٹ کر دیکھا تھا اور اس کے چہرے سے یہ بات صاف ظاہر ہوگئی تھی کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی جس کا اسے موقع نہیں مل سکا تھا۔

''مجھے اب فضا میں تناؤ محسوس ہونے لگا ہے۔'' سلویا ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

''وہ تو ظاہر ہے کہ محسوس ہوگا کیونکہ اب دو حریف کھل کر مقابلے پر آ گئے ہیں۔ اب کوئی آنکھ مچولی نہیں کھیلی جا سکے گی۔ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وار کیے جا سکیں گے۔'' میں نے کہا اور ساتھ ہی یہ بھی محسوس کیا کہ میرے لہجے میں جوش وخروش تھا۔

یہ ایک غلط بات ہوگی۔ اگر کہا جائے کہ میرے جوش وخروش کی کوئی بنیاد نہیں تھی۔ حقیقتاً یہ ایک بہت بڑا سبب تھا کہ اب میرے ہاتھ بھی کیشپ تک پہنچ سکتے تھے۔ اب ایسی صورتِ حال نہیں تھی کہ بوڑھا کیشپ بھی مجھ سے اس طرح کھیل سکتا جیسے بلی چوہے سے کھیلتی ہے۔ اب تو برابر کی چوٹ تھی۔ اب نہ تو میں کیشپ سے بھاگ سکتا تھا اور نہ کیشپ کو مجھ سے دستگاری مل سکتی تھی۔

بلونت کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ کر میں نے کہا۔ ''کیا تم خوفزدہ ہو میرے دوست۔''

''نہیں......'' بلونت نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ میں صرف اس خیال سے پریشان ہوں کہ راجکماری کا کوئی سراغ اب تک نہیں ملا ہے۔''

''کیشپ ہی کو سراغ سمجھو! مجھے یقین ہے کہ اب ہم بہت جلد راجکماری تک پہنچ جائیں گے۔''

ویٹر کھانا لے کر آ گیا تھا اس لیے گفتگو کا سلسلہ رک گیا۔ ویٹر کے جانے کے بعد کھانا بھی شروع ہوا اور باتیں بھی دوبارہ چھڑ گئیں سلویا بار بار مجھے یہ تلقین کر رہی تھی کہ پوری طرح چوکنا رہوں کیونکہ اس مرتبہ کیشپ کی طرف سے کسی بھرپور وار کا قوی امکان تھا۔

''پرواہ مت کرو۔ اب میں اچھی طرح نپٹ لوں گا۔'' میں نے مطمئن لہجے میں کہا۔ ''اب اندھیرے سے کوئی تیر میری طرف نہیں آئے گا۔''

کھانا کھا چکنے کے بعد میری تجویز پر رقص گاہ کا رخ کیا گیا۔ سلویا میرے ساتھ رقص کرتی رہی۔ بلونت نے ایک امریکی لڑکی کو ہم رقص بنا لیا تھا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ جب ہم رقص گاہ سے نکلے اور اپنے اپنے کیبنوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ رات میرے لیے ایک سنسنی خیز رات تھی۔ میں اپنے کیبن میں بستر پر لیٹا ہوا خیالات میں مستغرق تھا۔ یہ ادراک خاصا ہیجان خیز تھا کہ میرا دشمن جانی مجھ سے بہت قریب ہے۔ میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس وقت کیشپ کے خیالات کیا ہوں گے۔ مجھے دیکھنے کے بعد اس پر کیا بیت گئی ہوگی۔ ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ان حالات میں مجھے کیا قدم اُٹھانا چاہیے۔

کافی رات گزر گئی لیکن میں جاگتا رہا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ جہاز پر اب سکوت چھایا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ سمندر کی لہریں غالباً قطعی پرسکون ہوں گی۔ کیونکہ جہاز بڑی سبک روی سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔

دفعتاً کیبن کے دروازے پر دستک ہوئی اور میں چونک کر بستر سے اُٹھ بیٹھا پھر دوسرے ہی لمحے مجھے خیال آیا کہ وہ سلویا

ہوگی لیکن اس سے اگلے پل میں مجھے ایک مدھم سی آواز سنائی دی۔

''دروازہ کھولو! میں ہوں......ششما''

ششما کی آواز سن کر میں ایک بار پھر اچھل پڑا۔ دوسرے ہی لمحے میں بستر سے آ کر دروازے کی طرف جھپٹا تھا لیکن دروازے تک پہنچتے ہی مجھے جیسے ہوش آ گیا۔ مجھے پوری طرح چوکنا رہنے کی ضرورت تھی میں ایک دم مڑ کر اسٹینڈ تک گیا اور اس پر گاؤن اتار کر پہننے لگا۔ پھر میں نے تکیے کے نیچے سے وہ بھرا ہوا ریوالور بھی نکال لیا جو مجھے سلویا نے فراہم کیا تھا۔ اسے میں نے گاؤن کی جیب میں اس طرح چھپا لیا تھا کہ جیب میں میرا ہاتھ اس کے دستے پر گرفت قائم کیے ہوئے تھا۔ اس تیاری کے بعد میں پھر دروازے کی طرف بڑھا جس پر اس دوران میں کئی دستکیں دی جا چکی تھیں۔

میں نے ایک ہاتھ سے دروازہ کھولا اور پھر تیزی سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور شاید ششما سے ٹکرا جاتا جو آندھی طوفان کی طرح اندر آئی تھی۔ پھر اس نے خود ہی جلدی سے دروازہ بند کیا۔ اور مڑ کر میری طرف آئی۔ وہ بھی شب خوابی کے لباس پر گاؤن پہنے ہوئے تھی۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا وہ میری گردن میں دونوں ہاتھ ڈال کر جھول گئی اور بڑے جذباتی انداز میں بولی۔

''آخر تم ایک بار پھر مل ہی گئے۔ آہ......تم نے مجھ پر ایک ہی ملاقات میں کیا جادو کر دیا تھا۔ ارسلان...... میں تمہیں بھول نہیں سکی۔ میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ تم سے پھر ملاقات ہو سکے گی۔''

جیب میں ریوالور پر میری گرفت ختم ہو گئی اور ہاتھ جیب سے نکل کر ششما کی پیٹھ پر پہنچ گیا۔ اس کے بدن کا گداز اور وحشیانہ سا جوش و خروش میرے جذبات کو یکلخت بھڑکا چکا تھا یوں معلوم ہونے لگا تھا جیسے کسی نے بارود کے ڈھیر پر چنگاری پھینک دی ہو۔

''میں تمہیں ڈائننگ ہال میں دیکھتے ہی بے چین ہو گئی تھی۔ اب تک وقت بڑی مشکل سے کاٹا ہے میں نے بس پاپا کے سوتے ہی ادھر نکل آئی ہوں میں نے ایک اسٹیوارڈ سے معلوم کر لیا تھا کہ مسٹر ارسلان کس کیبن میں مقیم ہیں۔''

میرے تصور میں ایک خوابناک سا نسوانی چہرہ ابھر آیا وہی چہرہ جو میرے جذبات کو مہمیز کرتا تھا لیکن آج میں نے اس چہرے میں ایک عجیب سی بات محسوس کی ہمیشہ وہ چہرہ مجھے مسکراتا ہوا نظر آتا تھا۔ لیکن آج اس دلکش چہرے پر مسکراہٹ کے بجائے اضطراب و پریشانی کی گھٹا سی چھائی ہوئی تھی۔ آج وہ چہرہ کچھ اداس معلوم ہو رہا تھا۔ مگر اداسی نے اس چہرے کی دلکشی کچھ اور سوا کر دی تھی۔ چند ہی لمحوں میں وہ چہرہ حسب معمول میرے تصور کے پردے سے غائب ہو گیا۔ لیکن میرے جذبات اب پوری طرح بے ساختہ ہو چکے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ کب اور کس طرح میرے ہونٹ ششما کے ہونٹوں پر قابض ہو گئے تھے۔

رنگوں کی برسات ہونے لگی۔ میرے جسم میں پارہ جیسے کھنکھنانے لگا۔ میں نے ششما کو اپنی گود میں اُٹھا لیا۔ کیبن کے سکوت میں اب صرف تنفس کی دھیمی دھیمی سی گونج سنائی دے رہی تھی۔ اس دھیمی دھیمی سی لذت آمیز گونج میں مجھے اپنے جذبات

چٹختے ہوئے محسوس ہورہے تھے اور ششما کا بدن گیلی لکڑی کی طرح سلگ رہا تھا۔ وہ پسینے میں نہائی ہوئی تھی۔ اس پسینے میں اس کے بدن کی خوشبوئیں مہک رہی تھی۔ وہ خوشبوئیں جو انسانی زندگی کے ان لمحات میں گویا حاصل زندگی بن جاتی ہیں۔

خود فراموشی کے ان لمحات کو ثبات نہیں ہوتا، سو ان لمحات کے ساتھ بھی ہوا۔ میرے اور ششما کے ساتھ وہ لمحات بھی بکھر گئے۔ میں بستر پر پڑا لمبی لمبی سانسیں لیتا رہا۔ میری آنکھیں بند تھیں۔ اور ششما کا سر میرے دائیں بازو پر رکھا ہوا تھا۔ کوئی تین چار منٹ بعد میں نے آنکھیں کھولیں اور آہستگی سے سر گھما کر ششما کی طرف دیکھا۔ دیکھا اور چونک پڑا۔ نہ صرف چونکا بلکہ بوکھلا کر اُٹھ بیٹھا۔

ششما...... ششما!'' میں اسے پکارنے لگا۔

ششما کی آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ اس طرح بار بار کھل کر بند ہورہے تھے جیسے سانس اکھڑ رہی ہو۔ چہرہ نیلاہٹ کی طرف مائل تھا۔ جب میں نے اس کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑا تو اس نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔

''ششما! کیا ہورہا ہے تمہیں؟ کیا ہوگیا؟''

''میں...... میں مر رہی ہوں...... ارسلان! میں پاپا کی دی ہوئی سزا پوری...... کر رہی ہوں......''

''کیا!'' میں تقریباً چیخ پڑا۔ '' کیسے! یہ کیسے ممکن ہے؟''

''مقدس بابا کے ارشاد کے مطابق...... ان کے دیے ہوئے زہر سے...... ان کی خوشنودی کی خاطر۔ ششما آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی مجھے تمہاری ہی وجہ سے سزا ملی ہے...... اس رات میں تم کو...... اوپری منزل کے اس کمرے میں...... لے گئی تھی نا؟...... مجھ سے بہت بڑی خطا ہوئی تھی۔ مقدس بابا نے مجھے معاف نہیں کیا تھا...... انہوں نے کہا تھا کہ وقت آنے پر وہ مجھے سزا ضرور دیں گے...... اور آج وہ وقت...... آ ہی گیا...... انہوں نے پاپا کو حکم دیا کہ وہ مجھے زہر دے دیں...... ایک عجیب وغریب زہر...... اس زہر کے بارے میں مقدس بابا کے سوا کوئی نہیں جانتا...... وہ زہر میرے جسم پر مل دیا گیا تھا۔''

''جسم پر؟'' میرے لہجے میں حیرت تھی۔ ایسا کرنا کیا ضروری تھا۔؟

''اس لیے کہ جو میرے قریب آئے وہ بھی موت کی آغوش میں آجائے۔ میرے جسم سے نکلنے والا پسینہ تمہارے مساموں کے ذریعہ تم کو بھی موت کے قریب پہنچا چکا ہے۔ اب اپنی فکر کرو ارسلان! میں تو مر رہی ہوں۔ تم شاید کسی طرح خود کو بچانے میں کامیاب ہوجاؤ۔

ششما بہت آہستہ آہستہ اور بہت رک رک کر بول رہی تھی مجھے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے اس کی آواز بہت دور سے کسی کنوئیں کی گہرائی سے ابھر رہی ہو۔ میں نے سکتے کے عالم میں یہ اطلاع سنی تھی کہ زہر میرے جسم میں بھی داخل ہوچکا ہے۔

ششما کے چہرے پر پھیلی ہوئی نیلاہٹ اب کافی گہری ہوچکی تھی۔ وہ بڑے جذباتی انداز میں بولی۔ ''میرے محبوب! تم ضرور سوچو گے کہ میں نے تمہاری موت کا ذریعہ بننا کیوں پسند کرلیا۔ تو سنو...... اگر میں ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہوتی تو وہ زہر میرے

جسم پر زبردستی مل دیا جاتا۔ اور میں بے ہوشی کی حالت میں تمہارے کیبن تک پہنچا دی جاتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کوئی اور طریقہ اختیار کرتے......لیکن یہ بات طے ہے...... کہ......نتیجہ وہی نکلتا جواب نکلا ہے۔'' ششما کی آواز بہت مدھم پڑ گئی تھی۔ ''جو شخص مقدس بابا کی نظروں میں معتوب ہو جاتا ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت موت سے نہیں بچاسکتی...... اسی لیے میں نے سوچا تھا کہ اس موقع سے فائدہ اُٹھالوں۔ میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے تبھی سے میری یہ خواہش تھی کہ مجھے تمہاری قرب حاصل ہو جائے۔ میں کچھ دیر کے لیے تمہاری آغوش میں سمٹ جاؤں۔'' ششما نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسکا چہرہ بالکل نیلا ہو چکا تھا۔

''ششما......ششما......'' میں نے بوکھلا کر اسے پکارا۔'' کیا واقعی مجھ پر بھی زہر کا اثر ہو گیا ہو گا؟

ششما نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر آواز نہیں نکل سکی۔ اس نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر اسے ایک ہچکی آئی جس کے بعد اس کی نبضیں ڈوب گئیں اور دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا۔

اپالو نے ایک اور بھینٹ لے لی تھی۔

اچانک مجھے اپنی طبیعت گرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ شاید زہر نے کام کرنا شروع کر دیا تھا......اور یہ بھی ممکن ہے کہ ششما کی باتوں کا نفسیاتی اثر پڑ رہا ہو۔ بہر حال میں گھبرائے ہوئے انداز میں کیبن کے دروازے کی طرف لپکا۔ میں جلد اجلد سلویا اور بلونت تک پہنچنا چاہتا تھا کہ انہیں اس صورت حال سے آگاہ کر دوں۔

میں دروازہ کھول کر باہر نکلا تو میرے قدم ڈگمگا رہے تھے اور دماغ میں سائیں سائیں ہونے لگی تھی۔ سلویا کی بہ نسبت بلونت کا کیبن زیادہ قریب تھا۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا دروازہ پیٹ ڈالنا چاہا مگر ہاتھوں کی پہلی ہی ضرب سے دروازہ کھل گیا تھا۔ اندر سے کنڈی لگی ہوئی نہیں تھی۔

''بلونت...... بلونت!'' میں اسے پکارتا ہوا بے تحاشا اندر داخل ہو گیا۔ لیکن کیبن میں جو منظر دکھائی دیا تھا اس نے مجھے حواس باختہ کر دیا۔

بلونت کے بستر پر سلویا بھی موجود تھی۔ وہ دونوں برہنہ تھے۔ اور دونوں کے سینوں میں خنجر پیوست تھے۔ خون سے سارا بستر سرخ ہو چکا تھا۔ ان دونوں کو دم توڑے ہوئے شاید خاصی دیر ہو چکی تھی۔

اف میرے خدا۔ کیا میرے جلو میں تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا......؟

سلویا اور بلونت کی موت اس طرح ہوئی تھی کہ میرے دل سے درد کی لہریں پھوٹنے لگی تھیں اور میں اس کے سوا کچھ نہیں سوچ سکا تھا کہ ان کی موت میں کیشپ ہی کا ہاتھ ہو گا۔ منحوس کیشپ میرے ساتھیوں پر بھی وار کر بیٹھا تھا۔

اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری ٹانگوں کی ساری جان نکل گئی ہو۔ میں ایک دم بیٹھتا چلا گیا اور پھر فرش پر ایک طرف لڑھک گیا۔ مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا معلوم ہونے لگا تھا۔ سارے مسام پسینہ اگل رہے تھے۔ میں نے چیخنا چاہا مگر آواز نہیں

نکل سکی۔ زہراپنی تمام تر ہلاکت آمیزیوں کے ساتھ میرے جسم کے ریشے ریشے پر قابض ہو چکا تھا۔

اچانک کیبن کا دروازہ کھلا اور کئی افسر اندر گھستے چلے آئے۔ ان میں جہاز کے کپتان کا نائب بھی تھا۔ کیبن کا منظر دیکھ کر وہ سب دم بخود رہ گئے۔ ادھر میری یہ حالت تھی کہ اپنے جسم کے کسی بھی حصے کو معمولی سی بھی حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ حتیٰ کہ آنکھیں بھی پتھرا کر رہ گئی تھیں۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ میری بینائی زائل نہیں ہوئی تھی میں دیکھ سکتا تھا۔

آنے والوں میں سے ایک شخص مجھ پر جھک گیا۔ اس نے اپنا ایک کان میرے سینے سے لگا دیا۔ پھر نبض دیکھی اور اس کے بعد مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کپتان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ مر چکا ہے۔''

میرا ذہن الجھ گیا۔

کیا واقعی یہ موت تھی؟ مگر یہ کیسی موت تھی؟ میں دیکھ سکتا تھا، محسوس کر سکتا تھا، سن سکتا تھا، سوچ سکتا تھا، بس صرف حرکت ہی تو نہیں کر سکتا تھا۔ تو کیا حرکت نہ کرنے ہی کا نام موت ہے۔؟''

میں نے بہت سے مردے دیکھے تھے جن میں کوئی حرکت نہیں ہوتی مگر شاید وہ بھی میری طرح سب کچھ محسوس کر سکتے ہوں۔

یہ ماننے کے سوا میرے لیے کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ یہ کیفیت موت ہی کی کیفیت تھی۔

میں مر چکا تھا۔ اپالو ختم ہو گیا تھا۔

تباہی و بربادی کا دیوتا آج خود فنا ہو گیا تھا۔

(اس دلچسپ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ ہفتے کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا)

اپنی تلاش میں سرگرداں، تباہی و بربادی اور حسن و عشق کے دیوتا کی داستانِ عجیب

اپالو

(دوسرا حصہ)

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی

علی میاں پبلی کیشنز

20-عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور

فون: 042-37247414

نوٹ:



ڈاکٹر صابر علی ہاشمی تخلص: صابر

پیدائش: دسمبر 1967ء ضلع مظفر گڑھ پنجاب

تعلیم: بی ایس سی' ڈی۔ایچ۔ایم۔ایس' ڈی۔ٹی۔ایس (آرتھوڈونٹکس)

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی بنیادی طور پر نثر نگار ہیں' انہوں نے لکھنے کا آغاز اسکول کے زمانے سے ہی کر دیا تھا۔ابتداء میں چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھیں جو بچوں کے مختلف رسائل میں شائع ہوئیں۔ کالج میں پہنچنے سے قبل ہی کراچی کے مختلف ڈائجسٹوں میں ان کی کہانیاں شائع ہونے لگیں' ان کے والد کا تعلق بھی صحافت سے تھا۔جو اپنے وقت کے مقبول اخبار روزنامہ مساوات' ہفت روزہ صحافت' روزنامہ تلوار وغیرہ سے منسلک رہے۔یہی وجہ تھی کہ ان کو رہنمائی اپنے گھر سے ہی ملی۔وہ طبعزاد کہانیاں لکھنے کے ساتھ ساتھ تراجم بھی کرنے لگے۔

ایک معروف ادارے کے فلمی رسالے سے وابستہ ہو کر صحافتی زندگی کی ابتدا کی' فطری طور پر شاعر ہونے کی وجہ سے اکثر اَدبی محفلوں میں شرکت کرنے لگے اور یوں اچھا خاصا کلام جمع ہو گیا اور ''گوشۂ قلب'' وجود میں آیا۔کئی طویل کہانیاں تخلیق کر چکے ہیں' جن میں سے ''سوچ نگر کا مسافر'' اور ''تیاگی'' کے علاوہ چھوٹے چھوٹے کئی ناول کتابی شکل میں آ چکے ہیں' کچھ تیاری کے مراحل میں ہیں۔نوجوانوں کے لیے نفسیاتی مسائل اور ان کی رہنمائی پر بھی چند کتب تحریر کر چکے ہیں۔اُردو الفاظ کی تحقیق سے متعلق ''لفظوں کا دلچسپ سفر'' کتابی شکل میں موجود ہے اور ''نوبل انعام یافتگان......ادیب و سائنس داں'' اور ان کے ادبی افسانوں کا مجموعہ ''آبگینہ'' کے نام سے بہت جلد شائع ہو رہے ہیں۔

کئی ملکی اور بین الاقوامی رسائل کی ادارت کے فرائض انجام دے چکے ہیں' جن میں پندرہ روزہ اخبار اقوام' پندرہ روزہ شرف' روزنامہ امت' ماہنامہ رابطہ' ماہنامہ عمران ڈائجسٹ وغیرہ شامل ہیں۔ان دنوں ایک معروف اشاعتی ادارے سے منسلک ہیں۔

انہوں نے خود بھی ادبی ہفت روزہ ''قلمکار'' ماہنامہ ''بچے'' پندرہ روزہ ''شائننگ اسٹار'' کا اجرا کیا اور کامیابی حاصل کی۔شعبۂ درس و تدریس سے بھی وابستہ رہے۔آج کل بچوں کے لیے تدریسی کتب پر کام کر رہے ہیں۔جن میں اُردو اور اسلامیات شامل ہے۔

ان کی تحریروں اور کلام میں جہاں رومان ہے' وہیں معاشی اور معاشرتی زندگی کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ان کے ذہن اور وجود میں ایک بے چینی ہے' جس کا اظہار وہ اپنی تحریروں کے ذریعے کرتے ہیں۔انہوں نے اپنا کافی وقت معروف ادباء و شعراء کی محفلوں میں گزارا ہے اور اکثر اپنا وقت مطالعے میں گزارتے ہیں' وہ کہتے ہیں: ''طلسم ہوش رُبا اور گلستاں و بوستاں کے مطالعے کے بعد مجھ میں لکھنے کی تحریک پیدا ہوئی تھی۔'' یہ حقیقت ہے اور اس کا اظہار ان کی تحریروں سے ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صابر علی ہاشمی حساس اور فکر انگیز طبیعت کے مالک ہیں' اس کا اندازہ ان کے اشعار سے بھی ہوتا ہے۔

کچھ لوگ زمانے میں ایسے بھی تو ہوتے ہیں
محفل میں جو ہنستے ہیں' تنہائی میں روتے ہیں
یہ درد کے ٹکڑے ہیں اشعار نہیں صابر
ہم کانچ کے دھاگوں میں زخموں کو پروتے ہیں

جو لوگ کیبن میں آئے تھے وہ کچھ دیر تک تو مختلف النوع تبصرے کرتے رہے اور پھر نائب کپتان کی ہدائت پر کیبن سے چلے گئے۔ان کے پیچھے پیچھے نائب کپتان بھی چلا گیا تھا۔

میں حرکت تو ذرا بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن میرے ذہن کے دروازے کھلے ہوئے تھے جن کی راہ سے خیالات کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ گزرے ہوئے محیر العقول واقعات قطار در قطار چلے آرہے تھے۔ میں عجیب عجیب مشکلات سے صاف بچ نکلا تھا مگر جب منحوس کیپٹن سے میرا سامنا ہوا تو میں اس کی ایک معمولی چال کا شکار ہو گیا۔ اگر میں نے ششما کے معاملے میں اپنے جذبات کو قابو میں رکھا ہوتا تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔

مجھے یاد آیا جب میں ششما سے ملا تھا تو میرے تصور میں ابھرنے والا وہ نسوانی چہرہ جو میرے جذبات کو سوا دیتا تھا بہت بجھا بجھا سا تھا۔حزن و ملال کی سی کیفیت تھی چہرے پر! بالکل یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کو فرشتہ اجل کی وہ پرچھائیں نظر آ گئی ہو جو میرے سر پر منڈلا رہی تھی۔ یہ میرے لیے حیرت انگیز بات تھی کہ وہ چہرہ میرے ناگہانی انجام سے باخبر ہونے کے باعث اس طرح دکھی ہو گیا تھا جیسے وہ کوئی خیالی وجود نہ ہو۔ جیسے وہ کسی جیتی جاگتی ہستی کی تصور ہو جو میرے ذہن پر یوں مرتسم ہوئی تھی کہ میں لاکھ سر جھٹکوں مگر نکل نہ سکے۔ بھولنا چاہوں تو بھول نہ سکوں۔

آخر وہ کون تھی؟...... میرا ذہن اس کے اسرار میں الجھا رہا۔ میں نے قیاس کیا کہ شاید وہ میری گمشدہ شخصیت سے کوئی وابستگی رکھتی ہو لیکن اس کا میں اندازہ بھی نہیں لگا سکا کہ وہ وابستگی کس قسم کی ہوگی! اب جبکہ میں مر چکا تھا تو اس بات کے امکانات بھی باقی نہیں رہے تھے کہ میں کبھی اپنی شخصیت پر تنے ہوئے اسرار کے پردے چاک کر سکوں گا۔

اس نسوانی اور بظاہر خیالی چہرے کے بارے میں سوچتے سوچتے مجھے ششما کا خیال آیا۔ سانولی سلونی لڑکی! اس کے ساتھ گزرے ہوئے زندگی کے آخری لمحات کتنے حسین تھے!...... وہ سب کچھ یاد کر کے میرا دل جیسے تڑپ اٹھا...... مگر نہیں...... دل کی تڑپ تو حرکت کی طرف اشارہ کرتی ہے جبکہ میرا دل ساکن تھا۔حرکت کی قوت سے یکسر محروم...... دل کے تڑپنے کا احساس ایک ذہنی عکس تھا۔ غالباً میرے ذہن کے کچھ اندرونی گوشے ابھی مردہ نہیں ہوئے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ موت، ذہن کے ان حصوں پر اثر انداز ہی نہ ہوتی ہو انسان مر کر بھی اپنے احساسات کی دنیا میں زندہ رہتا ہو۔ جسمانی تکلیف نہ ہوتی ہو مگر ذہن دکھ سکھ کے تاثرات قبول کر لیتا ہو مجھے وہ جملہ یاد آیا جو میں نے اکثر لوگوں کو کسی بات پر کہتے سنا تھا کہ مرنے والے کو تکلیف ہوگی میں ایسے جملوں پر ہمیشہ ہنس پڑتا تھا مگر اب؟...... اب مجھے اپنے اس ہنسنے پر ہنسی آرہی تھی۔

اچانک میرا دل ایک عجیب سی مسرت آمیز کیفیت سے دھڑک اُٹھا (ذہنی طور پر) مجھے خیال آیا تھا کہ اب مجھ پر وہ اسرار منکشف ہوں گے جن کے بارے میں ہر زندہ انسان کبھی نہ کبھی سوچتا ضرور ہے۔

موت کے بعد کیا ہوگا......؟

مجھے اس سلسلے میں مختلف مذاہب اور مختلف فلسفیوں کے نظریات یاد آئے اور میں نے سوچا' اب بہت جلد مجھے علم ہو جائے گا کہ کون سا نظریہ واقعی درست تھا۔ اس سلسلے میں حقیقت کے دروازے مجھ پر کھلنے ہی والے تھے لیکن میں اپنی یہ معلومات ان لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا تھا جن کے لیے یہ حقیقت کسی اہمیت کی حامل ہو سکتی تھی۔ میں بھی اس لمحے اتنا ہی بے بس تھا جتنا مجھ سے پہلے مرنے والے رہے ہوں گے آخر انہیں بھی تو ساری حقیقت کا علم ہوا ہو گا مگر وہ...... ان میں سے کوئی ایک بھی ...... اپنی معلومات زندہ رہنے والوں تک نہیں پہنچا سکا تھا۔

مجھے ایک بار پھر ششما کا خیال آیا کیسی بھولی لڑکی تھی۔ خاموشی سے اپنے باپ کی خواہش کے آگے سر جھکا کر چپ چپاتے موت کو گلے لگا بیٹھی۔ میں نے غور کیا مگر فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ ششما کی انتہائی فرمانبرداری کا جذبہ تھا یا میری قربت حاصل کرنے کی بے پناہ خواہش جس نے اس کے دل سے موت تک کا خوف دور کر دیا تھا۔

اور پھر پاتھا کا خیال آیا...... ایک باپ جس نے اپنے دوست کی خاطر اپنی اکلوتی اولاد کو قربان کر دیا تھا مگر شاید کیشپ اس کا صرف دوست ہی نہ ہو کچھ اور بھی ہو۔

مذہبی پیشوا......! انتہا کے مذہبی جذبات انسان کو اندھا کر دیتے ہیں۔ تاریخ میں ایسی کتنی ہی مثالیں موجود ہیں جب مذہب پر انسان نے اپنا سب کچھ نچھاور کر دیا۔

یہ بھی عین ممکن تھا کہ پاتھا اپنی مرضی سے کچھ نہ کر رہا ہو۔ وہ کیشپ کی پراسرار قوتوں کے زیر اثر محض ایک کٹھ پتلی بن کر رہ گیا ہو۔ مگر یہ آخری توضیح کچھ دل کو نہ بھائی۔ میں نے پاتھا کو دیکھا تھا۔ کیشپ کے ساتھ بھی دیکھا تھا۔ اس کے رکھ رکھاؤ میں احترام کا جذبہ تھا۔ کٹھ پتلیوں کی سی مشینی حرکت نہیں تھی۔ وہ ایک اسمگلر تھا اس لیے امکانات اس بات کے تھے کہ وہ مذہبی دیوانہ نہ ہو تو پھر ہوشمند ہوتے ہوئے اس نے اپنی اکلوتی اولاد کو کس طرح اپنے قابل احترام دوست کو خواہش پر یوں قربان کر دیا۔ کیا اسے اپنی بیٹی سے محبت نہیں تھی؟

پہلی بار میرے ذہن میں ششما کی موت کے بارے میں شکوک وشبہات نے جنم لیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی موت محض ایک ڈراما رہی ہو؟

مجھے ششما کی آخری حالت یاد آئی۔ اس کے آخری الفاظ کانوں میں گونجے...... نہیں، وہ ہرگز جھوٹ نہیں ہو سکتے تھے۔ ششما جیسی بھولی لڑکی اتنا کامیاب ڈراما نہیں کھیل سکتی تھی کہ مجھ جیسا تجربہ کار آدمی دھوکہ کھا جائے۔

یہ پہلی بار مجھے خیال آیا کہ شاید...... میں ابھی مرا نہیں ہوں۔ یہ ممکن تھا کہ ششما کے جسم پر ملا ہوا زہر اثر انداز ہو کر جسم کو بے حس بنا دیتا ہو۔ حرکت کرنے کی قوت سلب ہو جاتی ہو مگر موت واقع نہ ہوتی ہو۔ اگر میرا یہ خیال درست تھا تو پھر بظاہر ہر مردہ جسم کو حرکت کے قابل بنانے کے لیے یقیناً زہر کا کوئی نہ کوئی توڑ بھی رہا ہوگا۔

پہلی بار میرا یہ خیال محض دل کو تسلی دینے کے لیے ایک اچھوتا خیال نظر آیا مگر جوں جوں میں نے اس سلسلے میں ذہن پر زور دیا۔ یہ خیال ذہن میں جڑ پکڑتا چلا گیا کہ میں مرا ہرگز نہ تھا۔ میں کسی عجیب وغریب زہر کے استعمال سے بے بس ہو چکا تھا مگر میری یہ حالت عارضی ہو سکتی تھی۔ زہر کا تریاق استعمال کرنے پر میں ایک بار پھر تندرست ہو سکتا تھا۔

لیکن یہ خیال کہ شاید میں ابھی مرا نہیں ہوں کچھ زیادہ فرحت کا باعث نہیں ہوا۔ کیونکہ بے بسی کی موجودہ حالت میں، میں زہر کا تریاق کس طرح سے استعمال کرتا۔ میں اگر ابھی موت کے چنگل سے بچا ہوا تھا تو کیا ہوا۔ کیشپ بھی تو زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ جو مجھے یوں بے بس کر سکتا تھا یقیناً مار بھی سکتا تھا اور اب تو غالباً مجھے مارنے کے لیے اسے کچھ کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ محض تریاق کا استعمال ہونے دینا ہی میری یقینی موت کا باعث ہو سکتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ موجودہ حالت میں زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکوں گا اور ایک مدت گزرنے کے بعد یقیناً تریاق بھی بے اثر ثابت ہوگا۔

میں نہ جانے اور کیا کیا سوچتا مگر اسی وقت کیبن کا دروازہ کھول کر دو تین افراد آ گئے۔ ان میں سے ایک نے جھک کر مجھے دیکھا تو میں نے اسے فوراً پہچان لیا۔ وہ جہاز کا کپتان تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے آدمی شاید خلاصی رہے ہوں گے کیونکہ اس نے انہیں اسی انداز میں حکم دینے شروع کر دیے تھے جیسے نچلے درجے کے ملازمین کو دیے جاتے ہیں۔ اس نے انہیں حکم دیا کہ وہ مجھے اُٹھا کر میرے کیبن میں لے جائیں۔ اس نے بلونت اور سلویا کی لاشوں کو نہ چھیڑنے کی ہدایت بھی دی تھیں۔ خلاصیوں نے اس کے حکم کے مطابق مجھے اُٹھایا۔ اور میرے کیبن کی طرف لے چلے۔ مجھے یقین تھا کہ میرے کیبن کا دروازہ کھولتے ہی وہ لوگ بڑے زور سے چونکیں گے کیونکہ وہاں میرے بنکر

پر انہیں ششما کی لاش نظر آئے گی۔ مگر میرا خیال غلط نکلا اور جب انہوں نے بیدردی سے میری ''لاش'' میرے بنکر پر اچھال دی تو میں حیران ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ ششما کی لاش وہاں نہیں تھی۔ یقیناً اسے پہلے ہی وہاں سے ہٹا لیا گیا تھا۔ یا تو یہ حرکت پا تھا اور کیشپ کی تھی یا پھر جہاز کا کپتان بھی کیشپ سے ملا ہوا تھا۔

میرا دوسرا خیال ہی درست نکلا۔

ذرا دیر بعد کپتان دو اور آدمیوں کے ساتھ میرے کیبن میں آیا۔ ان کی باتوں سے مجھے فوراً اندازہ ہو گیا کہ اس بار کپتان کے ساتھی کون لوگ تھے۔ ایک کیشپ تھا اور دوسرا پا تھا۔ کیشپ نے مجھے ہلا جلا کر دیکھا اور جب وہ مجھ پر جھکا ہوا میرے جسم کا جائزہ لے رہا تھا تو مجھے اس کی منحوس شکل نظر آئی تھی جھریوں والے بوڑھے چہرے پر طمانیت اور فتح مندی کی کیفیت دیکھ کر میرا دل چاہا کہ میں ہاتھ اُٹھا کر اس کا منہ نوچ لوں مگر یہ خیال میرے ذہن میں گھٹ کر رہ گیا۔ میرا جسم مفلوج اور حرکت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ میں نے بلا کی بے بسی محسوس کی اور جیسے خون کے آنسو رو کر رہ گیا۔

اپالو......!

جو دوسروں کو بے بس کرتا تھا۔ خود بے بس ہو گیا تھا۔......!

تباہی و بربادی کا مجسمہ...... خود تباہی کے کتنے نزدیک پہنچ چکا تھا۔!!!

''برابر کے کیبن میں جو لاشیں پڑی ہیں' ان کے بارے میں کیا ہدایات ہیں؟'' جہاز کا کپتان شاید کیشپ سے پوچھ رہا تھا۔ اس کا لہجہ مودبانہ تھا۔

''تمہارے جہاز پر جتنے با اثر افراد سفر کر رہے ہوں ان کو دکھا کر ان کی لاشیں اٹھوا لو۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہ اس خیال کو ہوا دیں کہ مرنے والے چوری چھپے رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ لڑکی کے عاشق نے دیکھا تو غصے میں دونوں کو مار دیا اور خود پکڑے جانے کے خوف سے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔''

''مگر عاشق کے طور پر کس کا نام لیا جائے گا۔؟'' کپتان نے پوچھا۔

''اس کا...... یہ ان دونوں کے ساتھ ہی سفر کر رہا تھا اور لڑکی اس کی محبوبہ تھی۔ جہاز کے مسافروں نے یقیناً انہیں بے تکلفی سے باتیں کرتے دیکھا ہو گا۔''

''ہاں...... مگر میرے آدمیوں کی بے وقوفی سے ایک ڈاکٹر اور ایک مسافر ان صاحب کو اس حالت میں دیکھ چکے ہیں۔''

کپتان نے معذرت خواہی کے انداز میں کہا

''کوئی بات نہیں...... تم ان لوگوں کو میرے پاس بھیج دینا سب ٹھیک کر لوں گا۔ بلکہ یہ بہتر رہے گا کہ وہ لوگ خود ہی گواہی دیں کہ انہوں نے اس کو اپنے ساتھیوں پر حملہ کرتے دیکھا اور پھر وہ جہاز سے سمندر میں چھلانگ لگاتا ہوا بھی نظر آیا......''

''اگر ایسا ہو جائے گا تو...... پھر کوئی مسئلہ نہیں......''

کپتان نے کہا...... پھر کچھ خیال آیا تو اس نے اضافہ کیا ''مگر اس کا کیا ہوگا؟'' کیا اسے بھی ٹھکانے لگانا ہے۔ میرے خیال سے سمندر۔''

مگر کیشپ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''تم اس کی فکر نہ کرو میں اس کا کچھ نہ کچھ انتظام کر ہی لوں گا۔ جاؤ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کی تکمیل کے انتظامات کرو۔''

کپتان چپ چاپ رخصت ہولیا۔ میں نے اس کے قدموں کی آواز سنی، کیبن کا دروازہ کھلا اور بند ہوگیا۔ چند لمحے کیبن میں خاموشی رہی شاید کیشپ اور پاتھا اپنے اپنے خیالوں میں گم تھے۔ میں بیتابی سے ان کے بولنے کا منتظر تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ میرے بارے میں کوئی نہ کوئی کام کی بات ضرور کہیں گے۔

پاتھا نے خاموشی توڑی ''مقدس بابا...... آپ کی خواہش پوری ہوگئی۔ آپ کا دشمن فنا ہوگیا۔ اب آپ کا ارادہ کیا ہے۔ کیا اب بھی سیلون تک جانا ضروری ہے۔؟''

ایک لمحے بعد کیشپ نے کہا۔ ''نہیں...... ہم سیلون نہیں جائیں گے لیکن آئندہ کے لیے ابھی میں نے کچھ سوچا نہیں۔ میں اس بدبخت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے اس کو بڑی محنت سے پالا پوسا تھا۔ مگر اس نے میری تباہی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اور آج......!'' کیشپ نے ایک لمبی سانس لی تھی اور جملہ ادھورا چھوڑ کر ہی خاموش ہوگیا تھا۔

پاتھا نے جیسے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ''لیکن...... آخر یہ کون ہے۔؟''

کمرے میں بڑی بوجھل سی خاموشی چھا گئی۔ اگر میرا دل حرکت کرسکتا تو یقیناً بڑے زور سے دھڑک اُٹھتا۔ ذہنی شور پر، شدید جوش کی ایک اضطراب آمیز کیفیت مجھ پر طاری ہوگئی تھی۔ کیونکہ میں نے محسوس کیا تھا کہ بڈھا کیشپ پاتھا کو اس کے سوال کا جواب ضرور دے گا اور اس کا جواب میری ذہنی الجھنوں کا حتمی حل ثابت ہوسکتا تھا۔

بڈھے نے کہا۔ ''تم اسے میرا بیٹا کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ میں نے اسے بیٹوں کی طرح پالا اور وہ تربیت دی جو کوئی باپ اپنے بیٹے کو نہیں دے سکتا۔ میں نے اسے اپنے سے کچھ زیادہ قوتیں بخشیں۔ مگر...... مگر میں جو چاہتا تھا وہ نہیں ہوا۔ اس کی بدبختی نے اسے سرکشی کی راہ سمجھائی اور آج...... آج یہ کتنا بے بس میرے قدموں پر پڑا ہے۔ میں اسے یوں چٹکی مسلتے ختم کرسکتا ہوں۔ میرا ارادہ بھی یہی تھا مگر اب......!''

ایک بار پھر بڈھا کیشپ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہوگیا تھا۔ میرے ذہن میں جیسے طوفان جنم لے رہے تھے۔ بڈھے کیشپ نے جو کچھ کہا تھا وہ اگرچہ میری شخصیت پر کوئی روشنی نہیں ڈالتا تھا مگر...... اس کی باتیں پھر بھی میرے لیے حیرت کا باعث تھیں۔ اب یہ کوئی کم حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ بڈھا کیشپ مجھے بیٹوں کی طرح پالے، مجھے وہ تربیت دے جس پر میں فخر کرسکتا ہوں اور پھر مجھے یوں اپنے

ہاتھوں سے مار ڈالے۔ آخر وہ مجھ سے کیا چاہتا تھا کہ میں نے اس کا کہنا نہیں مانا اور سرکش ہو کر اسی سے ٹکرا گیا۔ آخر وہ کون سی بات تھی جو باپ بیٹوں کے درمیان یوں آڑے آئی کہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ دشمن بھی کیسے...... جانی دشمن۔!!!

بڈھا ایک مرتبہ پھر بولا ''میں آج بھی یہی چاہتا ہوں کہ کسی طرح یہ میری بات مان لے اسے مارنے کا ارادہ مجبوری کا تقاضا تھا۔ ورنہ میری کوشش یہی تھی کہ کسی طرح یہ سرکشی چھوڑ کر میرا تابعدار ہو جائے۔ کلدیب کور کو اغوا کرنے کا مقصد یہی تھا کہ اس طرح میں اس پر دباؤ ڈال کر اسے اپنی بات منوانے پر مجبور کر دوں گا۔ مگر اس کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ اور اب اس کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ آج یہ میرے قدموں پر یوں بے بس پڑا ہے تو...... نئے سرے سے امید بندھی ہے کہ شاید......شاید میں اپنے مقاصد میں کامیاب ہو ہی جاؤں۔''

بڈھا کیشپ خاموش ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اب کچھ اور نہ کہے گا۔ پاتھا بھی خاموش رہا۔ میں بے چین ہو گیا۔ میرے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ گفتگو کا سلسلہ اس موقع پر نہ ٹوٹے اور پاتھا بڈھے سے پوچھے کہ اب وہ کس طرح اپنا مقصد حاصل کر سکتا ہے۔ کیا وہ کسی طرح میری بے بسی سے فائدہ اُٹھانے کی سوچ رہا تھا؟ کیا وہ کسی طرح مجھے استعمال کر سکتا تھا؟ مجھے' جو یوں بے بس پڑا تھا جیسے لکڑی کا ایک وزنی شہتیر......!

''اوہ پاتھا...... پاتھا......'' میری شدید خواہش نے جیسے الفاظ کا جامہ پہن لیا۔ ''بڈھے سے پوچھو۔ کیسے؟ کیسے؟''

پتا نہیں یہ اتفاق تھا یا میری خواہش کسی طرح پاتھا کو متاثر کر گئی تھی کہ وہ یکلخت بول اُٹھا کیسے؟

پاتھا کی آواز میں خفیف سی مگر غیر فطری لرزش تھی۔ بڈھے کیشپ نے بھی شاید اسے محسوس کیا ہو گا کیونکہ اس نے چونک پڑنے کے انداز میں سوال کیا۔ ''کیوں......تم کیوں پوچھتے ہو......؟''

پاتھا سے کوئی جواب نہیں بن پڑا ہو گا کیونکہ اس کے منہ سے کچھ بے ہنگم سی بے معنی آوازیں نکلیں پھر وہ خاموش ہو گیا۔ کیشپ نے ایک لمحے کچھ سوچا پھر بولا۔ ''یہ میرے رحم و کرم پر ہے۔ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ اس بات کے امکانات ہیں کہ میں اس کے ذہن کو اس کی مرضی کے خلاف رام کر لوں۔''

''مگر کیسے؟'' میں نے ایک بار پھر جیسے اپنی خواہش کو الفاظ کا جامہ پہنایا۔

فوراً ہی پاتھا نے کہا۔ ''مگر کیسے۔؟''

''زہریلی دواؤں کے استعمال سے ذہن کو اس حد تک بیکار کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنا اچھا برا نہ سوچ سکے۔ اور ایک بار ایسا ہو گیا تو ارسلان سرکشی کے قابل ہی نہ رہے گا پھر میں اس سے من مانی کرا سکوں گا۔ پھر وہ ہو سکے گا جس کے لیے میں نے اس پر اتنا ریاض کیا تھا۔''

کیشپ خاموش ہو گیا پاتھا بھی خاموش رہا۔ میں بھی سناٹے میں آ گیا تھا اس لیے سلسلہ گفتگو ٹوٹ گیا۔

مجھے کیشپ کی باتوں سے اس بات کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا تھا مگر اس کی اسکیم سن کر میرا سناٹے میں آ جانا فطری امر تھا۔ میرا ذہن یادداشت کھو بیٹھنے کی بنا پر پہلے ہی ناکارہ ہو رہا تھا اور اب کیشپ میرے ذہن کو زہریلی دواؤں کے ذریعے

مستقل ناکارہ بنانے کی سوچ رہا تھا فکر اور تشویش قدرتی بات تھی۔

موت سے بھی زیادہ سخت سزا میرے لیے تجویز ہو رہی تھی اور میں یوں بے بس پڑا ہوا تھا۔ اپنے بچاؤ کے لیے ایک انگلی بھی نہیں
ہلا سکتا تھا۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی [illegible] منصوبہ بنایا تھا اس پر وہ آسانی سے عمل کر سکتا تھا [illegible]

اس کے ساتھ ہی مجھے قدرے اطمینان ہوا۔ میری ذہنی قوت پہلے کی طرح مصروف عمل تھی۔ میں اتنا بے بس نہ تھا جتنا نظر آتا تھا۔ میں اب بھی دوسروں کے ذہنوں پر قبضہ جما سکتا تھا اور میری یہ قوت میرا آخری ٹرمپ کارڈ تھی۔

میں نجانے کتنی دیر تنہا اپنے کیبن میں پڑا رہا۔ مجھ پر کچھ نیند کی سی کیفیت طاری تھی۔ مگر یہ کیفیت کیبن کے دروازہ کھلنے کی آواز سن کر ٹوٹ گئی۔ کوئی دبے قدموں کیبن میں داخل ہوا تھا۔ پھر وہ انجانا وجود مجھ پر جھک گیا اور میں بڑی زور سے چونک پڑا (ذہنی طور پر)

وہ ششما تھی۔ جیتی جاگتی ششما۔ وہی ششما جو میری موجودہ حالت کا باعث بنی تھی۔ اس کا مہکتا، گداز بدن جو پہلے بھی میرے ذہن پر غفلت کے پردے ڈال گیا تھا اور خواب کی طرح میرے ذہن پر چھا گیا تھا' ایک بار پھر مجھ پر جھکا ہوا تھا مگر اس بار میں اس کی قربت سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت سے محروم تھا۔ اس بات کا احساس شاید اسے بھی تھا کیونکہ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے۔

''اوہ! میرے محبوب! میرے محبوب!'' ششما سسک پڑی۔ ''میں نے تمہیں مار دیا اور خود زندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دو مجھے معاف کر دو۔ زمانے نے مجھے دھوکہ دیا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ میں مر جاؤں گی مگر دیکھو میں ٹھیک ہوں زندہ ہوں مگر میں زندگی بھر تمہارے لیے سسکتی رہوں گی۔ تڑپتی رہوں گی۔''

وہ میرے بے جان، بے حس جسم سے لپٹ کر بلک بلک کر رونے لگی۔ میرے دل میں شدید خواہش ابھری کہ چاہے چند لمحوں کے لیے ہی سہی مگر کاش میں بول سکتا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے یاد آیا کہ آواز ہوا میں پیدا ہونے والی مخصوص لہروں کا نام ہے جو زبان کی حرکت سے پیدا ہوتی ہیں اور کان کے پردوں سے ٹکرا کر ذہن میں انوکھی کیفیت پیدا کرتی ہیں۔ یہ لہریں ہم بآسانی زبان کے ذریعے پیدا کر لیتے ہیں لیکن صرف زبان ہی نہیں' مصنوعی طریقوں سے بھی یہی مخصوص لہریں پیدا کی جاسکتی ہیں اور پیدا کیجاتی ہیں جبھی تو ہم جانتے ہیں اور محض چند لیور دبا کے کچھ بٹنوں کو ادھر ادھر کر کے اپنے پسندیدہ گانے والوں کو یوں گاتے سنتے ہیں جیسے وہ ہمارے قریب ہی کہیں موجود ہوں۔ کیا میرا غیر معمولی ذہن ششما کے ذہن کو اس طرح متاثر نہیں کر سکتا کہ وہ آواز سے پیدا ہونے والی کیفیت محسوس کرنے لگے اور اگرچہ میرے لب نہ کھلیں، زبان نہ حرکت کرے مگر وہ یہی محسوس کرے جیسے میں واقعی بول رہا ہوں......؟

بڑی عجیب بات تھی مگر تھی منطق پر پوری اترنے والی۔

چونکہ میری ذہنی قوت دوسرے ذہنوں کو متاثر کر سکتی تھی۔ اس لیے ایک امید موہوم پیدا ہوگئی کہ شاید میں کامیاب ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے تجربہ کرنے کی ٹھان لی۔ میں نے اپنے ذہن کے تمام دریچے بند کر کے پوری یکسوئی حاصل کی پوری توجہ دے کر اپنی ذہنی قوت کو حرکت دی۔ میں نے تصور کیا جیسے میں کہہ رہا ہوں۔ ''ششما......تم میری آواز سن سکتی ہو۔''

ششما مجھ سے لپٹی سسکتی رہی۔ کچھ بھی نہ ہوا۔ میں نے ایک بار پھر ذہنی طور پر اسے الفاظ دہرائے اور اس انداز میں دہرائے جیسے بہت تیز آواز میں بول رہا ہوں۔

''ششما......ششما......!تم میری آواز سن سکتی ہو۔''

ششما چونک کر اپنا سر اُٹھایا۔ بالکل اس انداز میں جیسے اس نے کچھ سنا تو ہو مگر سمجھ نہ سکی ہو کہ کیا کہا گیا تھا اور کس نے کہا تھا۔

''ششما......! میں اپالو ہوں۔تم اپالو کی آواز سن رہی ہو۔!''

اس بار ششما کے چہرے پر حیرت کے واضح آثار نمودار ہوئے اور اس نے اس طرح کانوں کو جھٹکا جیسے ان میں کوئی کنکھجورا گھس گیا ہو۔

مجھے اپنے جسم میں مسرت کی لہریں سرائیت کرتی محسوس ہوئیں۔ مگر یہ محض ایک ذہنی کیفیت تھی۔ میرا جسم بالکل بے حس و حرکت تھا اور اس میں مسرت محسوس کرنے کی کوئی صلاحیت بیدار نہ تھی۔

میں نے بڑے اعتماد سے سوچا۔''ششما...... میں ابھی مرا نہیں ہوں۔ کیا تم میری آواز نہیں سن رہی ہو۔ کیا تم اس آواز کو بھول چکی ہو؟''

''کنور...... یہ تم ہو......آواز تو واقعی تمہاری ہی ہے مگر یہ کیسے ممکن ہے۔'' ششما نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیوں......؟ ممکن کیوں نہیں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''تم مر چکے ہو......تمہارا یہ جسم مردوں کی طرح بے جان جو پڑا ہے......؟'' ششما نے بڑی معصومیت سے سوال کیا۔

میں جیسے ہنس پڑا۔ پھر کھلکھلاتی آواز میں جیسے میں نے کہا۔''غلط...... مردوں کی طرح بے جان نہیں...... میرا جسم صرف بے حس و حرکت ہے۔ کیا تمہیں یاد نہیں زہر کا کچھ ایسا ہی اثر تم پر بھی ہوا تھا۔ مگر کیا تم مر گئیں تھیں؟''

''نہیں......بس حرکت نہیں کر سکتی تھی۔ پھر جب پاپا نے میرے جسم پر ایک اور دوا لگائی تو میں ٹھیک ہو گئی۔''

''مجھے بھی...... اسی دوا کی ضرورت ہے کیا تم میرے لیے وہ دوا حاصل کر سکتی ہو......؟'' میں نے جیسے دھڑکتے دل کے ساتھ سوال کیا۔

''پتا نہیں......دیکھو کوشش کروں گی مگر یہ تو بتاؤ تم بول کیسے رہے ہو......؟ میں جب زہر کے اثر میں تھی تو زبان کو ذرا بھی نہیں ہلا سکتی تھی۔''

''زبان تو میں بھی نہیں ہلا سکتا۔'' میں نے اعتراف کیا۔''مگر پھر بھی میں بول رہا ہوں۔ کیسے بول رہا ہوں۔؟ یہ تم شاید کبھی نہ سمجھ سکو بس یوں سمجھ لو کہ میں کچھ غیر معمولی قوتوں کا مالک ہوں یہ بولنا بھی ان قوتوں کا ایک کرشمہ ہے۔''

''اوہ......'' مجھے یقین ہے ششما کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی ہوں گی۔''تو کیا تم بھی...... مقدس بابا کی طرح......''

''ہاں'' میں نے جیسے بات کاٹی......''تمہارا مقدس بابا کچھ غیر معمولی قوتیں رکھتا ہے مگر پھر بھی مجھے ختم کرنے کے لیے اسے تمہارا سہارا لینا پڑا۔ وہ اپنی قوتیں میرے خلاف استعمال نہیں کر سکتا کیونکہ میں خود ان قوتوں کا مالک ہوں اور تمہارے مقدس بابا پر بھاری ہوں۔

جبھی تو براہِ راست میرے مقابلے پر نہیں آتا۔''

شاید میری آخری بات کچھ مبالغے پر مبنی ہو کیونکہ میں نے ابھی تک کوئی ایسی بات نہیں دیکھی تھی جس سے اندازہ ہوتا کہ کیشپ مجھ سے کمزور پڑتا ہے۔ یوں مجھے اپنی قوتوں کا خود بھی اندازہ نہیں تھا۔ اس لیے یہ بھی ممکن تھا کہ میری باتیں حقیقت پر مبنی ہوں۔ یہ مجھے معلوم تھا کہ پاتھا اور دوسرے لوگوں پر کیشپ کا جو رعب تھا وہ یقیناً غیر معمولی قوتوں کے مظاہرے ہی سے قائم ہوا ہوگا۔ اس لیے ان کے توڑ کے لیے ضروری تھا کہ میں خود کو کیشپ سے بھی بڑھا چڑھا کر پیش کروں۔ تا کہ کیشپ کے مقدس اور اس کے خوف کے پرخچے اُڑ جائیں ورنہ ممکن تھا کہ اس کے ڈر سے ششما میری مدد پر آمادہ نہ ہوتی۔

''اچھا تو میں ابھی جا کر اس زہر کا تریاق ڈھونڈتی ہوں۔'' ششما نے کہا اور جانے لگی پھر شاید اسے کچھ خیال آیا ہوگا کیونکہ وہ میری طرف پلٹی اس نے جھک کر میری پیشانی چومی اور قدرے شرمائے ہوئے انداز میں بولی۔

''کنور...... مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ تم زندہ ہو۔ تمہیں تندرستی کی طرف لانے کے لیے میں شاید اپنی جان کی بازی بھی لگا دوں گی۔''

''نہیں اس کی نوبت نہیں آئے گی۔'' میں نے جیسے اطمینان دلایا۔

ششما چلی گئی اور میں مستقبل کے بارے میں امید و وہم کی حالت میں سوچتا رہ گیا۔ حالات کی نئی کروٹ کچھ میرے حق میں تھی اور مجھے بہت امید ہوگئی تھی کہ میں زندہ رہوں گا اور پہلے کی طرح چل پھر سکوں گا۔

مجھے ذہنی طور پر بہت تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ اور ہونا ہی چاہیے تھی۔ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کو میں نے جب بھی استعمال کیا تھا مجھے تھکن کا احساس ہوا تھا مجھ پر غنودگی کی سی کیفیت ایک بار پھر طاری ہوگئی تھی لیکن میری یہ حالت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ کسی کے کیبن میں داخل ہونے پر میں چونک کر پوری طرح بیدار ہو گیا۔

کیشپ، جہاز کے کپتان اور پاتھا کے علاوہ دو خلاصیوں کے ساتھ آیا تھا۔ خلاصی شاید کوئی بھاری چیز اُٹھائے ہوئے تھے۔ وہ اپنا وزن کیبن کے فرش پر رکھ کر چلے گئے تو کیشپ اور اس کے ساتھیوں کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ خلاصی جو کیبن میں چھوڑ گئے تھے وہ ایک تابوت تھا ظاہر ہے یہ وہی تابوت رہا ہوگا جسے ایکبار میں کھول کر دیکھ چکا تھا۔ جس میں کلدیب کور کی موجودگی کا شبہہ تھا مگر کلدیب کور کے بجائے مجھے کچھ اور ہی عجیب و غریب چیز دیکھنے کو ملی تھی۔

''لڑکی کو اس کمرے میں رکھا جائے اب اس کی جگہ ان حضرات کو مل جائے گی۔'' کیشپ نے شاید جہاز کے کپتان سے کہا۔

''لڑکی کا آخر ہوگا کیا؟'' جہاز کے کپتان نے کہا۔

''موقعہ ملنے پر ٹھکانے لگا دینا۔'' کیشپ نے بڑی سفاکی سے کہا۔ ''اب مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔''

جس لڑکی کا وہ لوگ ذکر کر رہے تھے وہ کلدیب کور ہی ہو سکتی تھی۔ مگر وہ تابوت میں تو نہیں ہو سکتی تھی۔ اس میں تو میں نے اپنی

آنکھوں سے اس عجیب وغریب شے کو دیکھا تھا جسے انسانی ڈھانچہ ہی کہا جا سکتا تھا ایسا انسانی ڈھانچہ جو زندہ نہ ہوتے ہوئے بھی حرکت کر سکتا تھا۔ جس کی ہڈیوں پر گوشت کے کچھ ٹکڑے تک چپکے ہوئے تھے اور جو خود ہی تابوت میں لیٹ کر تابوت بند کر لیتا تھا۔

''بابا......! جہاز کے کپتان کا لہجہ خوشامدی ہو گیا۔ ''اگر اجازت ہو تو وہ لڑکی میں لے لوں......؟''

''کیوں......تمہاری نیت کیوں خراب ہوئی اس پر۔'' کیشپ نے مشفقانہ انداز میں پوچھا۔ ''اس کا زندہ رہنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے کیا تمہیں علم نہیں کہ وہ ایک ریاست کی راجکماری ہے۔''

''معلوم ہے جبھی تو میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھے بخش دی جائے میں اس کے عوض بڑی اچھی رقم پاؤں گا اور جہاں اسے بھیجوں گا وہاں وہ چند ہی دن میں مردوں سے بدتر ہو جائے گی۔ اسے اپنا نام تک یاد نہیں رہے گا۔'' جہاز کے کپتان نے لجاجت آمیز لہجے میں کہا۔ مگر نجانے اس کے لہجے میں وہ کون سا عنصر تھا جس نے اس کے الفاظ کو بہت بھیانک بنا دیا۔ میں اگر کانپ سکتا تو شاید کراہیت اور غصہ سے کانپ اُٹھتا۔ اس طرح بات کر رہا تھا جیسے کسی لڑکی کی نہیں بھیڑ بکری کی بات ہو رہی ہو۔

''اچھی بات ہے......لیکن اگر اس کی وجہ سے کوئی مشکل کھڑی ہوئی تو یاد رکھنا میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔'' بڈھے کیشپ نے سخت لہجے میں کہا۔

''نہیں......آپ یقین کریں کوئی مشکل درپیش نہیں آئے گی میں یہ دھندا ایک عرصے سے کر رہا ہوں۔ بس آپ تو اسی لمحے سے لڑکی کو مردہ تصور کر لیں۔ کپتان نے کھنکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

بڈھا کیشپ چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اس نے پاتھا سے تابوت کھولنے کے لیے کہا۔ پاتھا نے شاید جھک کر تابوت کھول دیا ہو گا کیونکہ کچھ اسی قسم کی آواز سنائی دی تھی۔

''یہ تابوت دیکھو......!'' کیشپ نے شاید کپتان سے کہا۔ ''میرے ایک دوست کی طرف سے تحفہ ہے۔''

چند لمحوں بعد کپتان کے منہ سے حیرت اور خوف کی ملی جلی آواز سنائی دیں تو مجھے اندازہ ہوا کہ شاید اس کی نظریں پہلی مرتبہ تابوت میں لیٹے ہوئے پنجر پر پڑی ہوں گی۔

''یہ...... یہ کیا ہے؟'' کپتان کی آواز میں خوف کی لرزش تھی۔

''ڈرو...... نہیں! کیشپ نے مشفقانہ انداز میں کہا۔

''یہ محض کل پرزوں کا کھیل ہے مگر تمہیں ماننا پڑے گا کہ رنگ وروغن اس خوبی سے کیا گیا ہے کہ ایکبار تو اصل دھوکہ ہوتا ہے اور ایک بار کے بعد دوبارہ دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ یہ خود ہی چند لمحوں کے بعد لیٹ کر تابوت بند کرے گا۔''

''حیرت انگیز......!'' کپکپاتی ہوئی آواز کپتان نے کہا۔''اور اب میں اس کا دوسرا ڈھکن کھولتا ہوں بڈھے کیشپ کی آواز ابھری......''دیکھواس کل کے دبانے سے...... یوں...... یہ دوسرا ڈھکن کھل جاتا ہے اس دوسرے خانے میں اتنی جگہ ہے کہ ایک تندرست و توانا لڑکی کو بآسانی چھپایا جاسکتا ہے۔ ہوا کے گزر کا انتظام رکھا گیا ہے۔''

دو تین کھٹکوں کی آواز سنائی دی۔ پھر شاید کپتان کو کلدیب کو نظر آگئی کیونکہ اس نے بے حد لجاجت سے کہا۔'' بابا...... بابا...... یہ تو بڑی حیرت انگیز چیز ہے۔ بابا یہ تو بس مجھے دے دی جئے۔''

''ابھی تو خود مجھے اس کی ضرورت ہے۔ چلو لڑکی کو نکالو۔ پھر ارسلان کو اس میں ٹھونس دو۔ ارسلان کے لیے جگہ کچھ کم پڑے گی۔ مگر یہ ہر قسم کی تکلیف محسوس کرنے سے عاری ہے۔ پھر اب چند گھنٹوں کی تو بات ہی ہے۔''

''چند گھنٹوں کی؟'' کپتان جیسے چونک پڑا۔''ابھی تو سیلون کافی دور ہے۔''

''سیلون؟ میں سیلون جانے کی بات کب کہہ رہا ہوں۔ میرا سیلون جانے کا اب کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تم اب جہاز کا رخ جزائر کالدیب کی طرف موڑ دو گے۔''

''جزائر کالدیب۔'' کپتان کی آواز لرز اٹھی۔ مگر وہ تو سیلون کے راستے سے کافی ہٹ کر ہیں۔''

''تو کیا ہوا؟'' بڈھے کیشپ نے سخت لہجے میں کہا۔

''معاف کیجیے گا...... بابا!'' کپتان بھی لجاجت پر اتر آیا۔ جہاز پر کچھ اہم لوگ سیلون تک جارہے ہیں۔ انہیں جلدی ہے اور وہ راہ کھوٹی ہونا پسند نہیں کریں گے۔؟''

''تمہیں ان کی پسند یا ناپسند سے کیا لینا؟'' کیشپ نے فہمائشی لہجے میں کہا۔''اگر وہ لوگ تمہیں پریشان کریں تو میرے پاس بھیج دینا انہیں ٹھیک کردوں گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے...... مگر......''

''اب کیا ہچکچاہٹ ہے؟''

''راستہ...... جزائر کالدیب کا راستہ بہت خطرناک ہے پھر اس سیزن میں تو طوفان اس راہ کو اور بھی خطرناک بنا دیتے ہیں۔''

''کچھ بھی ہو...... ارسلان کو لے کر جلد سے جلد ان جزیروں تک پہنچنا میرے لیے بہت ضروری ہے۔ چوبیس گھنٹوں سے پہلے پہلے اگر میں اس کو ہوش میں نہ لایا تو یہ مر جائے گا اور میں اسے جہاز پر ہرگز ہوش میں نہیں لاسکتا۔ نہیں...... تمہیں جلد سے جلد جزائر کالدیب پہنچنا ہے اس لیے نہ صرف یہ کہ جہاز کا رخ اس طرف موڑ دو بلکہ رفتار بھی تیز سے تیز تر کر دو۔''

کپتان نے شاید کچھ اور کہنا چاہا تھا مگر پاتھا نے اسے روک دیا۔ اس نے کہا۔ ''بیکار ہے...... تمہارے لیے مقدس بابا کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو۔''

''ہاں!'' کپتان نے بڑی مردہ دلی سے کہا۔ ''میں تکمیل کروں گا۔''

''تو پھر چلو...... لڑکی کو باہر نکالو اور اسے تابوت میں ٹھونسو۔'' پاتھا نے حکمیہ انداز میں کہا۔

پھر شاید دونوں نے مل کر کلدیب کور کو تابوت سے باہر نکالا ہوگا۔ مجھے کلدیب کور کی ایک جھلک نظر آ گئی تھی اس کا رنگ پھیکا پڑا ہوا تھا اور چہرے پر موت کی سی سفیدی جھلک رہی تھی۔

''یہ بہت جلد ہوش میں آ جائے گی۔ اب اسے ہوش ہی میں رہنے دینا کوئی دوا دینے کی ضرورت نہیں۔ کیشپ نے شاید پاتھا سے کہا تھا۔ شاید وہی کلدیب کور کی دیکھ بھال کرتا رہا ہوگا۔

پاتھا خاموش رہا۔ اس نے کپتان کے ساتھ مل کر مجھے اُٹھا لیا پھر وہ مجھے تابوت میں لٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ انہیں اس کام میں کافی وقت ہوئی ہوگی کیونکہ کافی دیر تک وہ میرا جسم الٹتے پلٹتے رہے۔ پتا نہیں کس طرح توڑ مروڑ کر انہوں نے میرے جسم کو تابوت کی خلا میں ٹھونس ہی دیا۔ اگر میرا جسم بے حس نہ ہوتا تو یقیناً اس عمل کے دوران میری چیخیں نکل جاتیں۔

''لڑکی کو ہوش آ رہا تھا۔'' کیشپ نے اچانک کہا۔ یہ بے حد بھوکی ہوگی اس لیے تم فوراً اس کے لیے کھانے کا انتظام کرو کم و بیش چوبیس گھنٹوں سے اسے کچھ نہیں دیا گیا۔

اور ہاں...... ! واپسی پر دو آدمیوں کو لیتے آنا۔ یہ تابوت یہاں نہیں رہے گا۔''

یہ بات شاید کپتان سے کہی گئی تھی کیونکہ جواب میں اس نے حامی بھری اور پھر وہ کیبن سے چلا گیا۔

میرے بستر پر کلدیب کور کے کلبلانے کی آواز سنائی دے رہی تھیں۔ پھر اس کی آواز میرے کانوں میں آئی۔

''میں کہاں ہوں...؟'' اس نے مردہ سی آواز میں کہا۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''اوہ...... کنور...... کنور، یہ تم مجھے کہاں لے آئے۔'' کلدیب کی آواز میرے کانوں میں آئی تو میں ایک لمحے کے لیے چکرا گیا۔ پھر مجھے یاد آیا کہ بڈھے کیشپ نے خود کو کلدیب کے سامنے کنور کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ یہی بات ابھی تک کلدیب کے ذہن میں رہی ہوگی اور وہ کیشپ کی شکل دیکھ کر اسے کنور کہہ اُٹھی ہوگی۔

''میرے خیال کی تصدیق کیشپ نے کردی۔اس نے کہا۔راجکماری!اب وقت آ گیا ہے کہ تم حقیقت جان لو۔!''

کلدیب کور کی سمجھ میں کچھ نہ آیا ہوگا کیونکہ اس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔''کنور...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔کیسی حقیقت؟''

''میں کنور پرتاب سنگھ نہیں ہوں۔'' کیشپ نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا......؟'' کلدیب کی آواز میں حیرت کی لرزش تھی۔

''تم......تم......اگر کنور نہیں ہو تو کون ہو؟ میرے علم میں کنور کا کوئی جڑواں بھائی نہیں ہے۔''

کیشپ ہنس پڑا۔ پھر اس نے کہا۔''میں اس کا باپ تو ہو سکتا ہوں، بھائی نہیں، ادھر دیکھو!'' کیشپ کی آواز میں پراسراری سرسراہٹ آ گئی تھی۔''تم اب مجھے دیکھ کر دھوکہ نہیں کھاؤ گی۔ میں تمہیں اب کنور پرتاب سنگھ کے روپ میں نظر نہیں آؤں گا۔''

دوسرے ہی لمحے کلدیب کی آواز دوبارہ سنائی دی مگر اس میں بلا کا تحیر پنہاں تھا۔اسے شاید اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا ہوگا۔ لمحے بھر پہلے جو کیشپ کو میری شکل وصورت میں دیکھ رہی تھی اب اس کا اصل روپ دیکھ رہی ہوگی۔ یہ فوری تبدیلی اس کی سمجھ میں کسی طرح نہ آ رہی ہوگی۔ پھر شاید وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی ہوگی اور اس کی نظریں تابوت میں ٹھنسے ہوئے میرے جسم پر پڑی ہوں کیونکہ اس کے منہ سے ایک دبی دبی سی چیخ نکلی تھی اور وہ بستر سے کود کر مجھ پر آ پڑی تھی۔

''یہ...... یہ کنور پرتاب سنگھ کو کیا ہوا؟'' اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے میرے جسم پر ہاتھ پھیرا۔

میں کلدیب کور کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ بہت زیادہ حسین عورت نہ تھی مگر اس کے چہرے پر بلا کی کشش تھی اور جسم کا جو حصہ مجھے نظر آ رہا تھا' بے حد متناسب تھا۔

کیشپ کچھ نہیں بولا تو کلدیب نے اپنے سوال کا خود ہی جواب دے ڈالا۔ اس نے کہا۔''کیا...... کیا تم نے میرے کنور کو مار ڈالا۔؟''

کیشپ نے کہا''کیوں تمہیں اس شخص سے اب بھی کوئی ہمدردی باقی ہے۔ یہ جو تمہاری ساری مصیبتوں کا باعث ہے۔کیا تمہیں اب بھی اس سے کوئی لگاؤ ہے۔؟''

''یہ میرے ہونے والے بچے کا باپ ہے۔'' کلدیب نے جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔''کون سی ماں اپنے بچے کو پیدائش سے پہلے ہی یتیم دیکھنا چاہے گی؟ پھر مجھے تو کنور سے محبت تھی اور اب بھی ہے......مگر ظالم...... یہ تو بتاؤ کہ انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا جو تم نے ان کی جان لے لی۔''

کلدیب کی آواز میں بلا کا دکھ امنڈ آیا تھا۔ میں اس کی اس کیفیت سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا اور اس اچنبھے میں پڑ گیا کہ آخر مجھ میں وہ کیا چیز تھی جو لڑکیوں کو اس حد تک میرا پابند کر دیتی تھی۔ میری اچھی شکل وصورت اس قسم کا مستقل جذبہ وفاداری نہیں پیدا کر سکتی۔

یہ تو کوئی اور ہی بات تھی کیا میری آنکھوں میں کوئی مسحور کن قوت پوشیدہ تھی کہ جو لڑکی میری طرف دیکھے، جنم جنم کے لیے میری ہو کر رہ جائے۔؟

''یہ مرا نہیں ہے۔'' کیشپ نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔''اس کی موت سے مجھے اتنا فائدہ نہیں جتنا زندگی سے ہو سکتا ہے۔ فکر نہ کرو، چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر میں اسے ٹھیک کر دوں گا۔''

''اوہ! مگر تم ان سے چاہتے کیا ہو اور فوراً ہی کیوں نہیں ان کا علاج کرتے ...... نہیں تم مجھے بہکا رہے ہو تم نے کنور کو مار دیا ہے۔ ختم کر دیا ہے۔ ورنہ تم انہیں تابوت میں کیوں لٹاتے۔''

کلدیپ کور ایک بار پھر مجھ سے لپٹ کر سسکیاں بھرنے لگی۔ اسی وقت جہاز کا کپتان کیبن میں داخل ہوا اس کے ساتھ دو اور آدمی تھے شاید ان میں سے ایک کے ہاتھوں پر کھانے کی ٹرے تھی کیوں کہ کپتان نے آتے ہی کہا۔''لیجیے کھانا آ گیا۔ راجکماری صاحبہ! آپ کھانا کھا لیجیے۔''

مگر کلدیپ کور مجھ پر پڑی سسکتی رہی اسے نہ اپنی پوزیشن کا احساس تھا' نہ ہی دوسرے لوگوں کی موجودگی کا کوئی خیال وہ بالکل چھوٹی بچیوں کی طرح سسک رہی تھی جن کی کوئی قیمتی سی گڑیا چھن گئی ہو، شاید مسلسل پریشانیوں کا اثر تھا یا اس دوا کا ردعمل ہو گا۔ جو اسے اس لیے کھلائی جاتی تھی کہ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تابوت میں بند پڑی رہے۔ ورنہ پھر اس کا دماغ ہی چل گیا تھا۔ اور اگر واقعی اس کا دماغ چل گیا ہو تو بھی کوئی تعجب کی بات نہ ہوتی کیونکہ اس پر کچھ ایسی ہی بیت چکی تھی۔

شاید کیشپ کے اشارے پر کپتان نے تابوت اُٹھوانا چاہا ہو گا کیوں کہ اچانک تابوت کو دھچکا سا لگا تھا۔ جیسے اسے دونوں طرف سے اُٹھایا جا رہا ہو پھر کلدیپ کور کی چیخ سنائی دی۔

''یہ کیا کر رہے ہو؟'' وہ چیختے ہوئے بولی تھی۔

''اسے یہیں رہنے دو۔تم اسے مجھ سے دور نہیں لیجا سکتے اگر یہ مر گیا ہے تو اسے میں خود دفناؤں گی۔ میں اس کی لاش کو سمندر کے حوالے نہیں ہونے دوں گی۔ سنا تم نے۔! اسے چھوڑ دو۔

مجھے کلدیب کور کی آواز سے ہی دیوانگی کا احساس ہوا تھا اور اس کے بعد جو آوازیں سنائی دیں ان سے مجھے اپنے احساس کی حقیقت کا اندازہ ہوا۔ بالکل یوں لگا تھا جیسے کلدیب نے دیوانگی کے عالم میں تابوت اُٹھانے والوں پر حملہ کر دیا ہو۔ تابوت کو ایک اور جھٹکا لگا تھا' پھر وہ ساکت ہو گیا اسی دھینگا مشتی کی آواز کے دوران کیپٹن کی آوز ابھری۔''رہنے دو۔ جاؤ یہ پاگل ہو رہی ہے۔ پھر دیکھا جائے گا۔''

خلاصی چلے گئے تو کیپٹن ایک بار پھر بولا۔''میرے خیال سے تم اس کیبن کے باہر اپنا کوئی قابل اعتماد آدمی چھوڑ دو جو کسی کو ادھر نہ آنے دے۔ میں اب تھک گیا ہوں، آرام کروں گا۔'' چند لمحوں بعد وہ سب کیبن سے چلے گئے اور کلدیب کور میرے ساتھ تنہا رہ گئی۔ کلدیب کور کی دیوانگی کے باعث مجھے اس کے ساتھ جو چند لمحے تنہائی کے میسر آئے تھے میں ان سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔ مگر پہلے کلدیب کور کو تسلی دے کر اس کے جنون کو دور کرنا ضروری تھا۔ نیم دیوانگی کی حالت میں مشکل ہی سے وہ میرے کسی کام آسکتی تھی۔

میں نے اپنی ذہنی قوتیں یکجا کیں۔ اور کلدیب کور کے ذہن کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔'کلدیب...... کلدیب کور!''

کلدیب کور مجھے نظر نہیں آ رہی تھی اس لیے میں اندازہ نہیں کر سکا کہ میری ذہنی لہریں اس کے ذہن کو متاثر کر سکیں! یا نہیں...... چند لمحے بعد میں نے ایک بار پھر کوشش کی

''کلدیب...... کلدیب......!''

''تم...... تم کون ہو؟ کہاں...... ہو......؟ کلدیب کی آواز میں متوقع لرزش تھی۔

''تم میری آواز نہیں پہچانتیں......؟''

''پہچانتی ہوں...... مگر یہ کیسے ممکن ہے تم تو یہاں میرے سامنے مردہ پڑے ہو۔ کنور! تم کس طرح بول سکتے ہو۔؟''

''میں مردہ نہیں ہوں مجھے ہونٹ ہلائے بغیر بولنے کا فن آتا ہے۔ میں صرف تمہیں اطمینان دلانا چاہتا ہوں۔ اپنی حالت سنبھالو۔ خود سنبھالو کلدیب مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنا ہیں......''

''تو وہ بڈھا ٹھیک کہہ رہا تھا۔'' کلدیب کی آواز میں خوشی کا عنصر شامل ہو چکا تھا۔''کنور...... تم زندہ ہو اور وہ بڈھا جلد ہی تمہارا علاج کر دے گا؟''

''میں زندہ ہوں...... مگر بڈھے کی نیت نیک نہیں ہے اسی نے تو مجھے زہر کھلا کر اس حالت کو پہنچایا ہے۔ دیکھو تم ہرگز مجھے یہاں سے مت جانے دینا اور تابوت کو کھلا ہی رکھنا۔

''میرے کنور! تم جو کہو گے میں کروں گی' مجھے یقین ہے تم اس حالت کو میری ہی وجہ سے پہنچے ہو گے۔ کیا تم مجھے چھڑانے کی فکر

میں یہاں تک آئے تھے۔؟''

''ہاں......اور بلونت بھی میرے ساتھ تھا مگر اسے ان ظالموں نے ختم کر دیا۔''

''اوہ!'' کلدیب کور کی آواز سے صدمے کا اظہار ہو رہا تھا۔''

''بلونت بھی آیا تھا......وہ......وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ مجھے بے حد چاہتا تھا۔ حالانکہ میں نے اسے کبھی لفٹ نہیں دی تھی مہاراج البتہ اسے پسند کرتے تھے۔ اگر تم سے مڈ بھیڑ نہ ہوتی......''

''مجھے یہ سب معلوم ہے۔ راجہ شمشیر سنگھ سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ بلونت واقعی تمہیں بہت چاہتا تھا سب کچھ جاننے کے بعد بھی وہ تمہاری تلاش میں یہاں تک آیا اور آخر تم پر اپنی جان نچھاور کر گیا۔''

کلدیب کے منہ سے سسکیاں نکل گئیں۔

''تم فکر مت کرو......میں جیسے ہی حرکت کرنے کے قابل ہوا۔ ان لوگوں سے بلونت کی موت کا انتقام لوں گا۔ اس کا خون یقین جانو رائیگاں نہیں جانے دوں گا۔''

''تم......تم......کیسے ٹھیک ہو سکو گے؟ کیا میں کسی کام نہیں آ سکتی؟''

''مجھے زہر کا توڑ چاہیے جو تم نہ لا سکو گی مگر ایک اور ہستی میرے لیے دوا کا انتظام کرنے کی کوشش کر رہی ہے اگر اس کی کوشش کامیاب نہ ہو سکیں تو دیکھیں گے۔ فی الحال تو تم اپنی حالت سنبھالو کھانا کھاؤ اور آرام کرو۔''

''میرا دل کھانے کو بالکل نہیں چاہتا!''

''جیسے بھی ہو سکے کھاؤ......جسم میں توانائی ہو گی تو ضرورت پڑنے پر کام آئے گی۔''

کلدیب کور کو سمجھا سمجھا کر میں نے کھانا کھلوایا۔ کھانے کے دوران ہم باتیں بھی کرتے رہے۔ میں نے اس سے اپنے متعلق پوچھا اور اس نے جو کچھ بتایا اس سے مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ کلدیب کور میرے متعلق کوئی ایسی بات بتا سکے گی جو میری شخصیت کی طرف رہنمائی کر جائے لیکن میرا خیال غلط نکلا۔

ماضی میں کلدیب کور نے میری باتوں سے صرف یہ اندازہ لگایا تھا کہ میں کسی ریاست کا کوئی شہزادہ یا راجہ تھا جو کسی بنا پر کنور پرتاب سنگھ کا نام اختیار کر کے اپنی اصل شخصیت چھپائے ہوئے تھا۔

کلدیب کور کے پوچھنے پر مجھے بھی مختصراً اپنے اوپر بیتی ہوئی مصیبتوں کی داستان سنانا پڑی۔ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ اس کے بارے میں بڈھے کیشپ کا کیا ارادہ ہے۔ اسے غالباً اپنے بارے میں دشمنوں کی باتیں سن کر کچھ خوف محسوس ہوا لیکن میں نے تسلی آمیز باتوں سے اس کا خوف دور کر دیا اور اس کی جگہ دشمنوں کے لیے بے پناہ غم و غصے کا احساس اجاگر کرانے میں کامیاب ہو گیا۔

پھر میں نے اس سے مزید گفتگو کرنے سے معذرت چاہی کیونکہ میں بے پناہ تھکن محسوس کرنے لگا تھا تاہم ایک بات میں نے

محسوس کی تھی کہ جوں جوں میں اپنے ذہن پر زور ڈال رہا تھا تھکن کا احساس کم سے کم تر ہوتا جارہا تھا۔ پہلے صرف چند سیکنڈ تک ذہنی قوت کے استعمال سے میرے پسینے چھوٹ جاتے تھے مگر اب مجھے یقین تھا کہ میں کئی منٹ تک مسلسل انتہائی ذہنی قوت کا استعمال بغیر کسی خاص تھکن کے جاری رکھ سکتا تھا۔

مجھے خاموش رہنے کا زیادہ موقع نہ مل سکا۔ شاید گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہی کیبن کا دروازہ کھلا کھسر پھسر کی آواز سنائی دی پھر کوئی اندر داخل ہوا۔ کیبن میں تاریکی تھی۔ کیونکہ کلدیب کور لائٹ آف کر کے شاید سو گئی تھی۔

میں چونک کر پوری طرح بیدار ہو گیا۔ آنے والی ہستی نے بتی جلائی اور میری طرف دوڑی پھر راستے ہی میں ٹھٹھک کر رہ گئی۔

وہ ششما تھی...... میں اسے دیکھ سکتا تھا اس کی نظریں میرے بستر کی طرف تھیں...... وہ وہاں میری بجائے کلدیب کور کو دیکھ کر چونک پڑی تھی۔ بستر کی طرف سے کلدیب کور کے کروٹ بدلنے کی آواز سنائی دی شاید وہ بھی جاگ گئی تھی۔

ششما نے ٹھٹھک کر سر کی طرف دیکھا پھر مجھ پر جھکتی ہوئی بولی۔ ''یہ...... یہ...... کون ہے؟''

''یہ راجکماری کلدیب کور ہیں۔'' میں نے ششما کے ذہن کو چھوا۔ ''نرنجن پور کے مہاراجہ شمشیر سنگھ کی بیٹی۔ بلونت سنگھ کی منگیتر!''

کلدیب کور بھی بستر سے اتر کر میرے پاس آ گئی۔ اس کی نظریں ششما کے خوبصورت چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا۔ وہ ششما سے زیادہ سمجھدار تھی مجھے اس کی آنکھوں سے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میرے ششما کے بارے میں سب کچھ سمجھ گئی ہو مجھے شرمندگی کا احساس ہوا مگر صرف ایک لمحے کے لیے۔

میں اپالو تھا! ایک ایسا خود سر انسان جو خود پر کسی کا حق تسلیم نہیں کرتا!

کلدیب کور صرف ششما کو تک کر رہ گئی اا اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے جیسے دھڑکتے دل سے ششما سے پوچھا ''کیا ہوا...... تمہیں زہر کا توڑ مل سکا یا نہیں۔

ششما کے چہرے پر کامیابی کے آثار نظر آ رہے تھے اس نے اپنے لباس کو ٹٹولا اور فوراً ہی اس کے ہاتھوں میں درمیانے سائز کی ایک شیشی آ گئی۔ جس میں کوئی گہرے رنگ کا سیال بھرا ہوا تھا۔ شیشی کو ہوا میں لہراتے ہوئے اس نے کہا ''یہ رہی تمہاری دوا۔ میں ابھی اسے تمہارے جسم پر ملوں گی اور پندرہ بیس منٹ میں تمہارا سویا ہوا بدن جاگ اُٹھے گا۔''

''یہ کام میں کروں گی۔ لاؤ شیشی مجھے دو۔'' کلدیب کور نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

ششما نے ٹھٹک کر کلدیب کور کی طرف دیکھا مجھے یقین تھا کہ وہ شیشی کلدیب کور کو ہرگز نہیں دے گی۔ اس نے اس لمحے کے لیے کافی خطرہ مول لیا تھا۔ کیشپ کے پاس سے وہ لازماً وہ چرا کر ہی لائی ہو گی اور اس طرح اس نے خود کو کیشپ کے انتہائی عتاب کے لیے پیش کر دیا تھا جو چوری کھل جانے کی صورت میں یقیناً اس پر نازل ہوتا۔

''راجکماری صاحبہ!'' ششما نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ''یہ کام داسی کو ہی انجام دے لینے دیجیے۔ یہ آپ کے شایانِ شان ہرگز

نہیں ہوگا کہ آپ......''

ششما نے بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔ بات پوری کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ مطلب صاف تھا۔ کلدیپ کور کے چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت نمودار ہوئی مگر پھر اچانک چہرے پر نرمی آ گئی۔ اس لڑکی نے سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے خود پر قابو پا لیا تھا۔

ششما نے میرے جسم کو تابوت میں سے نکالنے کی کوشش کی مگر یہ صرف اس کے بس کی بات نہ تھی۔ اس نے قدرے بے بسی سے کلدیپ کور کی طرف دیکھا جو فوراً اس کا ہاتھ بٹانے پر تیار ہو گئی۔

دونوں نے مل کر مجھے تابوت کے خلاء سے باہر نکالا۔ پھر انہوں نے میرے جسم کو کپڑوں کی قید سے آزاد کیا۔ ان دونوں کے سامنے خود کو برہنہ دیکھ کر مجھے بڑا عجیب سا محسوس ہوا اور غالباً ہونا بھی چاہیے تھا۔

''تم کیبن میں آنے سے پہلے گھسر پھسر کس سے کر رہی تھیں؟'' میں نے ششما سے پوچھا۔

''ایک آدمی اس کیبن کی نگرانی پر مامور ہے وہ مجھے اندر نہیں آنے دے رہا تھا۔'' ششما نے خجالت آمیز لہجے میں کہا۔

''کچھ رشوت دینی پڑی......اور......'' ششما بات پوری نہ کر سکی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''کچھ وعدے کرنے پڑے ہوں گے۔'' کلدیپ کور نے ہمدردی آمیز لہجے میں ششما کی بات پوری کر دی۔

''تم لوگوں کو میرے لیے کیا کرنا پڑے گا'' میں نے بیک وقت دونوں کے ذہنوں کو چھونے کی کوشش کی۔ ان کے چہروں سے میری کوشش کے کامیاب ہونے کی تصدیق ہو گئی۔

میرا جسم دوا لگائے جانے کے لیے تیار تھا۔ ششما نے بھی شاید کلدیپ کور کے بارے میں کچھ اندازہ لگا لیا تھا کیونکہ اس نے دوا کی اچھی خاصی مقدار اپنی ہتھیلی پر لوٹ کر شیشی کچھ کہے بغیر کلدیپ کور کی طرف بڑھا دی۔ کلدیپ کور نے بھی خاموشی سے شیشی لے لی اور رنگین سیال کو اپنی سیدھی ہتھیلی پر لوٹنے لگی۔

مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اتنی آسانی سے بڈھے کیشپ کے چنگل سے نکل جاؤں گا۔ یہ بات یقینی تھی کہ میں حرکت کرنے کے قابل ہو جاتا تو مجھ پر قابو پانا کوئی آسان بات نہ ہوتی۔ گو کہ بڈھے کے پاس غیر معمولی قوتیں تھیں مگر اب مجھے بھی اپنی صلاحیتوں کا کچھ احساس ہو چلا تھا۔ ششما اور کلدیپ میرے جسم میں دوا سمونے کے لیے اپنے ہاتھوں پر انڈیل چکی تھیں۔

پھر عین اس وقت جب ششما کی دوا میں بھیگی ہوئی ہتھیلی میرے جسم کی طرح بڑھی کیبن کا دروازہ پر شور آواز سے کھلا اور دوسرے ہی لمحے بڈھے کیشپ کی غضب میں بھری ہوئی للکار کیبن کی مکدر فضا میں گونجی۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے۔؟''

دونوں لڑکیاں ٹھٹھک کر رک گئیں۔ کلدیپ کور نے دوا کی شیشی آڑ میں کر لی...... کیشپ کی پھنکار ایک بار پھر گونجی۔ ''تو میرا خیال درست نکلا میرے کیبن سے غائب ہونے والی شیشی وہیں ہے جہاں کا میں نے اندازہ لگایا تھا۔ اور یہ حرکت یقیناً اس کتیا کی ہوگی۔ کیوں ششما! پچھلی بار جو سزا تجھے بھگتنا پڑی تھی کیا وہ تیرے لیے کافی نہ تھی؟''

کیشپ آگے بڑھ آیا تھا اور اب میں بھی اس کے چہرے کو دیکھ سکتا تھا۔ جو غصہ سے لال بھبوکا ہو رہا تھا۔

ششما صیاد کے جال میں پھنسی ہوئی چڑیا کی مانند سہمی سہمی نظروں سے کیشپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ اور خوف کی زیادتی سے چہرہ ایک دم سفید ہو گیا تھا۔

''لا...... دوا کی شیشی میرے حوالے کر!'' کیشپ نے ہاتھ پھیلاتے ہوئے۔

ششما نے یوں ہاتھ پشت کی طرف کر لیے جیسے دوا کی شیشی اسی کے ہاتھ میں ہو اور وہ اسے کیشپ کی نظروں سے بچانا چاہتی ہو۔

''ضدمت کر۔ دوا میرے حوالے کر دے۔ شاید میں ایک بار پھر تیری غلطی معاف کر دوں۔ تیرے باپ نے میری بہت خدمت کی ہے۔'' کیشپ نے یوں کہاں جیسے شریر بچے کو سمجھا رہا ہو۔

مگر ششما ہاتھ جسم کی آڑ میں کیے کھڑی رہی۔ وہ شاید کیشپ کی توجہ اپنی طرف مبذول کیے رکھ کر کلدیب کور کو دوا چھپانے کا موقع دینا چاہتی تھی اس کے چہرے پر اب خوف کے آثار نہیں تھے۔ بڑی پرسکون اور مطمئن نظر آنے لگی تھی۔ جیسے آئندہ ہونے والی کسی بات کا اُسے کوئی خوف رہا نہ فکر۔

کیشپ ششما کی طرف جھپٹا۔ ششما نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی مگر اس کو حرکت کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا کیشپ نے اس کے دونوں ہاتھ کندھوں سے ذرا نیچے پکڑ لیے اور بڑی زور سے انہیں جھٹک کر سامنے کی طرف کھینچا۔ ششما کی تکلیف سے چیخ نکل گئی۔ اس کے ہاتھ کیشپ کے سامنے آ گئے جنہیں خالی دیکھ کر منحوس بڈھا بری طرح جھنجلا اُٹھا۔

''تو مجھ سے بلی اور چوہے کا سا کھیل رہی تھی۔'' کیشپ نے ششما کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرسراتی آواز میں کہا۔ ''میں ایسی گستاخیاں برداشت کرنے کا عادی نہیں ہوں۔''

پتا نہیں کیا بات تھی کہ خوفزدہ نہ ہوتے ہوئے بھی ششما پتے کی طرح لرز رہی تھی۔ یکلخت اس کے جسم کی لرزش رک گئی۔ اس کے ہونٹوں سے دبی دبی سسکیاں نکلیں پھر اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ اور جسم یوں ڈھیلا پڑ گیا جیسے اس میں جان نہ رہی ہو۔ کیشپ نے اس کے ہاتھ چھوڑے تو وہ مجھ پر گر پڑی۔ گرتے ہوئے اس کے چہرے کی آخری جھلک مجھے نظر آئی۔ اگر میں کانپ سکتا تو یقیناً اس کی باچھ سے بہہ نکلنے والی سرخ لکیر کو دیکھ کر کانپ اُٹھتا۔

مجھے ایک دم زرداد بیگ یاد آیا جس کی موت بالکل اسی انداز میں واقع ہوئی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اس بار ششما موت کی دائمی نیند سو گئی تھی۔ اس نے مجھے بچانے کی کوشش میں اپنی جان سے ہاتھ دھو لیے تھے۔ وہ مجھ پر نچھاور ہو گئی تھی۔

ایک اور پھول اپالو کی نذر ہو گیا تھا۔

ششما...... بڈھے کے غضب کا شکار ہو گئی تھی اور میں ذہنی طور پر سن کا سن رہ گیا تھا۔ بڈھے پر اتنے خون قرض ہو چکے تھے کہ میں اس کی ایک جان سے کس طرح ان کا بدلہ چکاتا؟

ششما کو چھوڑ کر کیشپ کلدیب کور کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ اندازہ لگانا کوئی دشوار امر نہ تھا کہ شیشی اگر ششما کے ہاتھوں میں نہ تھی تو کلدیب ہی کے پاس رہی ہو گی۔

وہ دونوں میری نظروں سے اوجھل تھے۔ اس لیے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا کہ واقعات کس طرح پیش آئے ہوں گے کلدیب کور دوا کی شیشی چھپا سکتی تھی یا اس کی یہ کوشش ناکام رہی تھی بڈھے نے خود شیشی پا لی تھی۔ اسے شیشی کلدیب کور نے لوٹائی تھی۔ میں کوئی بات صاف صاف نہیں دیکھ سکتا کیونکہ میں کچھ دیکھ ہی نہیں سکا تھا اور سنی جانے والی آوازوں میں سے کوئی واضح اندازہ بھی نہیں لگا سکا تھا۔ مجھے کلدیب کور کی دبی دبی چیخیں سنائی دی تھیں۔ کیشپ کے ہاتھ چلنے اور کلدیب کے جسم سے ٹکرانے کی آوازیں ابھری تھیں۔ چند لمحوں بعد کیشپ مجھے نظر آیا تھا۔ تو دوا کی شیشی اس کے ہاتھوں میں تھی۔

میں بڑا مایوس ہوا تھا۔ نتیجہ کچھ نہیں نکلا تھا۔ ایک معصوم زندگی کی قربانی رائیگاں گئی تھی۔ ایک پھول شبنم کے قطروں کو ترستا ہوا مسل دیا گیا تھا۔

کیشپ دوا لے کر جس برق رفتاری سے کیبن میں داخل ہوا تھا اسی تیزی سے نکل گیا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ وہ جلدی واپس لوٹے گا۔ اب مجھے کلدیب کور کے پاس نہیں چھوڑا جائے گا۔ پھر ششما کی لاش بھی ٹھکانے لگانا ہو گی۔ اور یہ سب کچھ جلد از جلد ہونا اس کے لیے ضروری تھا۔ گویا میرے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ میرے ذہن میں کوئی واضح اسکیم بھی نہیں تھی۔ لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ اگر کیشپ میرے ساتھ جزائر کالدیب پہنچ گیا تو پھر اسے مجھ پر دوائیں آزمانے سے کون روک سکتا تھا۔

''کلدیب...... کلدیب!'' میں نے کلدیب کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔

کلدیب کی سسکیاں رک گئیں۔ وہ میرے پاس آ گئی اور میں اس کا چہرہ دیکھ کر سناٹے میں آ گیا۔ اس کا چہرہ بڈھے کے منحوس

ہاتھوں کی چوٹ کھا کر بری طرح داغدار ہو رہا تھا۔ کئی جگہ سے کھال پھٹ گئی تھی۔ اور خون رس رہا تھا۔

''کیا ہے؟'' اس نے خود کو سنبھال کر مجھے پوچھا۔

''بڈھا اب مجھے تمہارے پاس ہرگز نہیں چھوڑے گا۔ تم مجھے روکنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔ ورنہ وہ تمہیں بھی نہ چھوڑے گا۔ اسے اب تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''کچھ بھی ہو...... میں اب تم سے جدا نہ ہوں گی۔'' کلدیب نے بچکانہ انداز میں ضد کی۔

''تو پھر ہمارا انجام ششما سے مختلف نہ ہوگا۔'' سنبھلو کلدیب! تم الگ رہ کر شاید کچھ کر سکو؟''

''میں کیا کر سکتی ہوں۔ کاش میں کچھ کر سکتی۔'' کلدیب نے بری حسرت سے کہا۔

''تم بہت کچھ کر سکو گی۔ غور سے سنو!''

کلدیب سنجیدہ ہوگئی اور پوری طرح میری طرف متوجہ ہوگئی۔

''میں چاہتا ہوں...... میرا کچھ بھی حشر ہو لیکن بڈھا کیشپ نہ بچ پائے۔ تم جب تنہا رہ جاؤ تو کسی طرح کوشش کر کے کیبن سے بھاگ نکلنا۔ اس جہاز پر کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو کیشپ کے لیے مشکلات کھڑی کر سکتے ہیں۔ اگر خوش قسمتی سے تم ان لوگوں تک پہنچ جاؤ تو ان کی حمایت حاصل کر لینا تمہارے لیے کوئی مشکل بات نہ ہوگی۔؟''

''کیسے......؟''

''تم ان لوگوں کو بتانا کہ ان سب کی زندگیاں خطرے میں ہیں کیونکہ کیشپ کے حکم پر کپتان نے جہاز کا رخ سیلون کے راستے سے جزائر کالدیب کی طرف موڑ دیا ہے۔ میرا خیال ہے یہ جاننے کے بعد وہ لوگ خود ہی سب کچھ سمجھ لیں گے۔ اتنا اور بتا دینا کہ کیشپ پر ایک یا دو آدمی قابو نہ پا سکیں گے۔ اس کی موت کے لیے ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے کہ سب مل کر ایک ساتھ حملہ آور ہوں اور اچانک حملہ کریں تو شاید وہ کامیاب ہو جائیں۔''

''مگر کنور......! اس سے ہمیں کیا فائدہ پہنچے گا۔''

''کیشپ اگر راستے سے ہٹ گیا تو اس کا امکان ہے کہ تم دوا حاصل کر کے مجھ پر استعمال کر سکو۔''

خدا جانے بات پوری طرح کلدیب کی سمجھ میں آئی تھی یا نہیں مجھے کچھ اور کہنے یا سننے کی مہلت نہیں ملی کہ میں اس سلسلے میں اپنا طمینان کر سکتا۔

کیشپ کیبن میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ جہاز کا کپتان اور شاید دو خلاصی تھے۔

کیشپ نے فوراً کہا۔ ''پتا تھا کو تم ہی اطلاع دینا کہ ششما کا کیا ہوا اسے اس طرح یہ بات بتانا کہ ششما کی موت کا باعث ارسلان ہی نظر آئے۔ اسے اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی میں نہیں چاہتا کہ وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کوئی حماقت کر بیٹھے اور میں اسے بھی ختم کرنے

پر مجبور ہو جاؤں اور اس آدمی کو سزا دینا تمہارا اپنا کام ہے جس نے اپنے فرض سے کوتاہی برتی۔ اگر وہ کمبخت ششما کو اندر نہ آنے دیتا تو لڑکی اس انجام کو ہرگز نہ پہنچتی۔''

''میں اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ دوں گا۔'' جہاز کے کپتان نے بڑی سفاکی سے کہا۔

''تم جانو...... اس لڑکی کو میں نے تمہیں سونپا۔ یہ تمہارا انعام ہے۔ تابوت تم میرے کمرے میں پہنچا دو اور جہاز کی رفتار تیز کرا دو۔ میں جلد اجلد جزائر کالدیب پہنچ جانا چاہتا ہوں۔''

''جہاز پوری رفتار سے سفر کر رہا ہے۔ راستے کی دشواریاں آڑے آنے لگی ہیں۔ زیر آب چٹانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے۔ مگر خطرے کی بات یہ ہے کہ موسم خراب ہوتا جا رہا ہے۔ فضا میں کسی بڑے طوفان کی آمد کا سناٹا ہے۔ کسی بھی لمحے جہاز طوفان کی زد میں آ سکتا ہے۔ اگر جزائر کالدیب کا خیال......''

''نہیں...... جزائر کالدیب تک پہنچا میرے لیے انتہائی ضروری ہے ہم ان جزیروں سے کتنی دور ہیں۔''

''چند گھنٹے کا سفر باقی ہے۔''

کلدیب خاموشی سے بیٹھی ان کی باتیں سنتی رہی تھی۔ جب خلاصیوں نے تابوت اُٹھایا تب بھی وہ خاموش رہی تو مجھے یقین ہو گیا کہ میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

تابوت بند کر کے اُٹھایا گیا تھا۔ اس لیے میں نہیں دیکھ سکا کہ مجھے کس راستے سے لے جایا گیا اور کس کس نے تابوت دیکھا۔ کسی نے دیکھا بھی نہیں؟ مگر منزل کا مجھے علم تھا۔ خود کیشپ نے حکم دیا تھا کہ مجھے اس کے کیبن میں لے جایا جائے۔ اس لیے جب تابوت کو دھچکے لگنا بند ہو گئے تو میں نے یقین کر لیا کہ میں کیشپ کے کیبن میں پہنچ چکا تھا۔

''تابوت کو بند رہنے دیا گیا میں مکمل تاریکی میں بڑا ذہنی الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ پتا نہیں کتنی دیر...... کتنے گھنٹے یونہی تاریکی میں کٹے۔ بظاہر ایک لمبی مدت کے بعد کسی نے تابوت کھولا۔ پہلا ڈھکن کھلنے کی آواز سنائی دی۔ پھر ہڈیوں کے ڈھانچے کے حرکت کرنے کی آوازیں ابھریں میں نے کہیں قریب ہی کئی گراریوں کے حرکت کرنے کی آواز بھی سنی۔ اگر ہڈیوں کے ڈھانچے کے بارے میں کوئی شبہ رہتا تو وہ بھی اب دور ہو جانا یقینی تھا کیونکہ اس کی حرکت مشینی کل پرزوں ہی کی مرہون منت تھی جو شاید خودکار تھے یا پھر بیٹری سے بجلی پا کر حرکت میں آتے تھے جو تابوت ہی میں کسی جگہ پر پوشیدہ ہو سکتی تھی۔

چند لمحوں کے بعد دوسرا ڈھکن بھی اُٹھا دیا گیا لیکن کیبن میں مکمل تاریکی تھی۔ اس لیے میں فوری طور پر اندازہ نہ لگا سکا کہ تابوت کس نے کھولا تھا۔ امکانات اسی بات کے تھے کہ تابوت بڈھے نے خود کھولا ہو گا مگر کیوں؟...... یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

لیکن میرا پہلا خیال بھی غلط نکلا۔ تابوت کھولنے والا کیشپ نہیں پا تھا تھا۔ مجھے اندھیرے میں اس کے چہرے کے نقوش نظر نہیں آ سکے۔ صرف دھندلا سا خاکہ ہی دکھائی دیا۔'' لیکن اگر کوئی شبہ تھا تو وہ اس کی آواز سن کر دور ہو گیا۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں مجھے

مخاطب کر کے کہا تھا۔

''تم...... بڑے منحوس...... ثابت ہوئے...... میری معصوم بیٹی تمہاری وجہ سے موت کی نیند سوگئی ہے تم میرے سینے میں جلتی ہوئی آگ کا اندازہ نہیں لگا سکتے ایک جہنم سا دہک رہا ہے۔ اور اس جہنم کو بجھانے کے لیے مجھے تمہارے خون کی ضرورت ہے۔ مجھے معلوم ہے، تم زندہ ہو، لیکن اب نہ رہو گے۔''

مجھے کچھ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے جیسے ہی تاریکی میں بجلی سی لہرائی میں پوری یکسوئی سے اسے حکم دیا۔

''رک جاؤ۔''

پاتھا کا تیزی سے حرکت کرتا ہوا ہاتھ نیچے آتے آتے رک گیا اس کے ہاتھ میں چمکدار پھل والا چاقو تھا جس کی چمک مجھے بجلی کی لہر کی طرح نظر آئی تھی۔ چاقو کے پھل پر پڑنے والی روشنی شاید پورٹ ہول سے آتی ہوئی تاروں کی چھوٹ رہی ہوگی۔ ورنہ اندھیرے میں کیسا بھی چمکدار چاقو ہو چمک نہیں سکتا۔''

''تم...... میری...... آواز سن رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں...... مگر کیسے؟'' پاتھا کی آواز کہیں دور سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

''میرا جسم بے حس و حرکت ہے مگر میں بے بس تو نہیں ہوں۔ میں تمہیں اپنے اوپر چاقو کیسے چلانے دیتا؟''

''مگر تم کیسے روک سکتے ہو؟''

''میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ چاہوں تو تم یہیں فرش پر خون چاٹتے نظر آؤ۔''

''مگر کیسے؟'' پاتھا کی آواز میں خوف کی لرزش تھی۔

''یہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ نہ میں سمجھانے کے موڈ میں ہوں مجھے تم پر غصہ آ رہا ہے۔ اپنی بیٹی کی موت کے باعث تم خود ہو اور پھر یہ کیا حماقت ہے کہ جس نے تمہاری بیٹی کو مارا اسے کچھ نہیں کہتے مجھے ختم کرنے کی سوچ رہے ہو۔''

''مقدس بابا کے خلاف...... کچھ نہیں کیا جا سکتا وہ مقدس ہے بڑی عظیم طاقت والا...... خدا کا مخصوص بندہ!''

''تم دنیا کے سب سے بڑے احمق ہو!'' میں نے جیسے غصے میں کہا۔ ''میں تمہارے اس بڈھے سے زیادہ عظیم قوتوں کا مالک ہوں جسے تم اپنی حماقت سے مقدس گردانتے ہو اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس کو ختم کر دو۔''

''جیسی آپ کی مرضی!'' پاتھا کے انداز سے بے بسی جھلکنے لگی۔

''وہ کہاں ہے؟''

''کپتان کے کیبن میں مگر وہ یہاں آتا ہی ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔ اسے آنے دو۔ تم یہیں کہیں چھپ جاؤ بینکر کے نیچے جگہ ہو تو وہاں ورنہ پھر باہر کہیں۔ جب بڈھا آئے اور آرام

کرنے کے لیے بستر پر چلا جائے تو اس کے سونے کا انتظار کرو...... پھر...... پھر اسی چاقو سے...... اس کو ختم کر دو سمجھے!''

''سمجھ گیا...... ایسا ہی کروں گا۔!'' پاتھا نے کہا اور کیبن میں چھپنے کی جگہ تلاش کرنے لگا۔ پھر شاید جگہ نہ ملنے پر وہ باہر چلا گیا۔

کیشپ چند منٹ بعد لوٹا۔ تو مجھے احساس ہوا کہ مجھ سے ایک غلطی ہوگئی تھی مجھے چاہیے تھا کہ میں پاتھا کو حکم دیتا کہ جانے سے پہلے وہ تابوت کو بند کرتا جائے میرا خیال ہے کہ بڈھا تابوت کھلا دیکھ کر ضرور چونکے گا لیکن یا تو مجھے معلوم نہیں ہو سکا یا پھر اس نے دھیان ہی نہیں دیا کہ تابوت کھلا ہوا تھا۔ دھیان نہ دینے کی وجہ تھکن کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی کیونکہ کیشپ نے فوراً بستر کا رخ کیا تھا اور بستر پر لیٹنے کے چند منٹ بعد ہی کیبن میں اس کے خراٹے گونجنے لگے تھے پندرہ بیس منٹ اور گزرے پھر کیبن کا دروازہ آہستہ آہستہ کھلا اور تقریباً بے آواز کوئی کیبن میں داخل ہوا۔ جب اس نے دبے قدموں چلتے ہوئے کیشپ کے بستر کا رخ کیا تو مجھے یقین ہوگیا کہ وہ پاتھا ہی تھا۔

پھر اچانک کیبن میں کیشپ کی آواز گونجی۔ ''پاتھا...... رک جاؤ'' عموماً کیشپ کا حکم فوراً مان لیا جاتا ہوگا اس لیے غالباً حکم دینے کے بعد کیشپ نے کوئی حرکت نہیں کی یا پھر دیر میں حرکت کی ہوگی۔ کیونکہ پہلے کیشپ کی ہلکی سی چیخ سنائی دی پھر پاتھا سے ہاتھا پائی کی آواز آنے لگی۔ کیشپ نے دو تین بار پھر پاتھا کو ہاتھ روکنے کا حکم دیا تھا مگر شاید پاتھا پر اس کے حکم کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتی تھی کہ وہ میری ذہنی قوت کے تابع رہتے ہوئے کیشپ کی بات نہیں مان سکتا تھا یا پھر اس کے دل میں واقعی یہ بات گھر کر گئی ہوگی کہ کیشپ ششما کا قاتل تھا۔ اور اگر کسی کا خون اس کے سینے کی آگ کو ٹھنڈا کر سکتا تھا تو یہ کیشپ ہی ہو سکتا تھا وجہ بہر حال جو بھی ہو میرا خیال تھا کیشپ پاتھا سے کمزور پڑ جائے گا۔ اور اس کے ہاتھوں اس فتنے کا خاتمہ آخر کار ہو ہی جائے گا۔ مگر محض میری خوش نصیبی تھی۔ لڑنے والوں کے منہ سے جو آوازیں نکل رہی تھی ان سے مجھے یہی اندازہ ہوا کہ ابتدائی لمحات کے فوراً بعد ہی بڈھا کیشپ پاتھا پر حاوی آنے لگا تھا۔ اگر مجھے کوئی امید باقی رہی تھی تو وہ بھی اس وقت خاک میں مل گئی جب جہاز کا کپتان بڈھے کی مدد کو پہنچ گیا۔

کپتان نے پہلے کیبن کے دروازے پر دستک دی تھی۔ مگر کوئی جواب نہ پا کر دھینگا مشتی کی آوازیں سن کر اندر آ گیا تھا آتے ہی اس نے بتی روشن کی تھی اور پھر چند سیکنڈ میں حالات کا جائزہ لے کر وہ بڈھے کی مدد کے لیے پاتھا پر پل پڑا تھا۔

چند لمحے بعد دھینگا مشتی کی آوازیں معدوم ہوگئیں۔ صرف ہانپنے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔

''کیوں...... پاتھا! یہ کیا حرکت تھی؟'' کیشپ کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔ ''آخر تم اس وقت یہاں کیوں آئے تھے؟ کیا یہ تابوت تم نے ہی کھولا تھا۔؟''

شاید پاتھا نے سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا ہوگا۔ کیونکہ کیشپ نے دوبارہ کہا۔ ''میرا بھی کچھ ایسا ہی اندازہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے اور امید تھی کہ تم یقیناً میرے گھات میں کہیں آس پاس ہی موجود ہوں گے جبھی تو میں نے کیبن کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا اور سوتا بن گیا۔ مگر یہ سب کیوں؟ آخر تم نے تابوت کیوں کھولا تھا۔؟''

''میں اسے مارنے آیا تھا۔ میری بیٹی کی موت کا باعث جو تھا۔'' پاتھا نے جواب دیا۔ شاید وہ میرے اثر سے نکل چکا تھا۔

''پھر تمہیں کس نے روکا تھا۔ تم تابوت کھول ہی چکے تھے پھر تم نے اسے کیوں نہیں مارا؟''

''مجھے خود اس نے روک دیا تھا؟'' پاتھا نے کہا۔

مجھے اپنی ایک اور غلطی کا احساس ہوا۔ میں نے پاتھا کو احکامات کے علاوہ باقی سب کچھ بھول جانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ میں نے اس کی یا تو ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی یا یہ نکتہ میرے ذہن سے بالکل ہی نکل گیا تھا۔ بہرحال گزشتہ پر پچھتانا میں نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

''اس نے روک دیا تھا۔؟'' کیشپ نے حیرت سے کہا پھر جیسے بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ کیونکہ اس نے فوراً ہی اضافہ کیا۔

''تو پھر اسی نے مجھے مارنے کے لیے بھی کہا ہوگا اور اسی لیے تم میری بات نہیں سن سکے تھے۔''

''پپ...... پتہ...... نہیں!'' پاتھا نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''ضرور یہی بات رہی ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے ذہن میں ابھی کہیں نہ کہیں مجھے مارنے کا خیال ضرور چھپا ہوا ہوگا اور موقع ملتے ہی...... ادھر دیکھو۔'' کیشپ کی آواز سخت ہوگئی تھی۔

اس کے بعد چند لمحے خاموشی رہی پھر اچانک میرے برابر فرش پر کسی بھاری چیز کے گرنے کی آواز سنائی دی۔ مجھے خیال آیا کہ یہ پاتھا کا بے جان جسم ہوگا۔ اس کی موت بھی اسی طرح ہوئی ہوگی جس طرح اس کی بیٹی مری تھی۔ میرے خیال کی فوری تصدیق ہوگئی۔

''اسے کیا ہوا؟'' کپتان کی تحیر آمیز آواز سنائی دی۔ ''یہ اس کے منہ سے خون کیسا بہہ رہا ہے۔ کیا یہ مرگیا؟''

''ہاں۔'' بڑی سفاکی سے کیشپ نے جواب دیا۔ ''میں آستین میں سانپ پالنے کا قائل نہیں ہوں میں نے اس کو مار دیا۔''

''بابا...... تو عظیم ہے!'' کپتان کی آواز میں شاید خوف کی لرزش تھی۔

''مگر تم عین وقت پر کیونکر آگئے تھے؟''

''میں آپ کو بتانے آیا تھا کہ کلد یب کور کسی طرح میرے آدمی کو چوٹ دے کر اپنے کیبن سے فرار ہوگئی ہے۔''

''اوہ!'' کیشپ چونک پڑا۔لیکن دوبارہ جب وہ بولا تو اس کی آواز پرسکون تھی۔ اسے تلاش کرو۔ وہ ہمارے لیے کوئی نئی مشکل کھڑی کر دے گی۔''

''وہ کیا کرسکتی ہے؟'' کپتان نے ہنس کر کہا۔

''یقیناً کچھ کرسکتی ہے ورنہ فرار نہ ہوتی۔ جاؤ اسے جلد از جلد تلاش کرو۔ اور اس مرتبہ اسے زندہ نہ چھوڑنا سمجھے۔ یہ میرا حکم ہے؟''

''جیسا بابا کہتے ہیں۔ ویسا ہی ہوگا۔'' کپتان نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور کیبن سے چلا گیا۔

اب کیشپ میری طرف مڑا۔ وہ مجھ پر جھکا اور میری آنکھوں میں یوں دیکھنے لگا جیسے اسے کسی چیز کی تلاش ہو۔ مجھے اس کی آنکھوں میں ناکامی کا درد اور اپنے لیے گہری موت کے سائے نظر آئے۔

وہ کھڑا ہوتا ہوا بولا۔'' مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ میرا زہر تمہارے ذہن کو ناکارہ نہیں کر سکے گا۔ شاید اس وجہ سے کہ مجھے ابھی تک علم نہیں تھا کہ تم اپنی غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں سے واقف ہو چکے ہو۔ میرا خیال تھا کہ تم ابھی تک خود فراموشی کے عالم میں ہو۔''

''وہ تو میں ہوں!'' میں نے اس کے ذہن کو چھونے کی کوشش کی مجھے کامیابی کی کم ہی امید تھی۔ کیونکہ میرا خیال تھا' وہ میری صلاحیتوں سے واقف ہونے کی بناء پر میری طرف سے ہوشیار ہوگا۔ مگر جب وہ بولا تو میرا دل جیسے مسرت سے اچھلنے لگا۔

اس نے کہا۔''حیرت انگیز! بالکل یہی محسوس ہوا تھا جیسے تم بول اُٹھے ہو؟'' اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے غور و فکر کے آثار نمودار ہوئے پھر وہ بولا۔''مگر یہ نہ سمجھنا کہ تم اپنی ذہنی قوت پر مجھ پر استعمال کر سکو گے۔ اگر میں اپنے ذہن کو کھلا نہ چھوڑتا تو تم میرے ذہن کو ہرگز متاثر نہ کر سکتے!''

''تو پھر تم بھی مجھ پر اپنی غیر معمولی قوتیں استعمال نہیں کر سکتے۔ ہمارا مقابلہ محض جسمانی رہ گیا ہے اور یہ اندازہ تو تمہیں ہوگا ہی کہ کس میں جسمانی قوت زیادہ ہے۔'' میں نے کہا۔

جواب میں کیشپ نے ایک طویل قہقہہ لگایا۔ پھر وہ بولا۔''میں تم پر بھاری پڑتا ہوں کیوں کہ میں حرکت کرسکتا ہوں اور تم اپاہج ہو، مجبور و بے بس اور محض چند گھنٹوں کے مہمان۔''

''کیا مطلب؟''میں جیسے چونک پڑا۔

''کیوں...... سمجھے نہیں؟'' کیشپ نے لطف لیتے ہوئے کہا۔''پہلے میرا خیال تھا کہ میں تمہیں زندہ رکھوں گا۔ تمہارے ذہن کو دواؤں کے ذریعے ناکارہ بنا کر تمہیں اپنا مطیع کرلوں گا۔ اور کٹھ پتلی کی طرح استعمال کروں گا۔ مگر تمہارے ذہن کی غیر معمولی قوتوں کے بیدار رہنے کی صورت میں یہ کام بہت مشکل ہو جاتا ہے اور میں غیر معمولی خطرے مول لینے کا قائل نہیں ہوں۔ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔!''

اس کا اشارہ پا تھا اور اس کی لڑکی کی طرف رہا ہوگا۔ مگر میں ان کے بارے میں کچھ نہیں سوچ رہا تھا۔ اصل خطرہ جو مجھے درپیش تھا وہ میری سمجھ میں آنے لگا تھا۔ تصدیق کی خاطر میں نے پوچھا۔ ''اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔؟''

جواب میں کیشپ میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ وہ دوبارہ مجھے نظر آیا تو اس کے ہاتھ میں وہی شیشی تھی۔ جس میں زہر کا توڑ کرنے والی دوا تھی۔ میرا دل جیسے ڈوبنے لگا۔

''یہ دوا تمہارے مرض کا واحد علاج تھی۔ اس کی تیاری میں کم سے کم چوبیس گھنٹے لگتے ہیں اور اب میں اس دوا کو پورٹ ہول کے ذریعے باہر پھینک رہا ہوں تم اپنے انجام کے بارے میں خود سوچ لو کیا ہوگا؟''

میں نے بوکھلا کر کیشپ کے ذہن کو متاثر کرنے کی کوشش کی اور اسے ذہنی طور پر حکم دیا۔ ''کیشپ! رک جاؤ! تم یہ دوا نہیں پھینک سکتے۔''

مگر کیشپ پر میرا یہ غیر معمولی حربہ بیکار ہی ثابت ہوا۔ مجھے پورٹ ہول کھلنے کی آواز سنائی دی۔ پھر شیشی کے خالی ہونے کی آواز ابھری اور پھر کسی چیز کے پانی میں گرنے کی بہت ہلکی آواز کانوں میں آئی۔ پانی میں گرنے والی چیز خالی شیشی کے سوا کیا ہوسکتی تھی۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے گرنے کی آواز میرے ذہن کی پیداوار رہی ہو۔ کیونکہ پورٹ ہول کھلنے پر سمندر کا غضبناک شور سنائی دیا تھا۔ اور اس شور میں بھلا شیشی کے گرنے کی نحیف و نزار آواز کیا سنائی دیتی۔

کیشپ کی فکر مند آواز سنائی دی۔ ''جہاز طوفان میں گھرا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ شاید ہم جزیروں کے بے حد قریب پہنچ چکے ہیں۔ حالانکہ اب وہاں تک جانے کی کوئی خاص ضرورت باقی نہیں رہی۔''

مگر مجھے اس کی باتوں سے اب کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ میں تو اس وقت بھی نہیں چونکا جب جہاز کا کپتان گھبرایا ہوا سا کیبن میں داخل ہوا اور بغیر کسی تمہید کے جلد از جلد کہنے لگا۔ ''لڑکی نے واقعی ایک مشکل پیدا کردی ہے۔ اس نے سارے مسافروں کو بتا دیا ہے کہ آپ کے حکم سے جہاز کا رُخ جزائر کالدیب کی طرف موڑا گیا تھا جہاز اس وقت واقعی ایک طوفان میں پھنسا ہوا ہے۔ اس لیے لوگوں کو اس کا یقین آگیا ہے اور وہ بہت غصے میں جمع ہو کر اس طرف آرہے ہیں۔''

کیشپ نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ''گھبراؤ مت انہیں آنے دو میں ان سب کو بیک وقت سنبھال سکتا ہوں۔ پھر تم انہیں یقین دلا دینا کہ تم جہاز کا رخ واپس سیلون کی طرف موڑ رہے ہو اور تم حقیقتاً جہاز کا رخ موڑ سکتے ہو۔''

''واقعی......'' کپتان کی آواز میں اطمینان لہرا اُٹھا۔

''ہاں...... میں نے جزائر کالدیب جانے کا ارادہ بدل دیا ہے۔''

کیشپ کی بات پوری نہ ہو پائی تھی کہ کیبن کے دروازے پر کئی ہاتھ اکٹھے پڑے اس کے ساتھ ہی لوگوں کی چیخ و پکار سنائی دی۔ وہ کپتان اور اس کے ساتھیوں کو سامنے آنے کے لیے للکار رہے تھے۔

کپتان جیسے ہی باہر نکلا لوگوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ مجھے کچھ ایسی ہی آوازیں سنائی دی تھیں جن میں کپتان کی خوفزدہ آواز بھی احتجاج کرتی ہوئی شامل تھی۔

پھر کیشپ کیبن سے باہر نکلا اور یکلخت مجمع پر یوں خاموشی طاری ہوگئی۔ جیسے موت کے فرشتے نے بیک وقت ان سب کی روحیں قبض کر لی ہوں یا انہوں نے کوئی انتہائی خوفناک چیز دیکھ لی ہو۔''

میرا خیال ہے دوسری بات ٹھیک رہی ہوگی۔ کیشپ نے ذہنی قوتوں کو کام میں لاتے ہوئے خود کو ان سب کے سامنے انوکھے اور خوفناک کردار میں پیش کیا ہوگا۔ وہ سب جس کیشپ کو دیکھ رہے ہوں گے وہ یقیناً بڈھا اور نحیف ونزار نہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے وہ کسی جن، دیو یا کسی آتشیں وجود کو اپنی آنکھوں کے سامنے پا رہے ہوں۔

اس کے بعد آہستہ آہستہ کیشپ نے بولنا شروع کر دیا تھا بڑے اطمینان اور سکون سے وہ انہیں اپنے اپنے کیبن میں جانے کا حکم دے رہا تھا اور اس کے خاموش ہوتے ہی اس کی ہدایت پر عمل بھی شروع کر دیا گیا ہوگا کیونکہ مجھے دور ہوتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

پھر سمندر کے خوفناک شور کے سوا ہر آواز معدوم ہوگئی۔

خاموشی چھانے پر مجھے احساس ہوا کہ جہاز بہت بری طرح ڈول رہا تھا۔ پہلی مرتبہ مجھے احساس ہوا کہ تابوت پر جھٹکے سے اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر کھسک جاتا تھا۔ جھٹکے اتنے ہی شدید رہے ہوں گے کہ تابوت ہلکے پھلکے ڈبے کی طرح اپنی جگہ سے حرکت کر اُٹھتا تھا۔

کیشپ کیبن میں داخل ہوا۔ اس نے دروازہ بند کر کے میری طرف منہ کیا۔ پھر بولا۔''تم نے دیکھا وہ سب بھیگی بلی بنے ہوئے اپنے اپنے کیبنوں کی طرف چلے گئے۔ صرف کلدیب رہ گئی تھی اسے جہاز کے کپتان نے سنبھال لیا۔ اب وہ اس کا گلا گھونٹ رہا ہوگا یا شاید وہ اسے فوری طور پر ہلاک نہ کرے۔ اپنے لیے چند لمحے لطف و مسرت کے مہیا کرے۔ میں نے اسے اجازت دے دی تھی۔ اس کا جو دل چاہے کرے مگر اسے جلدی مر جانا چاہیے۔''

مجھے اس لمحے کسی بات کو ہوش نہیں تھا۔ میری موت یقینی ہو چکی تھی۔ پھر بھلا کسی کے بارے میں کیا سوچ سکتا تھا۔ میرا دل اگر چاہ سکتا تو یہی چاہتا کہ میں آنکھیں بند کر لوں اور آرام سے سو جاؤں۔

اپالو تھک گیا تھا!

بہت تھک گیا تھا!

اور سو جانا چاہتا تھا!

موت کی میٹھی نیند!

کیشپ نے جھک کر فرش پر سے کچھ اٹھایا پھر وہ میری طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں پاتھا کا چمکدار چاقو تھا۔

''پہلے میرا ارادہ تھا کہ میں تمہاری بے بسی کا مزہ کچھ دیر اور دیکھوں گا۔ مگر اب میں بہت تھک گیا ہوں اور کچھ دیر آرام سے بے فکر ہو کر سو رہنا چاہتا ہوں۔ اور اب بے فکری اسی وقت نصیب ہو گی جب تمہاری موت کی طرف سے اطمینان ہو جائے گا۔''

میں سمجھ گیا کہ اس کا کیا ارادہ تھا۔ مگر مجھے کوئی ڈر یا خوف محسوس نہیں ہوا۔ میں شاید خود ہی اپنی زندگی سے تنگ آ گیا تھا۔

میں اپالو تھا!

جو میرے قریب آیا فنا ہو گیا!

میں تباہی و بربادی کا مجسمہ!

تباہی و بربادی دیکھتے دیکھتے تنگ آ گیا تھا۔!

اور خود فنا ہونا چاہتا تھا!

کیشپ چمکدار پھل والا چاقو لے کر میرے اوپر جھکا۔ اس کا ارادہ میرے دل کو چھیدنے کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔ یا وہ میری گردن کاٹ ڈالنا چاہتا ہو گا۔ ہو سکتا ہے۔ میرے ذہن کو کچوکے لگانا چاہتا ہو۔

''کیا میں کچھ تکلیف محسوس کروں گا؟'' میں نے سوچا۔

''تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو گی۔'' جیسے کیشپ نے میرے تردد کو دور کرنا چاہا۔

اس کا خنجر والا ہاتھ میری آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ پھر آہستہ آہستہ چاقو نیچے آنے لگا۔ پھر چاقو نیچے آنے کی رفتار تیز ہو گئی۔ خنجر کی نوک میری آنکھوں کے بیچ میں پیشانی کو نشانہ بنانا چاہتی تھی۔

اگر میں آنکھیں بند کر سکتا تو شاید آنکھیں بند کر لیتا۔ اگر چیخ سکتا تو چیخ پڑتا۔ مگر میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا بے بسی سے پڑا خنجر کی نوک کو اپنی پیشانی کی طرف آتا دیکھتا رہا۔

اسی وقت ایک بڑے جھٹکے کا احساس ہوا۔خنجر میری پیشانی میں گھسنے کی بجائے تابوت کی دیوار سے لگا اور اسے چیرتا ہوا نیچے تک چلا گیا۔

کیشپ نے گندی سی گالی دی اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔اچانک جھٹکے سے وہ شاید فرش پر جا رہا تھا۔

''یہ طوفان معلوم ہوتا ہے کچھ کر کے رہے گا۔'' کیشپ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

''وہ شاید دوبارہ چاقو اُٹھانے کی سوچ رہا تھا کہ جہاز کو ایک اور جھٹکا لگا پھر ایک اور...... پھر ایک اور!

پھر تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی۔

چیزیں ٹوٹنے لگیں۔لہروں کا شور،لوگوں کی چیخ وپکار اور کیشپ کی ایک طویل لرزہ خیزہ چیخ!میرے کان پھٹنے لگے۔

تابوت اب یوں ہچکولے کھا رہا تھا جیسے وہ خود ایک تنکا ہو اور سمندر کی طوفانی موجوں کے تھپیڑے کھا رہا ہو۔

پھر تابوت الٹ گیا میں اس میں چند لمحے الجھا رہا پھر اس میں سے نکل کر سمندر کے پانی میں جا رہا۔

میرا بے حس وحرکت جسم سمندر کی سطح پر ڈولتا محسوس ہوا اور پھر نیچے تہہ کی طرف بیٹھنے لگا۔آہستہ آہستہ پانی کے بے پناہ بوجھ میں اضافہ ہوتا گیا اور زیادہ......اور زیادہ!

یقینی موت کا سامنا کرتے کرتے اچانک میرے دل میں جذبات کا طوفان اُمڈ آیا۔زندہ رہنے کی بے پناہ اور شدید خواہش طوفان انداز میں کروٹیں لینے لگی۔میرا انگ انگ جیسے زندہ رہنے کے لیے تڑپنے لگا۔

مگر کیا میرے لیے زندہ بچ رہنے کا کوئی امکان باقی رہا تھا۔؟

کیا بچ نکلنے کی کوئی راہ باقی تھی؟

کیا ہاتھ پاؤں مارے بنا بے رحم سمندری موجوں سے نپٹنے کی کوئی صورت تھی۔؟

زندگی مجھے عزیز تھی لیکن کیا میں بھی اسے کسی صورت عزیز ہو سکتا تھا۔؟

میں نے جتنا ان سوالوں پر غور کیا میں نے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس کیا۔

دل ڈوبتا محسوس کیا۔

دل ڈوبتا محسوس کیا؟

اوہ!میں چونک پڑا......کیا واقعی میرا دل ڈوب رہا تھا۔؟

مجھے واقعی اپنا دل ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔اس کے ساتھ ہی تکلیف کا بھی احساس ہونے لگا تھا اور یہ ایک عجیب وغریب بات تھی آخر ایسا کیونکر ہو سکتا تھا جب سے میرے جسم نے حرکت کرنی چھوڑی تھی۔مجھے کسی بھی تکلیف کا احساس نہیں رہا تھا۔پھر اب اچانک آخر کیا بات ہو گئی تھی میرے ذہن میں استعجابی سوالات کے جھماکے سے ہونے لگے تھے اور میں نے حقیقتاً دھڑکتے دل کے ساتھ سوچا کہ میرا جسم کیا

واقعی اب حرکت کرنے کے قابل ہو چکا ہے؟

مجھے فوراً ہی اس بات کا جواب اثبات میں ملا میں سمندر کی تہہ میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔ خود کو سطح کی طرف اُٹھانے کے لیے میں نے ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی اور پھر یہ محسوس کر کے مسرت سے کانپ اُٹھا کہ میرے ہاتھ پاؤں حرکت کر رہے تھے۔ میرا جسم اب بے حس نہیں رہا تھا کیشپ کے دیے ہوئے زہر کا اثر حیرت انگیز طور پر زائل ہو چکا تھا۔ اور مجھے اپنے جسم میں پہلے کی سی پھرتی اور توانائی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے اندرون جسم ایک عجیب سی کیفیت کا بھی احساس ہوا تھا۔ جیسے ہزاروں لاکھوں چیونٹیاں، میرے جسم پر رینگ رہی ہوں۔ یہ احساس بالکل ایسا تھا جیسے دیر تک کسی دباؤ میں رہنے سے ہاتھ پیر سن ہو جاتے ہیں اور پھر اچانک حرکت کرنے پر ایک عجیب سی لذت آمیز تکلیف کا احساس ہوتا ہے دراصل یہ کیفیت رکے ہوئے دوران خون کا اچانک جاری ہونے کا ردِعمل ہوتی ہے۔

لیکن میں اپنی اس کیفیت پر زیادہ غور نہیں کر سکا میرا ذہن دوسرے مسائل میں الجھا ہوا تھا جن میں سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ میں جلد از جلد سطح سمندر تک پہنچ جاؤں۔ دم گھٹنے کی تکلیف اب انتہا کو پہنچ رہی تھی۔

پاؤں باندھ کر میں نے ماہرانہ انداز میں ہاتھوں کو حرکت دی اور میرا جسم تیر کی طرح اوپر کو اُٹھنے لگا۔ ذرا ہی دیر بعد میں اپنا سر پانی سے باہر نکالے ہوئے لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔ خود کو سطح آب پر رکھنے کے لیے میں نے اپنے ہاتھ پیروں کی حرکت جاری رکھی تھی اور مجھے اس عمل میں کسی بھی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا تھا۔ یقینی امر ہے کہ مجھے تیرنا آتا تھا۔ میں کسی ماہر پیراک کی طرح موجوں کے تھپیڑے جھیل سکتا تھا۔ ان سے لڑتے ہوئے انہیں کاٹتے ہوئے فاصلے طے کر سکتا تھا لیکن مجھے اپنی اس نئی اور حیرت انگیز صلاحیت کے بارے میں جان کر ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی۔ مجھ پر یہ راز بتدریج منکشف تھا اس لیے اب مجھے اپنی کسی نئی صلاحیت کی دریافت پر حیرت نہیں ہوسکتی تھی۔

میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا لیکن مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ رات بے حد تاریک تھی۔ سمندر کی موجیں بھی سیاہ عفریتوں کی طرح اچھلتی نظر آ رہی تھی۔ ڈوبتے ہوئے جہاز کا کہیں پتا نہیں تھا۔ شاید وہ غرق ہو چکا تھا اور یہ بات بھی ممکن تھی کہ سطح آب کی طرف ابھرتے ہوئے اس سے دور نکل آیا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ اس جہاز کے مسافروں پر کیا گزری ہوگی۔ خاص طور پر کلدیب کور اور کیشپ میرے ذہن میں آ رہے تھے۔ نہ جانے وہ زندہ بچے ہوں گے یا نہیں؟

لیکن اس وقت میرے لیے سب سے اہم سوال یہ تھا کہ سمندر کی ان بپھری ہوئی لہروں سے لڑنے میں میرے قویٰ کب تک میرا ساتھ دے سکیں گے؟

بے رحم سمندر کی چنگل سے بچ نکلنے کے لیے ضروری تھا کہ میں فوری طور پر کسی سمت میں تیرنا شروع کر دوں لیکن سمت کا صحیح تعین ضروری تھا اگر خشکی کہیں قریب ہی موجود تھی تو مجھے اس سمت میں آگے بڑھنا چاہیے تھا کسی اور سمت کا چناؤ میری یقینی موت کا باعث ہوتا اور مجھے ابھی موت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

سمت کا انتخاب کرتے وقت میرے ذہن میں یہ خیال موجود تھا کہ موجوں کا رخ ہمیشہ مرکز سے دوری کی طرف ہوتا ہے اس لیے اگر ساحل قریب تھا تو موجوں کے ساتھ ساتھ چل کر اس تک پہنچا جا سکتا تھا۔ میں نے اٹھتی ہوئی لہروں کا رخ بھانپا اور سمت کا تعین کر کے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

میں برہنہ تھا اس لیے مجھے کپڑوں کے بوجھ سے بھی نجات ملی ہوئی تھی۔ میرے قویٰ مضبوط تھے اور میں تیرنے کے فن سے بھی واقف تھا اس لیے میری رفتار خاصی تیز تھی میں موجوں کو کاٹتا ہوا، بڑے اعتماد سے آگے بڑھ رہا تھا لیکن میں خود کو خطرے سے باہر اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا تھا جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ مجھے کتنی دور تک تیرنا ہو گا۔

اچانک کوئی چیز مجھ سے ٹکرائی۔ میں نے اسے ایک ہاتھ سے ٹٹولا تو وہ انسانی جسم نکلا۔ بے جان انسانی جسم......! اگر پانی میں کسی شخص کے رونگٹے کھڑے ہو سکتے ہیں تو اس وقت میرے رونگٹے بھی یقیناً کھڑے ہو گئے ہوں گے کیونکہ مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے میرا انجام بھی اس بدنصیب سے مختلف نہیں ہو گا۔ یقیناً وہ حرماں نصیب اسی جہاز کے مسافروں میں سے ہو گا۔ شاید اس کی بیوی بھی ہو۔ بچے بھی ہوں، والدین بھی ہوں اور بہن بھائی بھی! وہ سب اس کے منتظر ہوں گے لیکن جب انہیں اس جہاز کی غرقابی اور اس کے لاپتا ہونے کا علم ہو گا تو ان کی حالت دیدنی ہو گی کرب کے عالم میں وہ پچھاڑیں کھائیں گے مگر جانے والا لوٹ کر نہیں آسکے گا۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میرے ذہن میں خیال آیا کہ کیا اس دنیا میں ایسا بھی ہے جو میری موت کی اطلاع پر کرب والم سے گزر سکے؟ اگر کوئی ہستی ایسی اس دنیا میں موجود تھی تو میں اس سے بے خبر تھا ابھی تک تو مجھے یہی بات نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ کہ میں خود کون ہوں۔ میری شخصیت بدستور پردۂ اسرار میں پوشیدہ تھی۔

میں نے اس لاش کو دھکیل کر اپنی راہ سے ہٹایا اور کچھ تیزی سے ہاتھ چلانا شروع کر دیے۔ میری پرامید نظریں تاریکی کا سینہ چیر رہی تھیں۔ لیکن ساحل کے آثار نہیں آ رہے تھے میرے ذہن میں یہ سوال چکرانے لگا کہ کیا میں خود آگاہی سے پہلے ہی موت کی آغوش میں پہنچ جاؤں گا۔؟ یہ قدرت کی کتنی بڑی ستم ظریفی ہو گی کہ میں مرتے وقت اس بات سے بے خبر ہوں گا کہ میں کون ہوں۔؟

اچانک میرا جسم پھر کسی چیز سے ٹکرایا۔ لکڑی کا ایک بڑا سا تختہ تھا جو شاید جہاز ہی کا کوئی حصہ رہا ہو گا۔ میرے لیے یہ تختہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بن گیا میں نے اپنے جسم کا اوپری حصہ تختے پر ٹکا دیا اس طرح مجھے خود کو پانی کی سطح پر رکھنے کی مشقت سے نجات مل گئی۔ اب میں پیروں کی حرکت سے اور ایک ہاتھ سے پانی کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اگرچہ اس طرح میری رفتار خاصی سست ہو گئی تھی لیکن تھک کر ڈوب جانے کا خطرہ ٹل گیا تھا۔

اب میں نے قدرے مطمئن دل و دماغ کے ساتھ اردگرد کا جائزہ لیا تاروں کی مدھم سی چھوٹ میں مجھے آس پاس عجیب عجیب سی چیزیں پانی پر ڈولتی نظر آئیں۔ اندھیرے کے باعث میں ان چیزوں کی ہیئت کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں سوچ سکتا تھا لیکن میرے اندازے کے مطابق ان چیزوں میں بے جان جسم بھی رہے ہوں گے اور جہاز کا ٹوٹا پھوٹا سامان بھی میں ان چیزوں سے بچتا بچاتا

ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

اب مجھے اپنے بارے میں بھی سوچنے کا موقع ملا۔

مجھے کیا ہوا تھا؟ یہ بات کس طرح ممکن ہوئی تھی کہ منحوس کیشپ کے دیئے ہوئے زہر کے اثرات ختم ہوگئے۔ یہ کوئی معجزہ تھا یا محض اتفاق تھا؟ میں نے غور کیا تو مجھے دو امکانات قرین قیاس معلوم ہوئے ان میں سے کوئی سا بھی امکان درست ہوسکتا تھا۔ یہ بات مجھے یاد تھی کہ جہاز پر نیچے اڑنے سے پہلے صرف چند لمحے کیشپ نے زہر کا تریاق سمندر میں پھینکا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ تیل جیسی کوئی چیز رہی ہو جو پانی میں حل نہ ہوسکی ہو اور میں اتفاق سے سمندر کے اسی حصے میں جا پڑا ہوں جہاں تریاق موجود تھا اس طرح وہ میرے مساموں تک پہنچ گیا اور جسم میں داخل ہو کر زہر کے اثرات ختم کر دیئے لیکن یہ توجیہ مجھے کچھ زیادہ وزنی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ ششما نے مجھے بتایا تھا کہ وہ تریاق زہر کا اثر ختم کرنے میں پندرہ بیس منٹ لگاتا ہے جب کہ میرا جسم پانی میں ڈوبنے کے چند لمحے بعد ہی متحرک ہوگیا تھا۔

دوسری امکانی توجیہہ جو میری سمجھ میں آسکی وہ یہ تھی کہ شاید سمندر کا پانی ہی زہر کا توڑ ثابت ہوا ہو۔ ایسا توڑ جو اصل تریاق سے کہیں زیادہ زوراثر ثابت ہوا تھا اور اسی لیے میں پانی میں ڈوبنے کے فوراً بعد ہی حرکت کرنے کے قابل ہوگیا تھا۔ یہ توجیہہ مجھے کچھ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوئی۔ کیونکہ سمندری پانی میں سینکڑوں مرکبات اور دھاتیں موجود ہوتی ہیں۔ اس بات کا قوی امکان تھا کہ ان مرکبات میں وہ اجزاء بھی شامل رہے ہوں جو اس زہر کا توڑ ثابت ہوئے۔

اگر میری یہ دوسری توجیہہ بھی درست نہیں تو پھر میرا ٹھیک ہوجانا ایک معجزہ ہی ہوسکتا تھا اور چونکہ معجزے سمجھ میں نہیں آتے اس لیے میں نے اس معاملے میں دماغ سوزی کرنا فضول سمجھا میرے لیے یہی بات کافی تھی کہ میں ٹھیک ہوگیا تھا اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ میں کیسے ٹھیک ہوا۔

بیشک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن میرا دماغ انہی باتوں میں الجھا رہتا اگر اچانک آگے اندھیرے میں کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی نظر نہ آتی، مجھے کچھ ایسی آوازیں بھی سنائی دیں جیسے کوئی تھکا ماندہ جسم خود کو سطح آب پر رکھنے کے لیے آخری کوششیں کر رہا ہو۔ میں نے ذرا سا رخ بدلا اور تیزی سے ہاتھ پاؤں چلانا شروع کیے۔ میں ڈوبنے والے کو بچانا چاہتا تھا۔ جو اتنی دیر تک تند و تیز موجوں سے لڑتا رہا ہو۔ وہ یقیناً بڑے عزم و ہمت کا مالک رہا ہوگا۔ ایسے کسی شخص کی مدد نہ کرنا میرے خیال میں بڑی افسوس ناک بات ہوتی۔ میں ایسے انسان کی مدد کرنے کے لیے خود کو خطرے میں بھی ڈال سکتا تھا لیکن میں اسے آسانی بچا سکتا تھا

مگر اچانک ہی مجھے خیال ہوا کہ جسے میں بچانے کا خواہشمند ہوگیا ہوں' وہ منحوس بوڑھا کیشپ نہ ہو۔! وہ کیشپ جو میرے لہو سے غسل کرنا چاہتا تھا جس نے مجھے ذلیل و رسوا کرنے کی کسی بھی ممکن کوشش کو صرف نظر نہیں کیا تھا۔ جس نے میری محبوب ہستیاں مجھ سے جدا کردی تھیں اور غالباً یہ ذمہ داری بھی اسی پر عائد ہوتی تھی کہ میں اپنے ماضی سے بچھڑ گیا تھا اپنے ماضی سے یہ جدائی میرے لیے کسی بڑی اذیت سے کم نہیں تھی۔ اب اگر ان تمام تر باتوں کی ذمہ دار ہستی میرے سامنے موت کے جبڑوں کے قریب مچل رہی تھی تو مجھ پر یہ فرض ہرگز

عائد نہیں ہوتا تھا کہ میں اسے تشنۂ اجل رکھنے کی سعی کروں۔ میری آنکھیں تو ایک پر مسرت چمک کے ساتھ اسے ڈوبتا ہوا دیکھنا پسند کرتیں۔ اور میں طمانیت قلب کے ساتھ فرشۂ اجل کو مبارکباد دیتا کہ اس نے زمین کو ایک گندی روح کے بوجھ سے نجات دلا دی۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میرے تیرنے کی رفتار خود بخود سست ہوگئی تھی مگر اچانک ہی میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میرا ماضی تو اب بھی مجھ سے بچھڑا ہوا ہے اور کیشپ ہی وہ واحد ہستی ہے جو مجھے میرے ماضی سے آشنا کر سکتی ہے۔ میں اسے اپنے قابو میں کر کے اس سے بہ جبر یہ معلوم کر سکتا تھا کہ میں کون ہوں؟ اگر وہ ڈوب کر مرجاتا تو مجھے خود کو تلاش کرنے میں نہ جانے کتنا عرصہ لگتا۔ اور نہ جانے کیا کیا منزلیں سر کرنی پڑتیں۔

میرے دماغ میں ان سب خیالات کی نمو ہوتے ہی میری جسمانی حرکات پھر تیز ہوگئیں۔ میں حتیٰ الامکان سرعت سے تیرتا ہوا اس طرف بڑھا جہاں وہ اجنبی موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ابھی میں اسے اجنبی ہی کہوں گا۔ کیوں کہ یہ بات بہر حال سند نہیں پا سکی تھی کہ وہ منحوس کیشپ ہی ہوگا۔ وہ جہاز کا کوئی اور بدنصیب مسافر بھی ہوسکتا تھا۔

اب میں نے یہ بات بھی محسوس کی کہ اجنبی کی جدوجہد انتہائی کمزور پڑ گئی تھی۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو ہاتھ پیر ہلانے کی آوازیں قطعی معدوم ہوچکی تھیں۔ اس خیال سے میرا دل ڈوبنے لگا کہ شاید مجھے پہنچنے میں دیر ہوگئی تھی اور موت کے نوکیلے پنجوں سے نبرد آزما ہونے والا وجود سپر ڈال چکا تھا۔

سمندر میں اب تلاطم کی کوئی کیفیت باقی نہیں رہی تھی۔ پانی بڑے سکون سے رواں دواں تھا اور مچلتی ہوئی لہریں ہزاروں آدمیوں کو نگلنے کے بعد اب جیسے خوابیدہ ہوگئی تھیں۔

وہ نامعلوم وجود جسے میں بچانے کا خواہشمند تھا، ڈوبنے سے قبل شاید آخری مرتبہ سطح آب پر ابھرا تو میں نے اس پر ہاتھ ڈال دیا۔ یہ ضروری تو نہیں تھا کہ وہ مر ہی گیا ہو۔ بے ہوشی بھی ممکن تھی میں نے تختے کو چھوڑ کر اسے دونوں ہاتھوں سے سنبھالا اور قوت صرف کر کے اسے تختے پر ڈالنے کی کوشش کی۔ یہی وہ وقت تھا جو مجھے ادراک ہوا کہ وہ کیشپ نہیں تھا۔ وہ تو کوئی عورت تھی۔ میرے ہاتھ اس کے جسم کا گداز محسوس کر رہے تھے۔ یہ جان کر مجھے نا آسودگی کا احساس ہوا کہ وہ کیشپ نہیں تھا۔ کاش وہ کیشپ ہی ہوتا! میرا دشمن، دشمن جانی جس کو اپنے رحم و کرم پر پا کر میری انا کو تسکین ملتی اور جو میرے تشدد کے روبرو شکست کھا کر میرا گم شدہ ماضی مجھے واپس لوٹا دیتا۔

جب میری مچلتی ہوئی ان خواہشوں نے دم توڑا تو میرے منہ سے ایک ٹھنڈی سانس نکل گئی اور میں اس عورت کو تختے پر ڈالنے کی کوشش کرنے لگا مجھے اس میں دقت تو ہوئی لیکن میں کامیاب ہوگیا۔ مجھے یہ خیال بے چین کیے ہوئے تھا کہ شاید یہ جسم میری مدد کا محتاج نہیں رہا ہے۔ مُردوں کو کسی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انہیں زمین کا جگر چیر کر دفن کر دو یا سمندر کی پہنائیوں میں ڈوب جانے دو، کیا فرق پڑتا ہے! اور اگر کوئی فرق پڑتا بھی ہے تو اسے محسوس کرنے کی صلاحیت کسی مردے میں نہیں ہوتی۔

عورت کے تختے پر لٹا دینے کے بعد میں نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ زور زور سے دھڑکتے ہوئے دل کی حرکت میرے

ہاتھ نے واضح طور پر محسوس کی اور گداز سینے کے زیر و بم سے تنفس کی آمدورفت کا بھی پتہ چل گیا۔ وہ یقیناً کوئی جوان عورت تھی۔ میرے ہاتھ نے کچھ ایسا ہی محسوس کیا تھا اور یہ احساس محض تجربے کی بات تھی۔ میں اس دشت کا ایک پرشوق اور گرم جوش سیاح تھا۔ مجھے بڑی تسکین بخش مسرت کا احساس ہوا جیسے میں نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہو۔ جیسے اچانک کوئی انمول و بے بہا شے میرے ہاتھ لگ گئی ہو۔ کیا ایک انسانی زندگی کو انمول و بے بہا نہیں کہا جا سکتا؟

خدا جانے میں کب تک پانی میں رہا؟ نہ جانے کتنی دیر تک میرے ہاتھ پاؤں سمندر کے پانی کو چیرتے رہے؟ مجھے احساس نہیں کہ تختہ کب کنارے لگا اور کس طرح میں نے اسے کھینچ کر باہر نکالا۔ مجھے وہ سب کچھ بس ایک دھندلے دھندلے سے خواب کی طرح یاد ہے۔ وہ یقیناً ایک بھیانک خواب تھا۔ اگر ساحل قریب ہی نہ ہوتا تو مجھے زندگی کے ساحل سے بھی بچھڑنا پڑتا اور موت کا سفاک بھنور میری تقدیر بن جاتا......

تختے پر پڑا ہوا نازک وجود جس کی جوانی کا احساس مجھے ہاتھ کے لمس سے ہو چکا تھا۔ عالم بے خبری میں لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔ میں نے شاید اس کے پیٹ سے سمندری پانی نکالنے کی ناکام کوشش بھی کی تھی۔ یا شاید کے اس بارے میں صرف سوچ کر ہی رہ گیا تھا۔ میں اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیوں کہ اس وقت میری حالت ہوش اور بے ہوشی کے بین بین تھی۔ میرا آخری احساس یہ تھا کہ میرا تھکن سے چور چور جسم وہیں تختے پر ریت کے پاس گر پڑا تھا۔ اور ذہن پر چھائی ہوئی دھند کی تہہ دبیز سے دبیز تر ہوتی چلی گئی تھی۔ میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا تھا۔ یہ وہ کیفیت ہوتی ہے جسے زندگی اور موت کی درمیانی کڑی کہا جا سکتا ہے۔ جب میری آنکھیں وا ہوئیں تو میں چند ثانیے تو ادھر ادھر دیکھتا ہوا پلکیں جھپکاتا رہا اور پھر اچانک بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ گرم گرم خوشگوار دھوپ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں میں نمی اور ٹھنڈک کا عنصر رچا بسا ہوا تھا۔ آسمان پر نظروں کو ٹھنڈک پہنچانے والی نیلاہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ خوش رنگ پرندوں کی ٹولیاں چکراتی ہوئی نظر آ رہی تھیں اور ان کی خوش گلوئی سے فضا میں گویا جلترنگ بج رہے تھے۔

لیکن یہ سب چیزیں ایسی نہیں تھیں جو مجھے بوکھلا کر اُٹھنے پر مجبور کر دیتیں۔ خطرے کا احساس تو ان لوگوں کو دیکھ کر ہوا تھا جو مجھ سے کچھ دور ایک دائرہ بناتے ہوئے خاموش و ساکت بیٹھے ہوئے تھے بیشک ان کے چہروں پر ایک گمبھیر سکوت تھا اور جسم حرکت سے عاری نظر آ رہے تھے۔ مگر ان کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی۔ وہ سب کے سب بڑی دلچسپی سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں کھالوں اور کپڑوں کے زیر جاموں میں دیکھ کر مجھے اپنی برہنگی کا احساس ہوا اور اس وقت خجالت وانفعال کی جو کیفیت مجھ پر طاری ہوئی اس کا اظہار کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ اس کیفیت کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ صرف سمجھا ہی جا سکتا ہے اور سمجھ بھی وہ لوگ سکتے ہیں جو کبھی اچانک بھرے مجمع میں برہنہ ہو گئے ہوں۔

میرے قریب ہی وہ پرشباب وجود بھی پڑا ہوا تھا۔ جس کی زندگی گزشتہ رات سمندر کی سفاک لہروں کے رحم و کرم پر تھی اور جسے

میں موت کی سرحد سے گھسیٹ لایا تھا۔ میری نظریں اس کے چہرے پر پڑیں تو اسے پہچان کر مجھے کچھ زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔ شاید میرے لاشعور کی کسی تہہ میں یہ خیال پہلے ہی سے الجھا ہوا تھا کہ وہ کلدیب ہوگی۔ راجکماری کلدیپ کور! اسے اپنے قریب پاکر مجھے مسرت کا احساس ہوا لیکن یہ مسرت سینکڑوں گنا زیادہ ہوتی اگر حالات اپنی سنگینی کا احساس نہ دلا چکے ہوتے۔ میں اس وقت نامعلوم وحشیوں کے نرغے میں تھا اور ابھی یہ بات طے نہیں پا سکی تھی کہ میرے ساتھ ان کا رویہ دوستانہ ہوگا یا معاندانہ!

میں نے آس پاس نظریں دوڑائیں میں کوئی ایسی چیز تلاش کرنا چاہتا تھا جس سے اپنی برہنگی کو ختم کرسکتا۔ لیکن ایک ویران ساحل پر ایسی کوئی شے کیونکر دستیاب ہوسکتی تھی اس وقت شاید میرے چہرے پر خجالت اور انفعال کے ساتھ ساتھ بے بسی کا احساس بھی نمو پا گیا ہوگا۔ کیونکہ غالباً اسی کو محسوس کر کے وہ وحشی قہقہے لگانے لگے تھے۔ ان کو ہنستے دیکھ کر میرا خون کھول اُٹھا۔ یہ ذلت میرے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو اس وقت وہاں لہو کے فوارے اچھل جاتے۔ میں ان میں سے ایک ایک کی گردن اڑا دیتا۔ ان کی لاشوں کو پیروں تلے روند ڈالتا۔ سفاکی اور زندگی کا وہ کھیل کھیلتا کہ جنون کی منزل سے گزرنے کے بعد نکتۂ تجرد پر آ کر میں خود بھی دم بخود رہ جاتا۔

مگر یہ سب کچھ کر گزرنا میرے دائرہ اختیار سے بعید تھا یہ انتہائی بے بسی کی منزلیں تھی جہاں میں نے آنکھیں کھولی تھیں۔ اس اذیت ناک لمحے میں مجھے اپنی پراسرار ذہنی قوت کا خیال آیا۔ کیوں نہ میں اس قوت کو استعمال کروں۔ میں نے فوراً آنکھیں بند کرلیں اور پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی ذہنی قوت کو ان وحشیوں کے اذہان سے ٹکرانے کی کوشش کی۔ میں پہلی مرتبہ بیک وقت بہت سے ذہنوں کو چھونے کی کوشش کررہا تھا۔ اگر میرے ذہن کی پراسرار قوت ان سب کے اذہان تک رسائی پالیتی تو میرے مقصد کی بارآوری میں کوئی شبہ نہ رہ جاتا۔ میں انہیں باور کرانا چاہتا تھا کہ میں برہنہ نہیں ہوں اور میرے جسم پر مکمل لباس موجود ہے۔

چند لمحے بعد میں نے آنکھیں کھولیں اور میری نظریں امید وہم کی لہروں میں ہچکولے کھاتی ہوئی ان لوگوں کے چہروں پر گئیں۔

یہ دیکھ کر میرا دل خوشی سے دھڑک اٹھا کہ ان میں سے بعض کے چہروں پر حیرت کے آثار تھے اور بعض کے چہروں پر حیرت کے ساتھ خوف کا عنصر بھی شامل ہو گیا تھا۔ یقیناً میرے ذہن کی پراسرار قوت عروس کامیابی سے ہمکنار ہو چکی تھی۔ وہ لوگ جو ایک لحہ قبل تک مجھے برہنہ دیکھ رہے تھے اب اچانک مجھے لباس میں دیکھ کر سٹپٹا گئے تھے۔ اس عمل کی ظہور پذیری ان کے لیے ایک ناقابل یقین بات تھی اس لیے ان کا خوفزدہ ہو جانا فطری امر تھا۔ گو کہ میری برہنگی کا اچانک خاتمہ کوئی ایسا زیادہ خوفناک معاملہ نہیں تھا۔ لیکن پراسرار باتیں، خواہ کتنی ہی معمولی اور سادہ کیوں نہ ہوں، غیر مہذب ذہنوں کو خوف میں مبتلا کر دیتی ہیں۔

میں نے اپنی پراسرار ذہنی قوت کو استعمال کر کے ان کے اذہان سے اپنی برہنگی کا احساس تو حرف غلط کی طرح مٹا دیا تھا لیکن جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس طرح میں نے ایک خطرے کو آواز دے لی ہے۔ وہ خطرہ بھی کوئی معمولی خطرہ نہیں تھا میری زندگی کے لمحات مجھ پر دشوار ترین بن سکتے تھے کیونکہ ان وحشیوں کے ہاتھوں میں نوکیلے پھل والے نیزے موجود تھے خوف کے عالم میں وہ ماورائے عقل چیزوں پر اپنے ان ہتھیاروں کا استعمال کرنے سے دریغ نہ کرتے۔

میرے ان خدشات نے جلدی جلدی بصارت کو نوازا۔ میں نے نیزوں کو بلند ہوتے ہوئے دیکھا۔ نیم وحشی قوم کے وہ افراد اچانک بے حد پر جوش ہو گئے تھے اور انہوں نے زور زور سے باتیں شروع کر دی تھیں۔ ان کی زبان مہذب دنیا کی کوئی زبان ہرگز نہیں تھی۔ لیکن مجھے حیرت انگیز طور پر یہ احساس ہوا کہ وہ زبان میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ مجھے تو کچھ یوں لگا تھا جیسے میں عرصہ دراز تک اس زبان کو نہ صرف سنتا بلکہ شاید بولتا بھی رہا ہوں۔ یہ احساس میرے لیے عجیب تر ہی نہیں بلکہ عجیب ترین تھا۔ آخر میں نے یہ زبان کب اور کہاں سنی تھی یہ سوال میرے ذہن کے لیے کسی بچھو کا ڈنک بن کر رہ گیا۔ کیا یہ میری مادری زبان ہو سکتی تھی؟ کیا میں اتفاق سے انہی لوگوں میں پہنچ گیا تھا جو میرے اپنے تھے؟ نہیں نہیں...... یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ میرے لیے اور میں ان کے لیے اجنبی تھا۔ میری تو خیر یادداشت چلی گئی تھی۔ مگر ان سب نے تو اپنے ماضی کو فراموش نہیں کیا ہوگا۔ اگر ان لوگوں سے میرا کوئی تعلق ہوتا تو وہ مجھے پہچان گئے ہوتے۔

میری نظریں ان لوگوں پر جمی ہوئی تھیں اور ان کا جوش بڑھتا جا رہا تھا۔ ان کی آوازیں مجھے صاف سنائی دے رہی تھیں اور چند الفاظ کو چھوڑ کر ساری گفتگو میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ اس گفتگو سے پتا چل رہا تھا کہ ان میں دو مختلف الخیال گروپ بن گئے تھے اور ان میں سے کچھ اس قسم کی بحث ہو رہی تھی۔

''یہ جادوگر ہے اسے نیزوں سے چھلنی کر دینا چاہیے۔''

''نہیں...... ایسا کرنا خطرناک ہوگا ساحرہ دیوی کو بلا لینا چاہیے وہ کوئی دانشمندانہ فیصلہ کر سکے گی۔''

''اس جادوگر کو ختم کر دینا ہی سب سے بڑی دانشمندی ہوگی ورنہ یہ ہماری سرزمین پر تباہیاں پھیلا سکتا ہے۔ ہمارے نیزے سورج کی کرنوں سے زیادہ تیز ہیں۔ اگر ہم سب مل کر حملہ کر دیں تو یہ کس کس کا حملہ روکے گا......؟ ایک ہی نیزہ اسے آکاش کے پانچویں حصے میں پہنچا دیگا۔''

''نہیں نہیں! اسے مت چھیڑو کہیں یہ غصے میں ہم سب کو جلا کر بھسم نہ کردے۔ ساحرہ دیوی ہی اسے اپنی دانشمندی سے زیر کر سکے گی۔''

اس گفتگو سے مجھے ان لوگوں کے نظریات وخیالات کا کچھ اندازہ ہوگیا۔ یقیناً وہ لوگ انسانی ارتقاء کی دوڑ میں ابھی بہت پیچھے تھے۔ سحر اور دیویوں پر ان کا ایمان تھا۔ ان پر کوئی عورت ہی حکومت کرتی تھی جسے وہ لوگ ساحرہ دیوی کہہ رہے تھے۔ یقیناً وہ سحر وافسوں سے تعلق نہ رکھتی ہوگی۔ مگر اس نے اپنی ذہانت سے ان لوگوں کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہوگا۔ اس کی پر مغز تر اکیب ان لوگوں کو سحر وافسوں معلوم ہوتی ہونگی۔

جلد ہی ان لوگوں کی دونوں ٹولیاں ایک دوسرے سے کٹ گئیں۔ ساحرہ دیوی کو بلانا جس ٹولی کا مؤقف تھا وہ پیچھے ہٹ گئی اور باقی لوگ نیزے اپنے ہاتھوں میں تولتے ہوئے چند قدم آگے بڑھ آئے وہ مجھ پر حملہ کرنے ہی والے تھے اور میں بیک وقت بیس پچیس نیزوں سے بچنے کی کوشش نہیں کرسکتا تھا۔

''ٹھہرو! رک جاؤ!'' میں نے اچانک ہاتھ اُٹھا کر ان لوگوں کو مخاطب کیا۔ وہ سب ٹھٹھک کر رہ گئے۔ اور ان کی آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی کیوں کہ میں انہی کی زبان بولا تھا۔ خود مجھے بھی اس امر پر حیرت تھی۔ میں غیر ارادی طور پر ایسی زبان بول گیا تھا جو میں نے شاید کبھی نہیں بولی تھی۔ کم از کم مجھے یاد نہیں تھا کہ میں نے کبھی یہ زبان بولی ہوگی۔

''میں جادوگر نہیں ہوں۔'' میں نے چلا کر ان سے کہا: ''مجھے اپنا دوست سمجھو! میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔''

مجھے اس طرح بولتے دیکھ کر وہ لوگ چند لمحے تو حیرت زدگی کے عالم میں بے حس وحرکت کھڑے رہے تھے مگر چند لمحے بعد ان میں سے چند ایک نے حرکت کی اور اپنے نیزوں کو پر جوش انداز میں ہلاتے ہوئے چیخنے لگے۔ ''یہ کالا ہی ہے۔ کالا ہی جادوگر۔ اسے فوراً مار ڈالنا چاہیے۔''

ان لوگوں پر اپنی باتوں کا یہ ردِ عمل میری سمجھ میں نہ آسکا مگر یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ میں اس پہلو پر غور وفکر کے گھوڑے دوڑا سکتا۔ لمحات جیسے تیزی سے سکڑ رہے تھے اور مجھے ان سکڑتے ہوئے لمحات میں اپنے بچاؤ کے لیے کوئی فوری فیصلہ کرنا تھا۔ زندگی کی بازی جیتنا تھی۔ میں نے اپنی پراسرار قوت سے ان کے ذہنوں کو چھونے کی کوشش کی اور انہیں یہ باور کرانا چاہا کہ میں ایک آتشی وجود ہوں جس پر ان کے نیزے مہر اجل ثبت نہ کرسکیں گے۔

دوسرے ہی لمحے ان سب کو ٹھٹھک کر رکتے دیکھا یوں معلوم ہوا تھا جیسے انہوں نے دنیا کی کوئی سب سے زیادہ عجیب چیز دیکھ لی ہو۔ غالباً میری پراسرار ذہنی قوت کام کر گئی تھی لیکن میں یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ انہوں نے مجھے کس شکل میں دیکھا ہوگا۔ شاید انہوں ے مجھے کسی الاؤ کی طرح دہکتے ہوئے دیکھا ہو۔ شاید انہوں نے مجھے سورج کی طرح دہکتا ہوا پایا ہو۔ میں اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔

لیکن یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے جو کچھ بھی دیکھا ہو وہ اتنا ہی حیرت انگیز اور خوفناک رہا ہوگا کہ دہشت سے ان لوگوں کے چہرے مسخ ہو کر رہ گئے اور پھر وہ اپنے نیزے پھینک پھینک کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اب صورتحال اطمینان بخش ہوگئی تھی۔ میں نے کلدیب کور کی طرف توجہ دی۔ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں مگر یہ سمجھنا حماقت ہوگی کہ وہ بے ہوش تھی۔ ہاں یہ ضرور سوچا جا سکتا تھا کہ وہ گہری نیند میں تھی اتنی گہری نیند میں کہ ان وحشیوں کی آوازیں بھی اسے نہیں جگا سکتی تھیں اب جو میں نے اسے غور سے دیکھا تو گھبرا گیا۔ اس کے لباس کا کمر سے نیچے کا حصہ خون آلود نظر آ رہا تھا۔ شاید جہاز کی تباہی نے اس کے زیریں جسم کے کسی حصے کو مضروب کیا تھا۔ میں جلدی سے اس کے قریب گیا اور شانہ ہلاتے ہوئے اسے آوازیں دینے لگا۔

''کلدیب کلدیب!''

میں ان لمحات میں یہ بھول گیا تھا کہ میں برہنہ ہوں اور کلدیب کور جب آنکھیں کھول کر مجھے اس حالت میں دیکھے گی تو کتنی جھینپے گی بیشک اس نے میرے ساتھ وہ تمام منزلیں طے کی تھیں۔ جن کی اساس ہی برہنگی ہوتی ہے' تاہم اس طرح دن کی روشنی میں مجھے برہنہ دیکھ کر وہ منفعل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

یہ اور بات ہے کہ اس نے آنکھیں ہی نہیں کھولیں اور جلد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ واقعی اب تک بے ہوش تھی۔ وہ نہ صرف بے ہوش تھی بلکہ اس کی سانسیں بھی اکھڑی سی تھیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جانکنی کے عالم سے گزر رہی ہو۔ میں نے غور کیا تو اس کا چہرہ بھی بالکل زرد معلوم ہوا۔ شاید اس کا خون بہت زیادہ مقدار میں بہہ چکا تھا۔ فوری طور پر میرے ذہن میں یہی آیا کہ اسے بہت گہرے زخم آئے ہوں گے میں ان زخموں کو دیکھنے کے لیے بیتاب ہوگیا وہ ساڑھی باندھے ہوئے تھی اس لیے ان زخموں کو فوری طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔ میں نے اس کی ساڑی اور پیٹی کوٹ کو نیچے سرکا دیا۔ اس کی سڈول وسفید پنڈلیاں۔ بالکل بے داغ نظر آئیں۔ کہیں بھی زخم کا کوئی نشان نہیں تھا۔ میں نے ساڑی کو کچھ اور اوپر سرکایا کوئی زخم اب بھی دکھائی نہیں دیا۔ لیکن اس کے چند لمحے بعد ہی مجھے حقیقت کے سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ ایک اندوہناک حقیقت تھی اسے جان کر میرے دل ودماغ کو دھچکا سا لگا۔ کلدیب کور کا حمل ساقط ہوگیا تھا۔ اس کے بطن میں پرورش پاتی ہوئی میری اولاد اس دنیا میں تو آ گئی تھی مگر خون کے لوتھڑوں کی شکل میں!

کچھ دیر کے لیے میرے ذہن پر سناٹا سا چھا گیا۔ سوچنے سمجھنے کی قوت سلب ہو کر رہ گئی۔ اور میں بیٹھا کا بیٹھا رہ گیا۔ بے حس، بے حرکت! اور جب میرے حواس کچھ سنبھلے تو میرا پہلا خیال یہ تھا کہ کلدیب کو جلد از جلد طبی امداد ملنی چاہیے ورنہ وہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو جائے گی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس جزیرے پر طبی امداد کیونکر مل سکتی ہے یہاں اگر آبادی تھی بھی تو ایسے وحشیوں کی جو شاید طب کی ''ط'' سے بھی واقف نہ ہوں۔ صرف اس عورت سے کسی قسم کی مدد مل سکتی تھی جسے وہ لوگ ''ساحرہ دیوی'' کے نام سے پکارتے تھے۔

اب دوسرا سوال یہ تھا کہ میں اس عورت کو کیسے تلاش کروں۔ نہ جانے یہ جزیزہ کتنا بڑا تھا اور وہ عورت اس جزیرے کے کون سے حصے میں فروکش تھی۔

میں کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایک طرف تو وہ بے رحم سمندر ہی تھا جس سے کسی بھی قسم کی مدد نہیں مل سکتی تھی اور باقی تینوں اطراف میں بہت دور تک کسی آبادی کے آثار نہیں دکھائی دے رہے تھے۔ ریت کی لہروں اور اونچے نیچے ٹیلوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک ویرانی سی ویرانی تھی۔

اب اچانک مجھے پھر اپنی برہنگی کا احساس ہوا اور بے ساختہ میری نظریں کلدیب کی طرف گئیں۔ اس کی ساڑھی میری ستر پوشی کر سکتی تھی ساڑھی اترنے کے بعد کلدیب نیم برہنہ تو ہو جاتی لیکن برہنہ بہر حال نہ ہوتی پیٹی کوٹ اور بلاؤز تو اس کے جسم پر موجود ہی رہتا۔

سورج آہستہ آہستہ بلند ہوتا جا رہا تھا اور اس کی تپش میں اضافے کے ساتھ فضا میں چہچہاتے ہوئے پرندوں کی تعداد میں کمی ہوتی جا رہی تھی' وہ جنوب کی طرف اُڑتے چلے جا رہے تھے۔ اس سے میں نے یہ قیاس کیا کہ آبادی جنوب ہی کی طرف ہو گی۔ میں نے کلدیب کی ساڑھی اتار کر اپنے زیریں جسم پر باندھ لی اور ایک بار پھر کلدیب کی جسمانی حالت کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اس کا سانس اب بھی اکھڑا اکھڑا سا چل رہا تھا اور یہ بات یقینی نظر آ رہی تھی کہ طبی امداد نہ ملنے کی صورت میں وہ سانس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اکھڑ جائے گا۔ ایک شگفتہ پھول کو یوں مرجھائے دیکھ کر مجھے اپنے وجود پر غصہ آنے لگا تھا۔ کیا اپالو صرف تباہی و بربادی اور موت ہی کا پیغامبر تھا؟...... کیا میرے جلو میں موت ہی کی آہٹیں گونجتی تھیں؟ کیا زندگی کی مہکار سے میرا کوئی واسطہ، کوئی تعلق نہیں تھا؟ مجھ پر جنون سا طاری ہونے لگا۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو شاید اس وقت میں کلدیب کی بقا کے لیے خود کو فنا کر لینے سے بھی دریغ نہ کرتا لیکن میرے بس میں اگر کچھ تھا تو صرف یہ کہ آبادی تک پہنچ کر کلدیب کے لیے کسی قسم کی طبی امداد حاصل کرنے کی کوشش کروں۔ میرے قدم جنوب کی طرف اُٹھنے لگے کیونکہ پرندوں کے علاوہ ان نیم وحشی لوگوں نے بھی وہی راہِ فرار اختیار کی تھی اس لیے قوی امکان تھا کہ آبادی اسی سمت ہو گی۔

چند قدم چلنے کے بعد میں یکلخت رک گیا۔ مجھے خیال آیا تھا کہ اگر میں کسی قسم کی امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو واپس آتے آتے بہت دیر ہو جائے گی۔ شاید اس وقت تک کلدیب کسی قسم کی امداد کی احتیاج سے بے نیاز ہی ہو جاتی۔ اس خدشے کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ میں کلدیب کو اپنے ساتھ ہی لیجاؤں میں مڑا اور پھر کلدیب کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اسے اُٹھا کر اپنے کندھے پر ڈالا اور چل پڑا۔

گزشتہ روز سے اب تک ایک کھیل بھی اُڑ کر میرے منہ میں نہیں پہنچی تھی اور میں پیاسا تھا لیکن میری جسمانی طاقت اتنی کم نہیں تھی کہ صرف چوبیس گھنٹوں میں مجھ پر اس کا کوئی شدید ردعمل ہو جاتا۔ میں کلدیب کو اپنے کندھے پر اُٹھائے بڑے اعتماد سے قدم اُٹھاتے چلا جا رہا تھا۔

موت!

ہاں......موت!

خوف و ہراس کی دیوی، موت! زندگی کے ایوانوں میں دھول اُڑا دینے والا موت، عناصر حیات کو تاخت و تاراج کر دینے والی

موت۔اس گلبدن کو بھی اپنی ازلی اور ابدی بھوک کا نشانہ بنالینا چاہتی تھی، جس کو میں اپنے ایک کندھے پر ڈالے اس صحرا میں سرگرم سفر تھا۔ میرے قدم نہ تھکنے والے انداز میں مسلسل اُٹھ رہے تھے۔ میں کلدیب کور کے حشر ساماں جسم کو مٹی کے ڈھیر میں ملتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چمن حیات کے ایک نوشگفتہ پھول کو اتنی جلدی تو بادِ سموم کی زد میں نہیں آنا چاہیے۔ پھر ویسے بھی کلدیب کور ایک ایسی لڑکی تھی جس نے میرے لیے عظیم قربانیاں دی تھیں جس نے مجھے پوری شدت سے چاہا تھا۔ بیشک کچھ اور لڑکیوں کے پیار میں بھی میرے لیے اتنی ہی شدت رہی تھی۔ لیکن کلدیب کور کا مقام ان سے بلند تھا۔ اس کی گود ایک ایسے بیج سے ہری ہوئی تھی جو میں نے بویا تھا۔ پھر وہ ممتا کے عظیم جذبے کی رفعتوں میں کھو کر اس پودے کو اپنے خون سے سینچتی رہی تھی۔ جس کا مالی میں تھا۔ آج تک وہ میری اس امانت کو اپنے وجود میں سمیٹے ہوئے اس کی حفاظت کرتی رہی تھی۔ اس کی خاطر اس نے کئی طوفانوں کا مقابلہ کیا تھا۔ باپ کے مقابل آئی تھی۔ سماج کے خوف کو نظرانداز کیا تھا۔ اور بالآخر کیشپ کی قیدی بھی اسی لیے بنی تھی کہ اس کے بطن سے ارسلان کا ایک قطرۂ حیات کونپل بن کر پھوٹنے والا تھا۔

ارسلان!

ہاں ارسلان!

میرا نام ارسلان تھا!

میرا نام ارسلان ہے!

میں اپنے ذہن کی تاریک بھول بھلیوں میں گم تھا اور اس وقت تک مجھے اپنے بارے میں صرف یہی ایک بات معلوم ہو سکی تھی کہ میں ارسلان ہوں، میرا نام ارسلان ہے۔ کیشپ نے مجھے اسی نام سے مخاطب کیا تھا۔ اور حالات وشواہد سے یہ بات صاف ظاہر ہو چکی تھی کہ منحوس کیشپ میرے بہت قریب رہا ہے اس لیے میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ مستقبل میں اس کی یہ بات بھی درست ہی ثابت ہوئی کہ وہ میرا استاد تھا۔ اس نے مجھے ایسی باتیں تعلیم کی تھیں جو شاید دُنیا کے کسی اور استاد نے اپنے شاگرد کو تعلیم نہیں کی ہوں گی۔

وہ میرا دشمن تھا اس لیے کلدیب کور کو لے اڑا کیونکہ وہ میرے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ وہ میرے دوسرے روپ کو جنم دینے کا فخر حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن ایک حادثے نے اس کے ارمانوں کو ایک لہو رنگ غسل دے دیا۔ حیات کی ایک کونپل نمو پانے سے پہلے ہی خود اپنی جڑوں میں جل کر ختم ہوگئی وہ روح اس دنیا میں نہ آسکی جسے میرا دوسرا روپ کہا جاسکتا تھا۔

اسی حادثے کے باعث اب کلدیب کور موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ اور میں اس کشمکش کو صرف زندگی کی نکہتوں پر ختم ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ جلد از جلد کلدیب کور کو طبی امداد فراہم کر دیجائے۔

لیکن کیا یہ ممکن تھا؟

ممکن ہوتا یا نہ ہوتا لیکن میرے قدم اسی امید پر اُٹھ رہے تھے کہ میں جلد یا بدیر ان جنگلیوں کی بستی تک پہنچ جاؤں گا اور اپنی پراسرار ذہنی قوت سے کام لے کر انہیں اس بات پر مجبور کر دوں گا کہ وہ اپنے ہی طریقے سے سہی لیکن کلدیب کور کا علاج کریں۔

میرے قدم اُٹھتے رہے، مسلسل اُٹھتے رہے!

ایک گھنٹہ!

دو گھنٹے!

تین گھنٹے!

مجھے یاد نہیں کہ میں کتنی دیر تک چلتا رہا تھا۔ ہاں مجھے اتنا احساس ضرور ہے کہ تھکن میرے ریشے ریشے میں رچ بس گئی تھی۔ میرا وہ کندھا جس پر کلدیب کو تھی بری طرح اینٹھنے لگا تھا۔ اور مجھے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے میرے اعصاب کسی بھی لمحہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گے۔ زبان خشک ہو کر تالو سے جا لگی تھی اور سورج کی بڑھتی ہوئی تپش کے ساتھ میرے حلق میں پڑے ہوئے کانٹوں کی تعداد جیسے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

ایک مرتبہ میرے قدم اس طرح ڈگمگائے جیسے میں ابھی گرنے والا ہوں۔ میں فوراً رک گیا نظروں کے سامنے دھند سی چھانے لگی تھی۔ میں نے آنکھ میچ میچ کر اس دھند کو صاف کرنے کی کوشش کی اور اسی لمحے میں نے کافی فاصلے پر کچھ غبار سا اڑتے دیکھا۔ میری متجسس نظریں اس غبار پر جم کر رہ گئیں۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ کھڑا رہنا اب میرے بس کی بات نہیں رہ گئی ہے۔ لیکن میں اس وقت تک ضرور کھڑا رہنا چاہتا تھا۔ جب تک اصل معاملے کی وجہ سامنے نہ آجاتی۔ ہاں میں نے اتنا ضرور کیا کہ کلدیب کو اپنے کندھوں سے اتار کر زمین پر لٹا دیا۔ اس کی سانسوں کا زیر و بم اس بات کی ضمانت تھا کہ وہ ابھی زندہ تھی۔

فضا میں گھوڑوں کی ٹاپوں کا ارتعاش پیدا ہوا اور میں نے دیکھا کہ اس غبار کے پیش منظر میں قدیم وضع کی ایک رتھ نما گاڑی، سورج کی کرنوں سے چمک رہی تھی۔ دو سفید گھوڑے اس گاڑی کو برق رفتاری سے کھینچے ہوئے میری طرف آرہے تھے۔ فاصلہ ابھی زیادہ تھا اس لیے اس گاڑی پر سوار افراد مجھے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ادھر میری حالت بہت زیادہ دگرگوں ہو چکی تھی۔ میں کوشش کے باوجود اپنے حواس پر قابو رکھنے سے قاصر تھا۔ گھٹنوں کے جوڑ جواب دے چکے تھے۔ میں کلدیب کے قریب ہی بیٹھتا چلا گیا۔ غشی اپنی پوری طاقت کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہو رہی تھی۔ میرا آخری احساس یہ تھا کہ رتھ نما گاڑی میرے قریب آ کر رک گئی تھی اور اس کے گھوڑے ایک مرتبہ بہت زور سے ہنہنائے تھے۔ میں نے گاڑی پر ایک ایسی عورت کو دیکھا جو اپنی وضع قطع سے کوئی دیوی ہی معلوم ہو رہی تھی اسکا حسن بھی ارضی نہیں معلوم ہو رہا تھا وہ سفید حریری لبادے میں تھی۔ سفید پروں کا تاج اس کے سر پر بہت خوبصورت معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن ایک بات ایسی بھی تھی جس نے اسے بے حد خوفناک بنا دیا تھا۔ اس کے دونوں شانوں پر سانپ بیٹھے ہوئے تھے ان کی انگاروں کی طرح سرخ زبانیں بار بار لپک رہی تھیں اور وہ مستی میں جھوم رہے تھے۔

اس کے بعد مجھے کچھ بھی یاد نہ رہ گیا۔ گھور تاریکی میرے ذہن پر اپنے پنجے گاڑ چکی تھی۔ غالباً میں زمین پر کسی طرف لڑھک گیا تھا۔

لیکن جب مجھے ہوش آیا تو میں زمین پر نہیں بلکہ نرم گدیلے بستر پر لیٹا ہوا تھا اور میری برہنگی بھی ختم ہو چکی تھی۔ میرے جسم پر نرم نرم ریشم کا لباس تھا۔ فضا میں مخمور کن خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں اور ایک عجیب سی مدھم مدھم موسیقی میری سماعت کو نواز رہی تھی۔ میں نے حیرت سے چاروں طرف دیکھا۔

یہ کمرہ تاریخ قدیم کے کسی شہزادے کی خوابگاہ معلوم ہو رہا تھا۔ چھت سے جھاڑ فانوس لٹکے ہوئے تھے اور دیواروں پر قدرتی مناظر کی تصویریں آویزاں تھیں۔ ہرن اور بارہ سنگھوں کے سر بھی بڑی خوبصورتی سے لگائے گئے تھے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مدھم مدھم موسیقی ان ہی سروں سے خارج ہو رہی ہو۔

کمرے میں میرے علاوہ کوئی نہیں تھا لیکن جیسے ہی میں بستر سے اُٹھا۔ کمرے کے دروازے پر پڑا ہوا ریشمی پردہ لہرایا اور اس کی اوٹ سے بیک وقت کئی چاند طلوع ہو گئے۔ بے اختیار میری پلکیں جھپک گئیں۔ وہ لڑکیاں قدیم طرز کے ایسے لباس میں تھی جوان کے کندن جیسے جسم کی تڑپا دینے والی جھلکیاں پیش کر رہا تھا۔ تینوں لڑکیاں اپنے ہاتھوں پر خوان اُٹھائے ہوئے تھیں۔ ان کی چال میں بانکپن تھا اور ہونٹوں پر بھیگی بھیگی دلآویز مسکراہٹ۔

خوان ایک آبنوسی میز پر رکھ دیے گئے ان کی خوشبو میری اشتہا کو جھنجھوڑ چکی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں بھوکا تو ہوں لیکن پیاس کی کیفیت ختم ہو چکی ہے۔ حالانکہ جب میں بے ہوش ہوا تھا اس وقت میرے حلق میں کانٹے پڑے ہوئے تھے۔ اب ان کانٹوں کا عدم وجود اس بات پر دلیل تھا کہ بے ہوشی کے عالم میں میرے حلق میں پانی ٹپکایا ہوگا۔

تینوں لڑکیاں اب مؤدبانہ انداز میں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک آہستہ سے بولی۔ ''کھانا حاضر ہے اجنبی مہمان!''

میں نے وہ زبان بخوبی سمجھ لی۔ اس سے قبل میں ان جنگلیوں کی باتیں بھی سمجھ گیا تھا جو مجھے ساحل پر ملے تھے۔ لیکن یہ مجھے اب بھی یاد نہیں آسکا تھا کہ میں نے پہلے کبھی یہ زبان سنی ہو۔

''کھانے سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میں کہاں ہوں؟'' میں نے ان لڑکیوں کو گھورتے ہوئے انہی کی زبان میں کہا

''تم دیوی کے مہمان ہو اجنبی؟''

''دیوی کون ہے؟''

''کچھ دیر بعد دیوی خود ہی تمہیں درشن دے گی۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ میرے سوالوں کو جواب دینے سے احتراز کرنا چاہتی ہے۔ میں بستر سے اُٹھ کر آبنوسی میز کے قریب کرسی پر جا کر بیٹھا۔ میرے معدے کا خلو اس بات کا متقاضی تھا کہ میری تمام تر توجہ کھانے کی طرف مبذول ہو جائے لیکن میری نظریں بار بار ان لڑکیوں کی طرف اُٹھ رہی تھیں ان کا پر شباب جسم ایک ایسی ہی دعوتِ نظارہ تھا جو نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔ آخر مجھے ان سے کہنا پڑا کہ وہ کمرے سے چلی جائیں۔ وہ چلی گئیں اور جاتے جاتے کہہ گئیں کہ جب مجھے ان کی ضرورت ہو تو دو مرتبہ تالی بجا دوں۔

ان کے جانے کے بعد میں پوری طرح کھانے کی طرف متوجہ ہو سکا۔ کھانے کا ذائقہ اجنبی ہونے کے باوجود بھی میرے لیے اجنبی نہیں تھا میری نوک زبان اس ذائقے سے آشنائی کا اظہار کر رہی تھی۔

اس جزیرے کے باسیوں کی زبان اور اس کھانے سے آشنائی کا عجیب سا احساس مجھے اس الجھن میں ڈالے ہوئے تھا کہ کیا ماضی میں میرا تعلق اسی جزیرے سے رہا ہے۔؟

میرے دل کی گہرائی سے بار بار یہ آواز اٹھ رہی تھی کہ میں بہت جلد اپنے ذہن کو تاریک بھول بھلیوں سے نکلنے والا ہوں۔ وہ وقت اب قریب آ گیا تھا جب مجھے اپنے بارے میں سب کچھ معلوم ہو جاتا اسرار میں لپٹی ہوئی اپالو کی شخصیت اب بے نقاب ہونے کو تھی شاید وہ سب کچھ مجھے اسی عورت سے معلوم ہو جاتا جو اس جزیرے پر ساحری دیوی کہلاتی تھی۔ اس کا دھندلا دھندلا سا چہرہ میرے تصور کے پردے پر لہرانے لگا۔ نقوش واضح اس لیے نہیں تھے کہ میں نے اسے نیم بے ہوشی کے عالم میں دیکھا تھا۔ جب اس کی رتھ نما گاڑی میرے قریب آ کر رکی تھی جو میں ہوش و خرد کے کنارے پر پہنچ چکا تھا میں زمین پر کلدیب کور کے قریب ہی آ کر لڑھک گیا تھا۔

اوہ!

اچانک میں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ آخر کلدیب کور کہاں گئی۔؟ میں کچھ دیر کے لیے اسے بھول ہی گیا تھا۔ اس محل نما عمارت کی رنگین اور خوابناک فضا میں میرے ذہن کے گوشے گوشے کلدیب کے خیال کو فراموش کر چکے تھے۔

میں ایک دم کھڑا ہو گیا۔ اور میں نے دو مرتبہ تالی بجائی اور اس بار ان تینوں لڑکیوں میں سے صرف ایک کمرے میں داخل ہوئی یہ وہی تھی جس نے مجھ سے چند باتیں کی تھیں۔ میں نے اس سے سوال کرتے ہوئے اسے گھور کر دیکھنا چاہا تھا لیکن میری نظریں اس کے پر شباب جسم پر پھیل گئیں وہ مسکرا پڑی۔ شاید اس نے میری کیفیت کو بھانپ لیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ انداز تفاخر سے لبریز تھی۔ غالباً اس کے ذہن پر یہ احساس بیدار ہوا تھا کہ وہ اپنے حسن کی طاقت سے مجھے اپنے قدموں پر سجدہ ریز کرانے پر قادر ہے یہ سوچ کر میں جھنجھلا سا گیا۔ یہ اپالو کی سراسر توہین تھی۔ اپالو تو عورتوں کو اپنے قدموں پر جھکایا کرتا تھا۔ خود جھکنا اپالو کی سرشت نہیں۔ میں نے اپنی نظروں کی بے لگامی کو روکنے کی کوشش کی اور اس حسن مغرور کو سخت نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

''سنو لڑکی! میں اس عورت کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں جسے میرے ساتھ ہی یہاں لایا گیا ہے۔''

''تمہیں اپنے سوالوں کا جواب صرف دیوی ہی سے مل سکے گا اجنبی!'' وہ اٹھلاتی ہوئی بولی۔

''تو پھر دیوی کو بلاؤ!'' میں نے جھنجھلا کر کہا۔

''دیوی کبھی کسی کے بلانے سے نہیں آتی خود آتی ہے۔''

''ہوں۔'' میں اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔ یہ لڑکی اپنی اداؤں سے مجھے لبھانے کی کوشش کر رہی تھی اور یہ میری دانست میں اپالو کی توہین تھی میں نے فیصلہ کیا کہ اس بتِ مغرور کو اس سرکشی کی سزا ضرور دوں گا۔

''ادھر آؤ، میرے قریب!'' میں نے اسے گھورتے ہوئے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ وہ اس طرح لہرا کر میری طرف آئی جیسے نسیم صبحگاہی کا پہلا جھونکا ملائم ملائم، معطر معطر...... میں نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر بڑی مضبوطی سے جمائے اور پھر اسے ایک جھٹکے سے اپنے سینے سے لگا لیا۔ اب میرے دونوں ہاتھ اس کی پشت پر پہنچ چکے تھے۔ میں نے بائیں ہاتھ کی مٹھی سے اس کے ریشمی بالوں کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ ایک ہلکی کراہ کے ساتھ اس کی گردن پیچھے کی طرف مڑی اور اس کا چہرہ میرے سامنے آ گیا۔ اس کے مہکتے اور دہکتے ہوئے تنفس کی گرمی مجھے اپنے گالوں پر محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے بھیگے بھیگے سے ہونٹ مجھے خوشہ چینی کی دعوت دے رہے تھے اور اس کی کالی آنکھوں میں خود سپردگی کی تمام تر علامات چمک رہی تھیں۔ اس کے شباب کی سرکشی میں اپنے سینے میں محسوس کر رہا تھا اور اس کے بدنی گداز کے لمس سے میرے بازو کی مچھلیاں پھڑکنے لگی تھیں۔ عام حالات میں شاید میں اس چمن شباب میں گلگشت کرنے کی خواہش کرتا۔ لیکن اس وقت میں اپنے جذبات کے آتش فشاں کو پھٹ پڑنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ یہ لمحات تو سزا کے تھے۔ میں حسن مغرور کی انا کا بت پاش پاش کر دینا چاہتا تھا۔ یہ بات عام ہو جانی چاہیے تھی کہ اپالو کو جھکانے کی خواہش کرنا فعل عبث ہے۔

''لڑکی!'' میں نے سرگوشی کی

''ہوں۔'' وہ مخمور ہو چکی تھی۔

''تمہارے کان میں یہ کس نے پھونک دیا کہ تم بہت حسین ہو۔''

میرا یہ جملہ اتنا غیر متوقع اور معنی خیز تھا کہ لڑکی کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ وہ کچھ بول بھی نہ سکی۔ بس ایک ٹک مجھے دیکھتی رہی۔

میں پھر بولا: ''میرا نام اپالو ہے۔ مجھ پر کوئی عورت فتحیاب نہیں ہو سکی۔ عورتوں نے ہمیشہ میرے پاؤں چاٹے ہیں۔ حسن کے گلستانوں کو میں نے بڑی بیدردی سے پامال کیا ہے۔ عورتیں مجھے پامال نہیں کر سکتیں۔ سمجھیں!''

آخری لفظ میں نے اتنی زور سے چیخ کر کہا تھا کہ وہ گھبرا گئی اس نے کسمسا کر میری آغوش سے نکلنا چاہا۔ میں نے گرفت ڈھیلی کر دی۔ وہ میری آغوش سے نکل گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میرا دایاں ہاتھ بڑی تیزی سے گھوما۔ تڑاخ سے ایک تھپڑ اس کے بائیں رخسار پر پڑا اور وہ ایک چیخ کے ساتھ دیوار سے جا ٹکرائی۔ اگر وہ جبلی طور پر اپنے ہاتھوں کو کام میں نہ لے آئی ہوتی تو دیوار سے شاید اس کا سر ہی ٹکرا تا۔

''نکل جاؤ اس کمرے سے۔'' میں نے چیخ کر کہا: ''اب اگر اس کمرے میں داخل ہو تو تمہاری نظریں جھکی ہونی چاہییں۔ جاؤ اور جا کر اپنی دیوی سے کہہ دو کہ وہ مجھ سے فوراً ملاقات کرے۔''

لڑکی کے چہرے کی شادابی کافور کی طرح اڑ چکی تھی اور میری طرف دیکھتے ہوئے اس کی نظروں سے خوف جھانک رہا تھا۔

''جاؤ۔'' میں پھر ڈپٹ کر بولا: ''کیا تم نے سنا نہیں؟''

وہ تیر کی طرح کمرے سے نکل گئی۔ اپنے پیچھے وہ دروازے کے پردے کو ہلتا ہوا چھوڑ گئی تھی اور میری نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے اس لڑکی کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ محض ایک جذباتی ردِعمل تھا اور اب میرے ذہن میں اس سوال نے کھدبد مچا رکھی تھی کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ احتیاط کا تقاضہ وہ نہیں تھا جو میں نے کیا۔ ابھی تو اس عمارت میں میری حیثیت کا تعین ہی نہیں ہو سکا تھا۔ گو کہ وہ لڑکی مجھے ''اجنبی مہمان'' کہہ کر مخاطب کرتی رہی تھی۔ لیکن حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس ''اجنبی مہمان'' کے ساتھ اس عمارت کے مکینوں کا رویہ کیا ہوگا خاص طور سے ان حالات میں جب کہ وہ مہمان اس عمارت کی ایک لڑکی کو اس بری طرح ذلیل کر چکا تھا۔

میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا بستر تک گیا اور بیٹھ گیا۔ خیالات نے میرے ذہن میں خلفشار سا برپا کر رکھا تھا۔ میں اپنی حرکت کے نتائج کی طرف سے خوفزدہ یا پر تشویش ہوگز نہیں تھا۔ صرف تجسس کی ایک لہر تھی کہ میں مستقبل قریب میں کسی قسم کی صورتِ حال سے دوچار ہونے والا ہوں۔؟

ابھی تو مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس جزیرے کے باسی کس قسم کے لوگ ہیں میں صرف اتنا جان سکا تھا کہ یہاں کی آبادی دو متضاد قسم کے انسانوں پر مشتمل ہے۔ ساحل پر نظر آنے والے جنگلوں اور اس عمارت کے مکینوں میں بعد المشرقین تھا۔ لیکن یہ بات یقینی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے بے تعلق ہرگز نہیں تھے۔ ان جنگلیوں کی زبان پر ساحرہ دیوی کا نام آ چکا تھا۔ اور غالباً میرے بارے میں اس عورت کو اطلاع دینے والے بھی وہی جنگلی تھے ورنہ وہ اس ویرانے میں اس وقت کیوں جاتی۔؟

میں سوچتا رہا اور پھر اٹھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

کمرے کی فضا میں پھیلتی ہوئی موسیقی کی لہریں اب غائب ہو چکی تھی ذہنی انتشار کے عالم میں مجھے خیال نہیں رہ سکا تھا کہ اس خاموشی نے کن لمحات میں جنم لیا تھا۔ موسیقی کی آواز کب بند ہوئی تھی۔ غالباً یہ اس وقت ہوا ہوگا جب میں اس لڑکی کے غرور کا بت توڑ رہا تھا۔ اسی وقت میرے ذہن کی حالت ایسی ہوئی تھی کہ میں اردگرد کے ماحول کو فراموش کر بیٹھا تھا۔

ٹہلتے ٹہلتے ایک بار میرے جی میں آئی کہ اس کمرے سے نکلوں لیکن پھر میں یہ سوچ کر رہ گیا کہ چندے اور انتظار کرنا چاہیے۔ حالات کا خود بخود ایک واضح شکل اختیار کرنا اس کی بہ نسبت بہتر ہوتا ہے کہ کوشش کر کے صورتِ حال کو اپنے ذہن پر منکشف کیا جائے۔

دفعتاً میں ٹہلتے ٹہلتے ٹھٹک کر رک گیا۔ اس وقت میرا رخ دروازے ہی کی طرف تھا اور مجھے دروازے میں جو ہستی نظر آئی تھی اسے میں نے پہلی مرتبہ عالم غشی میں دیکھا تھا۔ اب بقید ہوش وحواس جو اسے دیکھا تو میری نظروں کو اتنا ہوش نہیں رہ گیا کہ اس شعلہ سراپا سے ہٹ سکتیں۔ وہ سرخ رنگ کا باریک سا لبادہ زیب تن کیے ہوئے تھی اور اس کا گلابی گلابی بدن اس باریک لباس میں دہکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس وقت اس کے شانوں پر وہ سانپ موجود نہیں تھے جن کو میں نے عالم غشی میں دیکھا تھا وہ جو لبادہ پہنے ہوئے تھی اس کا گلا خاصا کشادہ تھا اور وہاں نظر آنے والے دو ہلال ایک تو بہ شکن دعوتِ نظارہ دے رہے تھے۔

''اجنبی!'' ایک کھنکھناتی ہوئی آواز کمرے میں گونج اُٹھی۔

میں ایک دم چونک سا پڑا۔ اس آواز نے مجھے خوابوں کے جزیرے سے اُٹھا کر حقیقت کی سنگلاخ چٹانوں پر لا پھینکا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ میں اب اس عورت کے سامنے کھڑا ہوا ہوں جو غالباً اس جزیرے کی حکمراں ہے اور جو بلاشبہ اتنی خوبصورت ہے کہ قلب وجگر کو برما دے لیکن مجھے اپالو کو زیب نہیں دیتا کہ اس جمال دلفریب کو یوں اپنے حواس پر چھا جانے دوں۔

''تم...... ساحرہ دیوی ہو!'' میں اسے گھورتا ہوا بولا۔

''اس محل میں مجھے صرف دیوی کہا جاتا ہے۔'' اس نے مسکراہٹ کی بجلیاں گراتے ہوئے کہا۔ ''ساحری دیوی صرف تیسرے طبقے کے لوگ کہتے ہیں۔''

''تیسرا طبقہ؟'' میرا لہجہ سوالیہ تھا۔

''ہاں، تیسرا طبقہ...... اس جزیرے پر تین طبقے آباد ہیں لیکن یہ ساری باتیں تم کو آہستہ آہستہ معلوم ہوں گی۔'' وہ پروقار انداز میں چلتی ہوئی، کرسی کیطرف گئی اور پھر میری طرف مڑ کر بولی۔ ''کھڑے کیوں ہو، بیٹھ جاؤ۔!

''تم بہت دیر سے ٹہل رہے ہو تھک گئے ہو گے۔''

''کیا تم کافی دیر سے دروازے پر کھڑی تھیں؟''

''نہیں میں ابھی آئی تھی۔''

''پھر تم نے کیسے جان لیا کہ میں بہت دیر سے ٹہل رہا ہوں۔''

''کوئی پل ایسا نہیں گزرتا جب اس محل کا ایک ایک گوشہ مجھ پر بے نقاب نہ ہو۔ یہاں ہونے والی ہر بات وحرکت میرے علم میں آ جاتی ہے۔''

وہ ایسے لہجے میں بولی جیسے مجھ پر اپنی روشن ضمیری کا رعب ڈالنا چاہتی ہو۔ لیکن میں ذرہ برابر بھی مرعوب نہیں ہوا۔ یہ امکان

بہر حال موجود تھا کہ دروازے پر لٹکے ہوئے پردے کے پیچھے سے کچھ آنکھیں مجھے دیکھتی رہی ہوں۔ اور اس عورت کو میری نقل وحرکت سے آگاہ کیا جاتا رہا ہو۔

میں نے لاپروایانہ انداز میں اپنے شانے جھٹکے اور آگے بڑھ کر بستر پر بیٹھ گیا۔

''تم بہت دلیر ہو خوبصورت مہمان!'' وہ کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''اور میں دلیر مردوں کو بہت پسند کرتی ہوں۔ کیا تم بتاؤ گے کہ اس جزیرے پر تمہاری رسائی کیونکر ہوئی اور اس عورت سے تمہارا کیا تعلق ہے جو تمہارے ساتھ تھی۔''

''کچھ بتانے سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری ساتھی کہاں ہے؟ اور کس حال میں ہے۔؟''

''وہ اسی محل کے ایک کمرے میں موجود ہے اور بینا حکیم اس کا علاج کر رہے ہیں۔ اب اس کی حالات خطرے سے باہر ہے۔ کل تک وہ اس قابل ہو جائے گی کہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے۔''

کلدیپ کور کی زندگی کا مژدہ سن کر میرے سینے سے ایک بوجھ سا ہٹ گیا۔ اب تک مجھے یہی کرب لاحق رہا تھا کہ وہ بچ سکی ہوگی یا نہیں۔؟

''کیا تم اب میری خواہش پوری نہیں کرو گے۔؟'' وہ بولی۔

''کیسی خواہش؟'' میں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔

''میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم کون ہو اور اس عورت سے تمہارا کیا تعلق ہے۔ نیز یہ کہ تم دونوں اس جزیرے تک کیسے پہنچے اور وہ کیسا حادثہ تھا جس نے عورت کو ممتا کے جذبے سے سرفراز نہیں ہونے دیا۔''

''ہم ایک بحری جہاز میں سفر کر رہے تھے اور وہ جہاز ایک زیر آب چٹان سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا تھا۔ ہم نے تیرتے ہوئے بمشکل تمام اس جزیرے تک پہنچے تھے' وہ عورت میری بیوی ہے۔''

''لیکن تم برہنہ کیوں تھے۔؟''

اس سوال پر میرے چہرے پر سرخی پھیل گئی ہوگی کیوں کہ میں نے اس عورت سے نظریں چرانے کی بھی کوشش کی تھی۔ پھر میں آہستہ سے بولا۔

''میں اس وقت باتھ روم میں تھا جب یہ حادثہ ہوا۔''

''خوبصورت مہمان!'' وہ مسکرائی۔ ''شاید تم کوئی بات چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ حالانکہ ممکن ہے تم مجھے رازداں بنا کر کوئی فائدہ حاصل کر سکو۔''

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ نہ جانے کیسے سمجھ گئی تھی کہ میں کوئی بات چھپانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس کے شبے کی بنیاد محض یہ تو نہیں ہو سکتی تھی کہ میں اسے برہنہ حالت میں ملا تھا۔

''وہ عورت جسے تم اپنی بیوی کہہ رہے ہو۔ مجھے سب کچھ بتا چکی ہے۔'' دیوی بولی اور میں بے اختیار ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

''عورت محبت کی بھوکی ہوتی ہے۔'' وہ کہتی رہی۔ ''میرے ہمدردانہ رویے سے وہ موم کی طرح پگھل گئی اور اس نے سب کچھ اگل دیا ہے۔ اب میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ اس بوڑھے کیپٹن کو تم سے کیا دشمنی ہے۔''

''تم یہ جاننے کے لیے بے چین کیوں؟'' میں نے اسے متجسس نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اب اس کے چہرے کا رخ میری طرف نہیں تھا۔ وہ کسی خیال میں کھوئی تھی اور اس کی نظریں فانوس پر جمی ہوئی تھیں وہ آہستہ سے بولی۔

''میری بے چینی کا سبب فطرت ہے۔ انسانی فطرت جو عجیب وغریب واقعات کی گہرائی میں پہنچنے کے لیے مضطرب ہو جاتی ہے۔''

میں غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا میں اس کے چہرے کے تاثرات سے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں نے جو سبب بیان کیا ہے وہی حقیقت ہے یا اس کی بے چینی کے پس منظر میں کچھ اور محرکات بھی ہیں۔؟

میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر میں اسے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دوں تو اس سے مجھے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے؟ بظاہر تو کسی نقصان کا احتمال نہیں تھا۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میرے ذہن میں یہ بات بھی موجود تھی کہ ماضی میں اس سرزمین سے میرا کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رہا ہے اور عین ممکن ہے کہ یہ عورت میرے بارے میں کچھ جانتی ہو۔

اچانک مجھے اپنی پراسرار ذہنی قوت کا خیال آیا کیوں نہ میں اپنی اس قوت کو استعمال کر دوں اس طرح میں یہ معلوم کر سکتا تھا کہ اس وقت وہ عورت کیا سوچ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ میرے ہی بارے میں سوچ رہی ہوگی۔ میرے ذہن میں پوری شدت سے یہ سوال ابھرا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔ میں نے ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

وہ سوچ رہی تھی کہ آخر ارسلان نے مجھ سے اس طرح کیوں گفتگو کی ہے جیسے میں اس کے لیے اجنبی ہوں۔ اس میں تو کوئی شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا کہ یہ ارسلان ہے۔ میں اس کے پیر کے تلوے پر تین سروں والے شیر کی تصویر دیکھ چکی ہوں۔ وہ نشان دنیا کے کسی اور آدمی کے تلوے پر ہرگز نہیں ہو سکتا۔

میں یہ جان کر چونک گیا کہ عورت کے ذہن پر میرا نام موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ میرا اصل نام کلدیب نے تو اسے ہرگز نہیں بتایا ہوگا کیوں کہ وہ خود ہی اس سے ناواقف تھی تو پھر دیوی کو اس کا علم کیسے ہوا۔ وہ نہ صرف میرے نام سے واقف تھی بلکہ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میرے تلوے پر تین سروں والے شیر کی تصویر بنی ہوئی ہے۔

''کیوں!'' وہ اچانک میری طرف مڑ کر بولی: ''تم نے ابھی تک کچھ بتایا نہیں۔ کس خیال میں کھوئے ہوئے ہو؟ کیا تم مجھ پر

اعتماد کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہو۔؟''

''نہیں۔''میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔''دراصل میں یہی سوچ رہا ہوں کہ مجھے تم پر اعتماد کر لینا چاہیے۔شاید تم میرے کسی کام آسکو۔''

''میں یہی کہنا چاہتی تھی۔''اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی۔

اس وقت میں نے پھر اسکے ذہن میں جھانکا۔کسی کے ذہن میں جھانکنا میرے لیے ایک عجیب سا عمل تھا۔شاید دنیا کی کسی بھی زبان نے ایسے الفاظ نہیں تراشے ہوں گے جو اس عمل اور اس کے ردِعمل کا اظہار کر سکیں۔میں اگر اس کیفیت کو بیان کرنا چاہوں تو بس زیادہ سے زیادہ کہہ سکتا ہوں کہ جیسے ہی میں نے دیوی کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کی۔میرے ذہن میں ایک غبار سا اُٹھا اور اس غبار سے کچھ الفاظ متشکل ہو کر میرے شعور کی سطح پر پھیل گئے۔دیوی سوچ رہی تھی کہ اگر ارسلان نے مجھے سب کچھ بتا دیا تو مجھے مستقبل میں اپنا لائحہ عمل مرتب کرنے میں شاید کچھ آسانی ہو جائے۔

بس!

میں دیوی کے ذہن سے اور کچھ نہ پڑھ سکا۔لیکن جتنا پڑھ سکا تھا اس سے مجھے یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ وہ کوئی منصوبہ بنا رہی تھی چونکہ حالات میں اس منصوبے سے متعلق کوئی خاص بات اس کے ذہن میں نہیں تھی اس لیے میں اسے جاننے سے قاصر رہا۔

وہ سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا:''میں اپنی یادداشت کھو چکا ہوں۔مجھے نہیں معلوم کہ ماضی میں میری شخصیت کیا تھی۔''میں بولتا ہی چلا گیا۔میں نے اپنی اس کہانی کا آغاز اسی وقت سے کیا تھا جب حادثے کے بعد ایک ہاسپٹل میں میری آنکھ کھلی تھی اور میں اس بات سے بے خبر تھا کہ میں کون ہوں۔

دیوی بڑی دلچسپی سے میری روئیداد سنتی رہی۔میں اس بات سے بے خبر رہا کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی تھی۔دراصل یہ ناممکن ہے کہ میں سوچتا بھی رہوں اور دوسرے کے ذہن میں جھانکتا بھی رہوں۔اس عمل کے لیے مجھے مکمل ذہنی یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے جو ظاہر ہے کہ بولنے کے دوران حاصل نہیں ہو سکتی۔

دیوی نے میری کہانی سننے کے دوران میں مکمل خاموشی اختیار کیے رکھی۔

مجھے کسی بھی مرحلے پر نہیں ٹوکا۔ ویسے اسے ٹوکنے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ میں نے سب کچھ بڑی تفصیل سے بیان کر ڈالا تھا۔ میں نے اپنی کہانی کا اختتام اپنی اس بے ہوشی پر کیا جو اس جزیرے پر پہنچنے کے بعد مجھ پر غالب ہوئی تھی۔

اور جب میں خاموش ہو گیا تو وہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔

''بہت خوب! تمہاری کہانی بہت دلچسپ ہے خوبصورت مہمان! نہ جانے کیوں میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس پر یقین کرلوں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید یقین نہ کرتا۔''

میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ دراصل میں پھر اس کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی وہ سوچ رہی تھی کہ ارسلان کی کہانی سو فیصدی درست ہے۔ کیشپ اس کا اتنا ہی شدید دشمن ہے کہ اسے نقصان پہنچانے کے لیے دنیا کے آخری سرے تک جا سکتا ہے۔

خوب میں نے سوچا تو یہ عورت نہ صرف کیشپ کو جانتی ہے بلکہ اسے یہ بھی علم ہے کہ وہ میرا شدید دشمن ہے۔

'خوبصورت مہمان! وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ ''ممکن ہے کہ میں اس سلسلے میں تمہاری کچھ مدد کرسکوں لیکن اس کے لیے تمہیں چند دن انتظار کرنا ہوگا۔''

''تم میری کیا مدد کر سکو گی؟''

''یہ آنے والا وقت بتائے گا۔ اچھا اب تم آرام کرو۔ اگر کسی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو تالی بجا کر کنیزوں کو بلا لینا۔'' وہ کھڑی ہوئی۔

''سنو!'' میں نے بے چینی سے ہاتھ اُٹھا کر اسے روکا۔ ''کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گی کہ میں کس جزیرے پر پہنچ گیا ہوں اور یہاں پر تمہاری شخصیت......''

''یہ سب کچھ تمہیں آہستہ آہستہ معلوم ہوتا رہے گا اور یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' وہ میری بات کاٹتی ہوئی بولی۔

''اور کلدیپ کور......؟ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''بیٹا حکیموں کا خیال ہے کہ اسے مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ کل تک اسے آرام کرنے دو پھر تم اس سے مل سکو گے۔''

میں اس سے کئی اور باتیں بھی معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن اب اچانک وہ بہت زیادہ عجلت میں نظر آنے لگی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کہیں پہنچنے کی جلدی ہو۔ مجھے اتنا موقع بھی نہیں مل سکا کہ اس کے ذہن میں جھانک کر اس کی عجلت کا سبب جان سکتا۔ وہ چلی گئی اور میں اپنے ذہن کو مختلف خیالات کی آماجگاہ بنائے دروازے پر پڑے ہوئے پردے کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

اب صورت حال یہ بتا رہی تھی کہ میں اپنی گمشدہ شخصیت کے بہت قریب پہنچ گیا ہوں۔ دیوی مجھ سے خوب اچھی طرح واقف تھی

اور مجھے بھی اس جزیرے پر پہنچنے کے بعد سے اب تک یہ محسوس ہوتا رہا تھا کہ وہ سب کچھ جو مجھے بظاہر اجنبی سا معلوم ہو رہا تھا، حقیقتاً میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ وہاں بولی جانے والی زبان، وہاں کے کھانے اور وہاں کا ماحول میرے ذہن کے تاریک گوشوں میں روشنی بکھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

میں بستر پر بیٹھا سوچتا رہا کہ اگر مجھے اس جزیرے کے بارے میں معلومات حاصل ہو جاتیں تو ممکن تھا کہ مجھے فوری طور پر بہت کچھ یاد آ جاتا۔ دیوی نے مجھے کوئی بات نہیں بتائی تھی لیکن کیا اس کا امکان بھی نہیں تھا کہ میں وہ معلومات کسی اور ذریعے سے حاصل کر لیتا؟ دراصل میرے ذہن میں ان کنیزوں کا خیال موجود تھا۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور میرے کام آ سکتی تھی۔ مجھے صرف اس کنیز کو نظر انداز کرنا تھا جو میرے وحشیانہ سلوک کا نشانہ بنی تھی۔ وہ میرا ''ذریعہ'' بننا پسند نہیں کرتی۔ گو کہ میں اپنی پراسرار قوت سے کام لے کر اسے زبان کھولنے پر مجبور کر سکتا تھا لیکن یہ بات مناسب نہیں تھی کہ میں معمولی دشواریوں پر قابو پانے کے لیے اپنی اس قوت کو استعمال کروں۔ اس عمل میں معمول کی ہلاکت کا خدشہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ماضی میں ایسی کئی مثالیں میرے سامنے آ چکی تھیں۔

تو پھر یہی ٹھہری کہ اپالو کی وجاہت کو کام میں لایا جائے۔

رات بھیگتی جا رہی تھی جب میں نے تالی بجائی کسی توقف کے بغیر ان تینوں میں سے ایک کنیز پردہ اُٹھا کر اندر آ گئی۔ یہ وہ نہیں تھی جس نے اپالو کو فتح کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ اگر وہ آتی تو مجھے اس سے کہنا پڑتا کہ وہ واپس چلی جائے اور کسی اور کنیز کو اندر بھیجے۔

وہ قریب آ کر مؤدبانہ کھڑی ہو گئی اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں میں نے اس کا سرتا پا جائزہ لیتے ہوئے محسوس کیا کہ یہ پرشباب جسم میری کئی روزہ گرسنگی کا ازالہ کرنے پر قادر ہوگا۔

''تمہارا نام کیا ہے لڑکی!'' میں نے آہستہ سے پوچھا۔

''پشمین'' وہ بدستور نظریں جھکائے رہی۔

''خوبصورت نام ہے۔'' میرے لہجے میں مٹھاس تھی۔

اس کی بڑی بڑی پلکیں اوپر اٹھیں۔ گہری گہری نیلی آنکھوں نے مجھے ایک پل کیلئے دیکھا اور دوسرے ہی لمبے بڑی بڑی پلکیں ایک بار پھر بصارت کی راہ میں حائل ہو گئیں۔

''اب مجھے نیند آ رہی ہے۔'' میں پھر بولا: ''لیکن جب تک کوئی میرا جسم نہ دبائے میں سو نہیں سکتا۔''

''جو حکم۔''

''تو پھر دروازے بند کر دو۔ کوئی مخل نہ ہونے پائے۔''

پشمین کے چہرے پر شفق چھلک گئی۔ وہ پر حجاب انداز میں دروازے کی طرف مڑی اور میں زیر لب مسکراتا ہوا اس کی حرکات و سکنات دیکھتا رہا۔ دروازہ بند کر کے وہ میری طرف لوٹی۔ اب میں بستر پر لیٹ چکا تھا۔ اس کی نظریں بدستور جھکی ہوئی تھی چہرے پر شہابی

رنگ بکھرا ہوا تھا اور سینے کے زیر و بم سے یہ بات صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ اس کے جذبات میں تموج پیدا ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ عورت، مرد کی نظروں کو فوراً پہچان لیتی ہے۔ پشمین کو بھی اندازہ ہو گیا کہ حسن و عشق کی چھیڑ چھاڑ کیلئے فضا پوری طرح ہموار ہو چکی ہے۔

جب وہ قریب آ کر کھڑی ہوئی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بستر پر بٹھا لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی اوپر اُٹھاتے ہوئے سرگوشی کی۔

''مجھے یقین ہے پشمین! تمہارے گداز ہاتھوں کے لمس سے میری تھکی ہوئی ٹانگوں کو بہت آرام ملے گا۔''

پشمین نے ایک فرمانبردار باندی کی طرح اپنے ہاتھ میرے پیروں کی طرف بڑھا دیے۔ جیسے ہی اس کے ہاتھ میرے پیروں کی انگلیوں سے چھوئے میرے تمام جسم میں سنسناہٹ پھیلتی چلی گئی۔ اس خفیف سے لمس کا اتنا فوری ردِعمل میری کئی روزہ گرسنگی کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے میرے تلوے سہلاتی اور دوسرے ہاتھ سے انگلیاں دباتی رہی۔ پھر اس نے میرے ٹخنوں کو سہلانا شروع کیا اور اس کے ہاتھ میری پنڈلیوں کی طرف سرکنے لگے۔ اس کے سینے کا سائز اب اور بڑھ چکا تھا۔ وہ نہ صرف مجھ سے مسحور ہو چکی تھی بلکہ اپنے جذبات کے تند و تیز دھارے کی بھی زد میں آ گئی تھی۔ اِدھر میرے جذبات کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا جیسے کوئی لاوا پھٹ پڑنے کے لیے بیتاب ہو۔

پشمین کے ہاتھوں کی مسلسل حرکت ہم دونوں کو نکتہ اتصال کی طرف بڑھاتی رہی۔

پھر جب ہم دونوں اس نکتے پر پہنچے تو پشمین جذبات سے پوری طرح مغلوب تھی۔ جذبات تو میرے بھی ابلے پڑ رہے تھے لیکن میں نے اپنے مقصد کو فراموش نہیں کیا تھا۔ اس مقصد کو میں کیسے بھلا دیتا جبکہ محض اسی کیلئے جذبات کا یہ کھیل رچانا پڑا تھا۔ پشمین میری آغوش میں تھی اور میں اس کے ہونٹوں کو چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے اپنے سوالوں کا آغاز کر چکا تھا۔ پشمین کی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے تیرنے لگے تھے اور پلکیں جذبات کے خمار سے جھکی پڑی تھی وہ میری باتوں میں آ گئی اور وہ سب کچھ بتاتی چلی گئی جو میں جاننا چاہتا تھا اس سلسلے میں خاموش رہنے کی تنبیہہ ضرور کی گئی ہو گی لیکن وہ لمحات ایسے تھے جب ماسوائے جذبات، کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ عقل و خرد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور ذہن انسانی پر صرف جنون کی حکمرانی قائم ہو جاتی ہے انسانی فطرت کی اسی کمزوری سے فائدہ اُٹھایا تھا۔

پشمین سے مجھے معلوم ہوا کہ اس جزیرے کا نام دیبال ہے اور یہ ان جزیروں میں سے ایک ہے جو جزائر کالدیب کہلاتے ہیں۔ کچھ عرصے پہلے تک اس جزیرے پر کالدیب کے فرمانروا کا حکم تھا اور اس حکومت کی نمائندگی زرتاش کو دی گئی تھی۔ وہ گویا اس جزیرے کا گورنر تھا۔ اس کی رہائش اسی محل میں تھی۔ کوئی دو ماہ پہلے ایک محلاتی سازش کا شکار ہو گیا اور وہ عورت برسراقتدار آ گئی جسے دیوی کہا جاتا تھا۔ زرتاش کو دیوی کے سانپوں نے ڈس لیا اور اس کی لاش جو بالکل نیلی پڑ گئی محل کے صدر دروازے پر جلا دی گئی۔

''کالدیپی حکومت نے اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اُٹھایا؟'' میں پشمین سے پوچھا۔

''کالدیپی جنگی کشتیاں کئی مرتبہ دیبال پر حملہ کر چکی ہیں لیکن ہر مرتبہ ان کو بری طرح ناکامی ہوئی ہے۔ دیوی کی پراسرار قوتوں سے ٹکرا کر صرف فنا ہی بنتی ہے دیوی کا محافظ دستہ سارے کالدیپ کی فوج پر بھاری پڑ سکتا ہے کہ عنقریب کالدیپی حکمراں دیبال پر کوئی بہت

زبردست حملہ کرنے والا ہے۔''

''کیا تمہاری دیوی اس بڑے حملے سے خوفزدہ ہے۔؟''

''دیوی کبھی خوفزدہ نہیں ہو سکتی اس کے محافظ دستے کا سالار بھی مطمئن ہے۔

''وہ کون ہے۔؟''

''اسے پہلے کبھی دیبال نہیں دیکھا گیا۔ اس کا نام شیموئل ہے۔ اس دستے کا کوئی آدمی بھی دیبال سے تعلق نہیں رکھتا۔ دیوی ان سب کو آسمانی دنیا سے اپنے ساتھ لائی ہے۔''

''آسمانی دنیا؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

''ہاں تو اور کیا..... تم دیوی کو کیا سمجھتے ہو وہ ہماری تمہاری طرح انسان تو نہیں۔''

میں جواب میں کچھ کہنے کی بجائے ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اس عورت نے ان لوگوں کے ذہنوں پر اچھی طرح اپنی دھاک جما رکھی تھی۔

''اجنبی!'' پشمین تیز تیز سانسیں لیتی ہوئی بولی۔ ''تم ان لمحات کو ایسی باتوں میں کیوں ضائع کر رہے ہو؟''

میں زیرِ لب مسکرا دیا۔ میرے جذبات میں بھی شدید اُبال آ چکا تھا لیکن یہ معلومات حاصل کرنے کے لیے میں خود پر قابو پائے ہوئے تھا۔ اب میں نے اس کے لب لعلیں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے اور وہ اس بری طرح مجھ سے لپٹ گئی جیسے میرے وجود میں مدغم ہو جانا چاہتی ہو۔

جذبات کے تند و تیز طوفان کو روکنا اب میرے بس میں نہیں رہا تھا گرسنگی ناقابل برداشت ہو چکی تھی۔ جذبات کا ریلا بہا تو بہتا ہی چلا گیا۔ نشیب و فراز ہوتے رہے اور کچھ دیر بعد، اُجڑی اُجڑی سی پشمین میرے دائیں بازو پر سر رکھے، آنکھیں بند کیے ہوئے لمبی لمبی سانسیں لے رہی تھی اس کے ہونٹوں کے اوپر پسینے کی ہلکی سی چمک اس کے نڈھال ہو جانے کی غماز تھی۔

''پشمین'' میں نے اسے آہستہ پکارا۔

''ہوں۔''پشمین جیسے گنگنائی۔اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔

''اگر تمہاری دیوی کو اس کا علم ہو گیا تو؟ میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''خود دیوی ہی نے ہم تینوں کو حکم دیا تھا کہ تمہاری دلبستگی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔''

''تمہاری دیوی کچھ زیادہ ہی مہمان نواز ہے۔!''

''وہ پھول بھی ہے اور زہر بھی۔''پشمین بڑی عقیدت سے بولی۔

''کیا وہ کسی سے محبت نہیں کرتی؟''

''شیموئل اس کا محبوب ہے۔''

''اس کے محافظ دستے کا سالار؟''میں نے حیرت سے کہا۔''وہ اپنے ایک ادنیٰ خادم سے محبت کرتی ہے۔؟''

پشمین اس طرح چونک پڑی جیسے اب تک خواب دیکھتی رہی ہو۔اس کے چہرے پر خوف کا سایہ پھیلتا چلا گیا۔

''تم مجھ سے ایسی باتیں کیوں پوچھ رہے ہو اجنبی!''وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔''میں نے تمہیں بہت کچھ بتا دیا ہے جبکہ مجھے ایک لفظ بھی نہیں بتانا چاہیے تھا۔''

''مجھ پر اعتماد کرو جانِ من......!میں دیوی کے سامنے ان باتوں کا اظہار نہیں کروں گا۔

''نہیں نہیں......اب تم مجھ سے کچھ نہ پوچھا۔''

''اچھا بس اتنا اور بتا دو کہ میرے ساتھ جو عورت آئی تھی وہ محل کے کس حصے میں ہے۔؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''پشمین نے جواب دیتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

میں فوراً اپنی پراسرار ذہنی قوت کو حرکت میں لے آیا اور پشمین کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کی۔قریب قیاس یہی تھا کہ وہ اس لمحے کلدیب کور کے بارے میں سوچنے لگی ہو گی اور میرا یہ خیال غلط بھی نہیں ثابت ہوا۔یہ دوسری بات ہے کہ اس خیال کے صحیح ثابت ہونے سے بھی مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔پشمین صرف یہ سوچ رہی تھی کہ اجنبی مہمان کا اس عورت سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔؟ کیا یہ دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب رہے ہیں۔؟

اب مجھے اس بات پر افسوس ہونے لگا کہ میں نے پشمین سے شروع میں کلدیب کور کے بارے میں کیوں نہ پوچھ لیا۔اب وہ کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہیں تھی اور میں اس کے ذہن میں جھانک کر بھی کچھ معلوم کرنے سے قاصر رہا تھا۔

جزیرۂ دیبال کے بارے میں جو معلومات مجھے پشمین سے حاصل ہوئی تھیں ان سے مجھے اپنا ماضی یاد تو نہیں آ سکا تھا مگر ذہن کے تاریک گوشوں میں ہونے والے روشن جھماکوں کی تعداد کچھ بڑھتی ہوئی سی معلوم ہوئی تھی یقیناً یہ ساری باتیں میرے گمشدہ ماضی سے کچھ نہ

کچھ تعلق ضرور رکھتی تھیں۔

پشمین میرے بازو پر سر رکھے ہوئے کچھ ہی دیر میں نیند کی آغوش میں پہنچ گئی لیکن میں اب اسے فراموش کر چکا تھا۔ میرے ذہن میں وہ ساری باتیں چکرا رہی تھیں جن کا علم مجھے پشمین سے ہوا تھا۔

اچانک مجھے خیال آیا، کیوں نہ میں اپنی پراسرار قوت کو کام میں لاؤں اور دیوی کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کروں۔ ظاہر ہے کہ وہ محل ہی کے کسی حصے میں ہوگی۔ بیشک وہ میرے سامنے نہیں تھی لیکن میں اس امکان کو نظرانداز نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میری ذہنی قوت عدم موجود شخص کے ذہن تک بھی پہنچ سکتی ہے۔

میں اپنے ذہن کو دیوی کے خیال پر مرتکز کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مجھے مکمل ذہنی یکسوئی کی ضرورت تھی اور اس کے لیے خاصی محنت کرنا لازم تھا۔ میں نے تمام باتوں کو فراموش کر دیا۔ اپنے ماحول کو بھلا دیا۔ حتیٰ کہ اپنی ذات بھی بھلانے کی کوشش کی۔ اس عالم میں کئی منٹ گزر گئے اور پھر اچانک میرا دل خوشی سے دھڑک اٹھا۔ میرے ذہن کی پراسرار لہریں دیوی کے ذہن تک پہنچ گئی تھیں اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ وہ اس وقت ایک بہت ہی خاص نکتے پر غور کر رہی تھی۔ وہ نکتہ میرے لیے بیحد اہمیت رکھتا تھا۔ دیوی اس وقت یہ سوچ رہی تھی کہ اب فرمانروائے کالدیب کو دیبال پر حملہ کرنے سے بہ آسانی روکا جا سکتا ہے۔ کل صبح میں اسے یہ پیغام بھیج دوں گی کہ اگر اب اس نے دیبال پر وہ خوفناک حملہ کیا تو اسے ارسلان کی لاش دیکھنا ہوگی۔ ناممکن ہے کہ وہ یہ داغ سہنے کے لیے آمادہ ہو جائے۔ کیشپ تو اسے ہر قیمت پر حملہ کرنے کی ترغیب دے گا لیکن اس کی آمادگی ممکن نہیں۔ بیشک وہ کیشپ کے اشاروں پر ناچتا ہے لیکن اس معاملے میں ایسا ممکن نہ ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ بھی نکل سکتا ہے کہ کالدیب کی طاقت دو حصوں میں منقسم ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ میرے حق میں بہتر ہوگا۔ دونوں طاقتیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر فنا نہ ہوئیں تو بھی کمزور ضرور ہو جائیں گی اور میں ان کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا سکوں گی۔

دیوی سوچتی رہی اور میں پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے ذہن کی غیر مرئی آنکھیں اس کے ذہن پر گاڑے رہا۔ مجھے جو معلومات حاصل ہو رہی تھیں وہ میرے لیے انتہائی سنسنی خیز تھیں لیکن پھر اچانک نہ جانے کیا ہوا کہ دیوی کی سوچ ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگی۔ میرا مطلب ہے کہ اس کا تسلسل قائم نہیں رہا۔ ایک آدھ بات میری سمجھ میں آتی اور پھر سناٹا چھا جاتا۔ پھر ایک آدھ نکتہ سامنے آتا اور اس کے بعد خاموشی چھا جاتی۔ پھر یوں ہوا کہ سناٹے اور خاموشی کا وقفہ طویل ہوتا چلا گیا۔

یہاں تک کہ مکمل خاموشی! گمبھیر سکوت!......اب دیوی کا کوئی خیال بھی میرے ذہن تک نہیں پہنچ رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس کی سوچ کے ٹکڑے اس وقت شروع ہوئے ہوں گے جب اس پر غنودگی نے حملہ کیا ہوگا اور مکمل رکاؤ اس بات کی علامت تھا کہ اب وہ گہری نیند میں ڈوب چکی ہوگی۔

میں نے تھکے تھکے سے انداز میں ایک طویل سانس لے کر اپنی توجہ اس نکتے سے ہٹائی اور سر گھما کر پشمین کی طرف دیکھنے لگا جو بے خبر سو رہی تھی۔ میرا بازو بدستور اس کے سر کے نیچے دبا ہوا تھا۔ میں نے آہستگی سے اس کا سر اُٹھا کر اپنا بازو نکال لیا۔ وہ بے خبر سوتی

رہی۔ میں نے بستر سے اُٹھ کر ایک گلاس پانی پیا اور پھر کرسی ہی پر بیٹھ کر ان نکات پر غور کرنے لگا جو مجھے دیوی کے ذہن سے حاصل ہوئے تھے۔

دیوی کا خیال تھا کہ فرمانروائے کالدیپ میری موت برداشت نہیں کر سکتا اس لیے جزیرۂ دیبال پر حملہ کرنے سے باز رہے گا۔

اب میری سوچ کے گھوڑے اس رخ پر دوڑ رہے تھے کہ کالدیب کے فرمانروا کو میری ذات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔

یقیناً اس دلچسپی کی نوعیت بڑی اہم ہوگی کیونکہ دیوی کے خیال کے مطابق وہ میری خاطر اپنے اقتدار کو بھی خطرے میں ڈال سکتا تھا۔

دیوی ہی کی سوچ سے یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تھی کہ بوڑھا کیپٹن جزائر کالدیب سے تعلق رکھتا تھا اور اسکی شخصیت اتنی اہم ہے کہ وہ فرمانروائے کالدیب کو کسی کام کی ترغیب تک دے سکتا ہے۔

ماضی قریب میں یہ بات میرے علم میں آچکی تھی کہ میری تعلیم و تربیت میں کیپٹن کا ہاتھ رہا ہے لہٰذا اب میں اس بات پر یقین کر سکتا تھا کہ میرا بھی تعلق جزائر کالدیب سے ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی تھا کہ یہاں کی زبان اچھی طرح میری سمجھ میں آتی تھی۔

میں کرسی سے اُٹھا اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ میرے جذبات میں بھونچال سا آیا ہوا تھا کیونکہ میری منزل اب بہت قریب آچکی تھی۔ شاید جزائر کالدیپ ہی میرا وطن تھا۔ وہاں پہنچ کر مجھے اپنے ماضی کی تمام باتیں یاد نہ آتیں تو بھی کم از کم علم میں ضرور آجاتیں۔ اب یہ میرے لیے بیحد ضروری ہو گیا تھا کہ میں جلد از جلد فرمانروائے کالدیپ تک پہنچوں۔ اس سے ملاقات میرے ذہن کی تاریکیوں میں روشنی بکھیر سکتی تھی میرا بچھڑا ہوا ماضی مجھ سے مل سکتا تھا۔

لیکن...... میں سوچ رہا تھا' کیا یہ بات ممکن ہے......؟ دیوی تو مجھے جزیرۂ دیبال سے ہرگز نہ جانے دے گی۔ صرف میری ہی ذات اس کی کامیابی کی ضمانت بن سکتی تھی۔ غالباً اسے خوف تھا کہ وہ کالدیپی حکومت کے اس زبردست حملے کا مقابلہ نہ کر سکے گی جو اس کے لیے متوقع تھا۔

ان حالات میں صرف یہی بات سوچی جا سکتی تھی کہ میں یہاں سے فرار ہونے کی تدبیر کروں اور فرار ہونا ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔

اگر معاملہ میری ذات تک محدود ہوتا تو شاید زیادہ پریشانی نہ ہوتی لیکن میرے ساتھ کلدیب کور بھی تھی۔ اسے ساتھ لیے بغیر یہاں سے فرار ہو جانا اصول مردانگی کے خلاف تھا۔ میرے فرار کے بعد دیوی یقیناً اس کے ساتھ بہت برا سلوک کرتی۔

نیند میری آنکھوں سے اُڑ چکی تھی اور میں مسلسل سوچ رہا تھا۔ جب ٹہلتے ٹہلتے تھک جاتا تو کرسی پر بیٹھ جاتا اور کچھ دیر ستا کر پھر ٹہلنے لگتا۔ رات اپنے تیسرے پہر میں داخل ہو رہی تھی جب میں بری طرح تھک گیا۔ نہ صرف جسمانی طور پر بلکہ ذہنی طور پر بھی اور ذہنی تھکن چونکہ انسان کو آمادۂ خواب کر دیتی ہے اس لیے اس مرحلے پر میرے قدم خود بخود بستر کی طرف اُٹھ گئے۔

دوسری صبح میں کافی دیر تک سوتا رہا اور جب بیدار ہوا تو پشمین بستر پر موجود نہیں تھی۔ میں اُٹھ بیٹھا اور دروازے کی طرف دیکھنے

لگا جو کھلا ہوا تھا میں نے تالی بجائی۔ فوراً ہی ایک کنیز کمرے میں داخل ہوئی۔

''پشیمن کہاں ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

کنیز کی آنکھوں میں خوف کی ایک لہر امنڈتی محسوس ہوئی اور پھر اس نے سر جھکا کر کانپتی ہوئی آواز میں آہستہ سے کہا: ''مجھے علم نہیں اجنبی مہمان...... آپ جو کچھ معلوم کرنا چاہتے ہوں وہ دیوی سے معلوم کیا کیجیے ہمیں کسی سوال کا جواب دینے کی اجازت نہیں ہے۔''

میں چند لمحے اسے گھورتا رہا اور پھر طنزیہ لہجے میں بولا: ''کیا تم مجھے یہ بھی نہیں بتاؤ گی کہ غسل خانہ کہاں ہے۔؟''

''اُدھر...... اس پردے کے عقب میں۔'' اس نے بتایا۔

میں اُٹھ کر غسل خانے میں چلا گیا۔ جب نہا کر کمرے میں آیا تو وہ کنیز میرے لیے دوسرا لباس تیار کر چکی تھی۔

''یہ لباس زیب تن کر لیجیے!'' اس نے کہا اور میرے بولنے کا انتظار کیے بغیر کمرے سے چلی گئی۔

میں کپڑے تبدیل کر کے کنیز کو بلانے کے لیے تالی بجانے ہی والا تھا کہ پردہ اٹھا کر دیوی کمرے میں داخل ہوئی وہ اس وقت بھی سرخ حریری لبادے میں ملبوس تھی۔

''صبح بخیر خوبصورت مہمان۔!'' وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''صبح بخیر!'' میں بھی مسکرا دیا۔

دیوی کے پیچھے پیچھے وہی کنیز بھی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوان تھا۔

''ناشتہ حاضر ہے۔'' دیوی بولی۔

''یہ میرے لیے باعث مسرت ہے کہ تم بھی ناشتے میں میرے ساتھ شریک ہو گی۔''

''اوہ...... نہیں!'' وہ ہاتھ اُٹھا کر بولی میں تو ناشتہ کر چکی ہوں۔ ارادہ تو یہی تھا کہ تمہارے ساتھ کروں گی لیکن تم اس وقت تک بیدار نہیں ہوئے تھے شاید رات کو زیادہ دیر تک جاگتے رہے!'' آخری فقرہ کہتے ہوئے اس نے میری طرف بڑی معنی خیز نظروں سے دیکھا تھا۔

''آں...... ہاں...... مجھے دیر سے نیند آئی تھی۔'' میں نے بڑے شرمندگی کے انداز میں جواب دیا۔

کنیز ناشتہ میز پر رکھ کر خاموشی سے چلی گئی۔

''تو کیا تمہاری رات اچھی نہیں گزری؟'' دیوی بولی۔

''نہیں رات تو بہت اچھی گزری۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔ ''تمہاری کنیزیں خوبصورت ہیں۔ خاص طور پر پشمین...... کیوں!'' وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ یقیناً...... '' میں بھی بڑی ڈھٹائی سے ہنس دیا۔

''اگر یہ بات کلدیب کور کو معلوم ہو جائے تو؟''

کلدیپ کور کا نام آتے ہی میں سنجیدہ ہو گیا۔ ''وہ اب کیسی ہے۔''

''تم شام تک اس سے مل سکو گے۔''

شام تک کیوں؟ ابھی کیوں نہیں؟'' میں بیتابی سے کہا۔

''شام تک کا وقت کس طرح گزاروں۔ ویسے بھی اس کمرے میں میرا دم گھٹنے لگا ہے۔'' میں نے یہ جملہ بظاہر بڑے سرسری انداز میں کیا تھا لیکن میں یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین تھا کہ وہ جواباً کیا کہے گی۔

''تو یہ تم سے کس نے کہا کہ اس کمرے تک محدود ہو۔ تم آزاد ہو گھومو پھرو۔ اس جزیرے کا ہر شخص تمہارا احترام کریگا، کیونکہ تم دیوی کے مہمان ہو۔''

''یہ ٹھیک ہے۔'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''گھومنے پھرنے میں زیادہ وقت گزر جائے گا۔ ویسے بھی اجنبی فضاؤں میں گھومنے کا مجھے بیحد شوق ہے۔''

''یہاں کی فضا کو تم بہت زیادہ اجنبی پاؤ گے۔''

''تم نے مجھے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم کیسی دیوی ہو!'' میں پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

اس سوال پر وہ دھیرے سے ہنس پڑی۔ ہنستی ہوئی بولی۔ اس کی جلدی کیا ہے آہستہ آہستہ سب کچھ جان لوگے۔ میرا جزیرہ بہت خوبصورت ہے۔ تم یہ خواہش نہیں کر سکو گے کہ یہاں سے جلد از جلد چلے جاؤ۔''

''میں کیشپ کے سلسلے میں ذہنی الجھاوے کا شکار ہوں۔ تم نے کہا تھا کہ اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکو گی۔''

''ہاں ...... '' وہ سر ہلاتی ہوئی بولی۔ ''میں کل تک کچھ ایسی معلومات حاصل کر لوں گی کہ تمہیں کچھ مشورہ دے سکوں۔''

''کیا کیشپ تمہارے ہی جزیرے سے تعلق رکھتا ہے۔؟''

''نہیں ...... '' لیکن وہ قریب ہی کے ایک جزیرے کا باشندہ ہے۔''

''کیا سمندر کے اس حصے میں پائے جانیوالے جزیرے ہماری دنیا سے بالکل کٹے ہوئے ہیں۔؟''

''بالکل کٹے ہوئے تو نہیں لیکن بڑی حد تک کٹے ہوئے ہیں۔'' دیوی نے جواب دیا اور پھر اچانک کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔ ''اچھا اب میں چلتی ہوں۔ تم ناشتہ کرنے کے بعد گھومنے چلے جانا کنیز سے کہہ دینا کہ وہ تمہیں صدر دروازے تک چھوڑ آئے ورنہ تم محل ہی میں بھٹکتے رہو گے۔''

میں نے محسوس کیا کہ وہ زیادہ دیر تک میرے پاس رکنے سے احتراز کرنا چاہتی تھی۔ اگر وہ رکتی تو اسے میری باتوں کے جواب میں کچھ نہ کچھ ضرور کہنا پڑتا۔ اس صورت میں یہ احتمال تھا کہ وہ بے خیالی میں کوئی ایسا فقرہ کہہ جاتی جس کا میرے علم میں آنا اس کے لیے مناسب نہ ثابت ہوتا۔

وہ چلی گئی اور میں ناشتہ کرتے ہوئے سوچتا رہا کہ میرا محل سے نہ نکلنا تو میرے لیے کسی طرح بھی مفید ثابت نہیں ہوسکتا۔ ہاں باہر نکلنے سے فرار کی کوئی راہ سوجھ سکتی تھی۔ مجھے باہر نکلنے کا فیصلہ کرنا پڑا لیکن اس سلسلے میں جلد بازی مناسب نہیں ہوتی۔ دیوی پر یہ ظاہر نہیں ہونا چاہیے تھا کہ میں باہر نکلنے کے لیے بے چین تھا۔ میں نے ناشتہ کرنے کے بعد دو ڈھائی گھنٹے کمرے ہی میں گزار دیے اور پھر تالی بجا کر کنیز کو بلایا۔

''تمہارا نام؟ میں نے اس سے پوچھا۔

''قلزا۔''

''قلزا۔'' میں نے زیرِ لب دہرایا اور پھر بولا۔ ''کیا تم مجھے صدر دروازے تک چھوڑ آؤ گی؟''

''آیئے!''

میں کھڑا ہوگیا۔ اس کے ساتھ کمرے سے نکلا۔ کشادہ راہداریوں اور پیچ دار راستوں سے گزرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ یہ محل واقعی بہت بڑا ہے۔ کلدیب کو راس محل کے نہ جانے کس گوشے میں ہوگی!

کنیز مجھے صدر دروازے کے باہر چھوڑ کر واپس چلی گئی اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میری نظروں کے سامنے قدیم اندلس کا ایک چھوٹا سا شہر پھیلا ہوا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ اس جزیرے پر اس قسم کے فنِ تعمیر کو دیکھنے کا موقع ملے گا۔

لیکن پھر وہی بات کہ وہ سب کچھ مجھے اجنبی ہونے کے باوجود بھی اجنبی نہیں محسوس ہو رہی تھیں۔

میرے قدم اُٹھتے رہے اور میں وہاں کی چہل پہل میں ڈوب گیا لوگ وہاں پیدل چل رہے تھے یا اونٹوں پر سوار تھے، اِکا دکا افراد گھوڑوں پر بھی نظر آئے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اونٹ وہاں کے عام لوگوں کی سواری ہے اور گھوڑے صرف خواص استعمال کرتے ہیں۔ جو اکا دکا افراد مجھے گھوڑوں پر نظر آئے تھے ان کی زرق برق پوشاک اسی بات پر دال تھی کہ وہ عام لوگوں میں سے نہیں ہیں۔

عورتیں بھی نظر آئیں لیکن میں ان کے چہرے نہیں دیکھ سکا۔ وہ اپنے چہروں پر ڈھاٹے باندھے ہوئے تھیں۔

میں چاروں طرف دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا لیکن میری طرف کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ ظاہر ہے کہ میں وہیں کے لوگوں کی وضع قطع میں تھا اور انہی میں سے ایک معلوم ہو رہا تھا لیکن میں یہ دیکھ کر مسکرا دیا کہ بعض عورتوں نے ضرور مجھے مڑ مڑ کر دیکھا تھا۔

بعض چھوٹی چھوٹی عمارتوں کے قریب سے گزرتے ہوئے مجھے دف اور گھنگھروؤں کی آوازیں بھی سنائی دیں اور میں نے سوچا کہ یہ قہوہ خانوں جیسی چھوٹی موٹی تفریح گاہیں ہوں گی۔ تھک جانے کے بعد میں ان میں سے کسی بھی تفریح گاہ میں گھس کر اپنی تھکن اتار سکتا تھا۔ میری جیب میں کوئی دھیلا کوڑی نہیں تھی لیکن مجھے یہ اطمینان تھا کہ دیوی کا حوالہ ملنے پر کوئی بھی مجھ سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرے گا۔

میں چونکہ مڑ مڑ کر اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اس لیے اچانک مجھے ایک شخص پر اس بات کا شبہ ہوا کہ وہ میری نگرانی کر رہا تھا۔ اس کی شکل مجھے کئی مرتبہ نظر آئی تھی۔

اب یہ ضروری ہوگیا کہ میں اس بات کی تصدیق کرلوں۔ ایک عمارت کے قریب سے گزرتے ہوئے جب مجھے دف اور گھنگھروؤں کی آواز سنائی دی تو میں فوراً اس عمارت میں داخل ہوگیا۔ داخل ہوتے ہی ایک عجیب سی بو میری قوت شامہ سے ٹکرائی۔ وہ ایک چھوٹا سا ہال تھا جس میں چھوٹے چھوٹے تخت بچھے ہوئے تھے۔ ایک تخت پر تین چار آدمیوں کی گنجائش تھی۔ لوگ اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے بیچ میں کھانے کے سامان کے ساتھ ایک بڑا سا جگ نما برتن اور چھوٹے چھوٹے پیالے رکھے ہوئے تھے۔ ان پیالوں میں کوئی چیز پی جارہی تھی۔ غالباً اسی کی بو نے ہال کی ساری فضا کو مسموم کررکھا تھا اور یقیناً وہ شراب سے ملتی جلتی کوئی نشہ آور چیز تھی۔

معمولی شکل وصورت کی ایک نیم عریاں رقاصہ دف ہاتھ میں لیے سارے ہال میں تھرکتی پھر رہی تھی۔

میں ایک خالی تخت پر جا بیٹھا اور کنکھیوں سے دروازے کی طرف دیکھتا رہا۔ جلد ہی مجھے وہ شکل نظر آ گئی جس پر مجھے شبہہ ہوا تھا میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اب اس بات پر یقین کیا جاسکتا تھا کہ میری نگرانی کی جارہی تھی۔ غالباً مجھے اس کے بارے میں پہلے ہی سوچ لینا چاہیے تھا کہ مجھ پر نظر رکھی جائے گی۔ دیوی مجھے کھو دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ میں اس کے لیے بیحد اہمیت رکھتا تھا۔

وہ اجنبی جو میری نظروں میں مشکوک ہو چکا تھا ایک خالی تخت کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس وقت اس کی پشت میری طرف تھی۔ اسی لمحے ایک آدمی بڑی تیزی سے میرے تخت کے قریب سے گزرا۔ گزرتے ہوئے اسنے ایک چھوٹا سا پرچہ میرے سامنے گرادیا تھا۔ بے اختیار میں نے ہاتھ بڑھا کر وہ پرچہ اُٹھالیا اور حیرت سے اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا جو پرچہ گرا کر تیزی سے چلتا ہوا دروازے کی طرف جارہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ باہر نکل گیا۔ اب میری نظریں پرچے کی طرف گئیں جو تہہ کیا ہوا تھا۔ میں نے اسے کھولا تو ایک تحریر نظر آئی لکھا تھا۔

ہوشیار ہو! تمہاری نگرانی کی جارہی ہے۔ آج آدھی رات کے بعد محل کے خفیہ دروازے سے باہر نکلنا اور شمال کی طرف چل پڑنا۔ شاید وہی راستہ تمہاری بہتری کا راستہ ہوگا۔ محل کے خفیہ دروازے تک پہنچنے کے لیے تم کسی کنیز کو اپنا آلۂ کار بنا سکتے ہو۔ اس کام کے لیے تمہیں اپنی صلاحیتوں سے کام لینا ہوگا۔

تمہارا

بہی خواہ

یہ پرچہ پڑھ کر میں دم بخود رہ گیا۔ اس جزیرے پر کسی بہی خواہ کا وجود میرے لیے حیرت انگیز ہی ہوسکتا تھا۔ اچانک مجھے اپنے اردگرد کے ماحول کا احساس ہوا۔ میں نے چونک کر نظریں اُٹھائیں۔ سب سے پہلے میں نے اپنی نگرانی کرنے والے اجنبی ہی کی طرف دیکھا تھا۔ میں نے اسے اپنی طرف گھورتے ہوئے پایا۔ اس کی توجہ میرے ہاتھ میں دبے ہوئے پرچے کی طرف تھی۔ جیسے ہی میں نے اس کی طرف دیکھا وہ سر گھما کر دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔

اب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا مجھے وہ پرچہ وہیں بیٹھ کر پڑھنے کی بجائے اپنی جیب میں ڈال لینا چاہیے تھا اور اسے پڑھنے

کے لیے کوئی محفوظ جگہ تلاش کرنی چاہیے تھی۔ محفوظ جگہ نہ ملنے کی صورت میں یہ بات تو ممکن ہی تھی کہ میں اسے محل میں جا کر پڑھتا۔

لیکن اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ حماقت ہو چکی تھی۔ وہ پرچہ نگرانی کرنے والے کی نظروں میں آچکا تھا اور اب میری بہتری اسی میں تھی کہ اس پرچے کو جلد از جلد ضائع کردوں۔ اس تحریر کا کسی اور کی نظروں میں آنا میرے لیے ضرر رساں ثابت ہوسکتا تھا۔

ہال میں وہ نشہ آور مشروب تقسیم کرنے والے خادموں میں سے ایک میرے قریب آیا لیکن اسی وقت میں تخت سے کھڑا ہوگیا۔

''معاف کرنا دوست! مجھے ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔'' میں نے اس سے کہا اور دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

باہر نکلتے ہی میں نے اس پرچے کے ٹکڑے کر ڈالے اور انہیں فضا میں اُچھال دیا۔ ہوا کا ایک تیز جھونکا ان پرزوں کو اُڑا لے گیا۔ میری نگرانی کرنے والا جب رقص گاہ سے باہر نکلا تو وہ پرزے نہ جانے کہاں کہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ اس نے مجھے وہ خط پھاڑتے ہوئے دیکھا بھی نہیں تھا اس لیے اس کا امکان نہیں تھا کہ وہ ان پرزوں کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا۔ ویسے اگر وہ دیکھ بھی لیتا تو ان پرزوں کی تلاش میں کمربستہ ہونا ایک حماقت ہی ہوتی۔ وہ ان پرزوں کو کہاں کہاں چنتا پھرتا؟

سورج مغرب میں جھکتا چلا جا رہا تھا۔

میرے قدم واپسی کے لیے اُٹھنے لگے۔ اب میں نگرانی کرنے والے کی طرف سے قطعی غافل ہو چکا تھا اور میرے ذہن میں خط کے الفاظ چکرا رہے تھے۔ یہ بات اور زیادہ تعجب خیز تھی کہ وہ خط انگریزی میں لکھا گیا تھا۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ اس جزیرے پر میرے سوا کوئی بھی انگریزی نہ جانتا ہوگا۔

مجھے آدھی رات کو شمال کی سمت میں بلایا جا رہا تھا اور میرے دل سے یہ آواز اُٹھ رہی تھی کہ مجھے ضرور جانا چاہیے۔ مجھے وہ پیغام پہنچانے والا دیوی کے موافقین میں سے ہرگز نہیں ہوسکتا تھا اور دیوی کے مخالفین بلاشبہ میرے دوست ثابت ہوتے۔

جب میں محل پہنچا تو صدر دروازے ہی سے ایک خادم میرے ساتھ ہولیا تاکہ مجھے میرے کمرے تک پہنچا سکے۔

وہ مجھے کمرے کے دروازے پر چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ میں کمرے میں داخل ہوا اور جا کر بستر پر ڈھیر ہوگیا۔ چلتے چلتے میری ٹانگیں دُکھنے لگی تھیں۔ میں بستر پر لیٹا ہی تھا کہ فلزا کمرے میں داخل ہوئی۔

''کیوں!'' میں اسے گھورنے لگا۔

''کیا آپ اس وقت کوئی ہلکی غذا کھانا پسند کریں گے۔؟''

''نہیں...... لیکن اگر کوئی اچھا سا مشروب مل سکے تو اچھا ہے۔''

فلزا مودبانہ انداز میں سر ہلا کر چلی گئی اور جب کچھ دیر بعد واپس لوٹی تو کسی مشروب کا پیالہ اس کے ہاتھ میں تھا۔

''دیوی کہاں ہے۔؟'' میں نے پیالہ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے علم نہیں۔'' اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

میرا منہ بن گیا۔ اب چونکہ شام ہو چکی تھی اس لیے میں دیوی سے کہنا چاہتا تھا کہ وہ مجھے کلدیب کور سے ملا دے لیکن فلزا کے جواب نے مجھے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ یہ جھنجھلاہٹ ہی تھی کہ میں نے مشروب کا پیالہ ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ وہ مشروب خاصا فرحت بخش اور خوشبودار تھا۔

''تمہاری دیوی جہاں کہیں بھی ہو، میرا یہ پیغام اس تک پہنچ جانا چاہیے کہ میں اس سے فوری طور پر ملنا چاہتا ہوں۔'' میں نے فلزا کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

فلزا کچھ بولی نہیں۔ پیالہ لے کر خاموشی سے چلی گئی۔

میں پھر اسی خط کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس میں لکھی جانے والی آخری بات بڑی معنی خیز تھی۔ لکھا تھا کہ محل کے خفیہ دروازے تک پہنچنے کے لیے تم کسی کنیز کو آلۂ کار بنا سکتے ہو اور اس کام کے لیے تمہیں اپنی صلاحیتوں سے کام لینا ہوگا۔

میں اس الجھن میں تھا کہ لفظ ''صلاحیتوں'' کا استعمال کن معنوں میں کیا گیا ہے۔ کیا خط لکھنے والا میرے ذہن کی پراسرار قوت سے بھی واقف ہے۔؟

سوچتے سوچتے اچانک مجھے اپنا سر گھومتا محسوس ہونے لگا۔ آنکھوں کے آگے گنجان دائرے رقص کرنے لگے۔ میں نے بوکھلا کر بستر سے اُٹھنا چاہا تو پتا چلا کہ میرا جسم تقریباً بے جان ہو چکا ہے۔

مجھے فوراً اس مشروب کا خیال آیا جو میں نے دو تین منٹ پہلے پیا تھا۔ یقیناً اس میں کوئی خاص چیز ملائی گئی تھی۔

زہر!

میرا تمام جسم جھنجھنا اُٹھا لیکن میں نے ڈوبتے ہوئے ذہن سے سوچا کہ نہیں وہ زہر نہیں ہو سکتا۔ دیوی مجھے کم از کم ابھی تو ہلاک نہیں کر سکتی۔ تو پھر مشروب میں کوئی خواب آور چیز ملائی گئی ہوگی۔ غالباً دیوی کو اس پرچے کا علم ہو گیا ہوگا جو مجھے اس رقص گاہ میں ملا تھا۔ اب وہ اس پرچے کو میرے لباس میں سے تلاش کر کے پڑھنا چاہتی ہوگی۔

ظاہر ہے کہ اسے مایوسی ہی ہوتی لیکن بے ہوش ہونے سے قبل میرے ذہن پر یہ فکر مسلط ہو چکی تھی کہ شاید اب میں آدھی رات کو محل سے نہ نکل سکوں۔ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ خواب آور مشروب مجھے صبح تک سلائے رکھے۔

تاریکیاں میرے ذہن کا مقدر بن گئیں اور میں ان تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

میرا خدشہ درست ثابت ہوا جب میری آنکھ کھلی تو کمرے میں صبح کا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ بیداری کے فوراً بعد کے چند لمحات میں نے خالی الذہنی کے عالم میں گزارے اور جب میں نے صورتحال کو پوری طرح سمجھا تو ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ رات گزر چکی تھی وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا میرے نامعلوم اور پراسرار دوست انتظار ہی کرتے رہ گئے ہوں گے۔ نہ جانے انہوں نے کیا سوچا ہو۔ کیا ان کے ذہن میں یہ خیال آیا ہوگا کہ میں کسی وجہ سے لاچار بھی ہو سکتا ہوں؟ کہیں انہوں نے یہ نہ سوچا ہو کہ میں نے دیدہ دانستہ ان کی دعوت کو

نظرانداز کیا ہے۔!

مجھے خیال آیا کہ اب ان باتوں پر دماغ کھپانے سے فائدہ کیا۔؟ سوچنا تو یہ چاہیے کہ مجھے بے ہوش کیوں کیا گیا تھا اور اب اس سلسلے میں مزید کیا باتیں سامنے آسکتی ہیں؟ اگر مجھے بے ہوش کرنے کا مقصد یہی تھا کہ میری جیب سے وہ پرچہ حاصل کیا جائے تو ظاہر ہے کہ دیوی کو مایوسی ہی ہوئی ہوگی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ اس مایوسی کا ردِعمل کیا ہوگا؟

فلزا میرے لیے ناشتہ لے کر آئی تو اس نے نظریں جھکا رکھی تھیں۔ وہ ناشتہ رکھ کر خاموشی سے واپس جانے لگی تو میں نے اسے پکارا۔

''سنو فلزا۔''

اس نے ایک اچٹتی سی نظر مجھ پر ڈالی اور پھر سر جھکا کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''تم کل رات میرا کھانا لے کر کیوں نہیں آئیں؟''

''میں لائی تھی مگر آپ گہری نیند سو رہے تھے۔ میں نے آپ کو دو تین مرتبہ پکارا بھی تھا لیکن آپ کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔''

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا لیکن چہرے پر کسی قسم کے تاثرات تلاش نہیں کر سکا۔ ممکن ہے وہ اس سے بے خبر ہی ہو کہ اس نے گزشتہ شام مجھے جو مشروب پلایا تھا اس میں کوئی خواب آور دوا ملی ہوئی تھی۔

اچانک مجھے پشمین کا خیال آیا اور میں اس کے بارے میں سوال کر بیٹھا۔ میرا سوال سنتے ہی فلزا کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ آنکھوں میں تاریک سائے لہرا گئے اور جب وہ بولی تو اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

''مجھے علم نہیں۔''

''تم نے اسے دیکھا تو ہوگا۔؟''

''مجھے علم نہیں۔'' بڑی کھوکھلی سی آواز تھی۔

''تمہیں یہ بھی علم نہیں کہ تم نے اسے دیکھا یا نہیں دیکھا؟'' میں نے حیرت سے کہا لیکن میری یہ حیرت مصنوعی تھی۔ میں سمجھ چکا تھا کہ اسے پشمین کے سلسلے میں خاموش رہنے کا حکم ملا ہے۔ مگر کیوں؟ آخر پشمین پر کیا گزر گئی کہ اسے چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کیا وہ محض اس لیے دیوی کے عتاب کا نشانہ بن چکی ہے کہ اس نے مجھے کچھ معلومات فراہم کر دی تھیں؟

میں نے فلزا کو جانے کا اشارہ کیا اور ناشتے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ رات کا کھانا نہ کھانے کی وجہ سے مجھے اپنے معدے میں سناٹا سا محسوس ہو رہا تھا۔ اشتہا اپنے شباب پر تھی۔ ناشتے کے دوران میں میں نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

جب سے میں اس جزیرے پر آیا تھا مجھے سگریٹ نصیب نہیں ہوئی تھی میں اس کی کمی بڑی شدت سے محسوس کر رہا تھا لیکن یہاں مجھے سگریٹ ملنے کی توقع نہیں تھی اس لیے میں نے اپنی خواہش کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔

میں نے ناشتہ کرنے کے بعد فلزا کو بلانے کیلئے تالی بجائی، وہ اندر آئی اور خاموشی سے برتن اُٹھا کر جانے لگی۔ میں اسے روک کر دیوی کے بارے میں پوچھنے والا تھا کہ دیوی خود کمرے میں داخل ہوئی۔

''صبح بخیر خوبصورت مہمان!'' وہ اپنے خوبصورت ہونٹوں پر دلآویز مسکراہٹ سجائے ہوئے تھی۔

''صبح بخیر۔''

فلزا چلی گئی تو دیوی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''کل رات تم۔ بہت جلدی سو گئے۔! فلزا بتا رہی تھی کہ تم نے کھانا بھی نہیں کھایا۔''

''ہاں۔'' میں نے بڑے سرسری انداز میں کہا۔ ''کل کچھ جلدی نیند آ گئی تھی میں تمہارے جزیرے پر گھومتے گھومتے خاصا تھک گیا تھا اور تھکن کے بعد نیند آ ہی جاتی ہے اگر اس وقت ایک خوبصورت ساتھی میسر آ جاتا تو اچھا تھا۔ مجھے پشیمن بیحد پسند ہے تم نے اسے کہاں بھیج دیا ہے؟ وہ کل صبح سے نظر نہیں آئی۔''

''اب وہ کبھی نظر نہیں آئیگی۔'' دیوی کے لہجے میں اتنی ٹھنڈک تھی کہ اس کی سرسراہٹ مجھے ریڑھ کی ہڈی تک میں محسوس ہوئی۔

''کیا مطلب!'' میں نے تیزی سے کہا۔ ''وہ کیوں نظر نہیں آئیگی۔؟''

''وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔'' دیوی کا لہجہ بدستور تھا۔ ''سانپ نے اسے ڈس لیا اور وہ مرگئی۔''

میں دم بخود رہ گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ پشیمن صرف میری ہی وجہ سے گلشن حیات کو چھوڑ کر خارزار اجل میں جانے پر مجبور ہوئی تھی۔ دوسرے ہی لمحے دیوی نے بھی میرے اس خیال کی تصدیق کر دی وہ کہہ رہی تھی۔ اس محل کے کسی فرد کو اجازت نہیں ہے کہ وہ مہمانوں کو انکے سوالات کا جواب دے۔ پشیمن سے یہی غلطی ہوئی تھی۔ اسنے تمہیں بہت کچھ بتایا تھا گو کہ وہ ساری باتیں میں بھی تم کو بتا دیتی مگر پشیمن کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس محل میں میری حکم عدولی کرنے والا زندہ نہیں بچتا۔ میرے غلام اس محل کے گوشے گوشے میں پھنکارتے رہتے ہیں گو کہ وہ دکھائی نہیں دیتے مگر خود سب کچھ دیکھتے رہتے ہیں۔ جو بھی میرے حکم سے انحراف کرتا ہے اسے وہ ڈس لیتے ہیں۔''

میں اس وقت دیوی کو بڑی کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ شاید یہ دنیا کی سفاک ترین عورت ہے۔ ایسی عورتوں میں جمالیاتی حس نام کو بھی نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ وہ میری طرف ملتفت نہیں ہوئی تھی۔ مجھے اس پر غصہ آ رہا تھا لیکن حالات کا اقتضا دیہ تھا کہ میں اپنے معاندانہ جذبات کا اظہار نہ کروں۔

''خوب!'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''گویا یہ حقیقت ہے کہ تم سازش کر کے برسر اقتدار آئی ہو!''

''اپنا حق واپس لینے کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔''

''حق؟''

''ہاں۔ موجودہ کالدیی حکمراں کا دادا...... ایک سازش ہی کر کے اقتدار میں آیا تھا اور جس کے خلاف سازش کی گئی تھی۔ میں

اس کی اولادوں میں سے ہوں۔ کالدیب پر حکمرانی کرنا میرا حق ہے اور کسی نہ کسی روز میں وہ حق چھین ہی لوں گی۔ دیبال پر میرا قبضہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔''

''پشیمن نے بتایا تھا کہ کالدیب کا حکمراں دیبال کوئی زبردست حملہ کرنیوالا ہے۔''

''اب نہیں کر سکے گا۔'' دیوی کے ہونٹوں پر عیارانہ مسکراہت کھیل رہی تھی۔ ''میں اس کا علاج ڈھونڈ چکی ہوں۔''

''کیا علاج۔؟''

''اجنبی مہمان!'' وہ کھنکتے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''تم بہت خوبصورت ہو اور میں خوبصورت لوگوں کو پسند کرتی ہوں مگر اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ میں تم کو اپنے ہر راز میں شریک کرلوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے یہ سوالات نہیں کرنے چاہیں تھے۔ خیر! اب تم مجھے کلدیب کور سے ملادو۔''

''شاید تمہیں یہ سن کر دکھ ہوگا کہ وہ تم سے نہیں ملنا چاہتی۔''

''کیا مطلب!'' میں چونک پڑا۔

''اس نے تمہیں ٹوٹ کر چاہا تھا لیکن اب وہ تم سے نفرت کرنے لگی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ محض تمہاری وجہ سے وہ ماں نہیں بن سکی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر تم نے ابتدا ہی سے اپنا رویہ درست رکھا ہوتا تو یہ نوبت ہی نہ آتی تندو تیز طوفان کے تھپیڑے اس کے بطن میں پھلتی پھولتی ہوئی اس ننھی سی جان کو یوں نہ پیس ڈالتے۔ سنوار سلان! وہ تم سے محبت کرتی تھی اور محبت کا دوسرا نام جنس ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جنس کا جذبہ قوی تر ہوتا ہے لیکن ممتا کے جذبے سے جنس کا جذبہ ہار چکا ہے۔ کلدیب اب تمہیں دیکھنے کی بھی روادار نہیں ہونا چاہتی۔''

میں دیوی کا منہ تکتا رہ گیا۔ کیا وہ سچ کہہ رہی تھی؟ کیا واقعی اب کلدیب مجھ سے نفرت کرنے لگی ہوگی؟ میرا دل یہ سب کچھ ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔

''میں نہیں مان سکتا۔'' میرے دل کی بات زبان پر آگئی۔

''رات کو رات نہ ماننے سے سورج طلوع نہیں ہوتا؟''

''میں کلدیب سے کم از کم ایک منٹ کے لیے ضرور ملوں گا۔''

''وہ ایک پل کے لیے بھی نہیں ملنا چاہتی۔'' دیوی نے جواب دیا اور پھر قدرے توقف سے بولی: ''مجھے تم سے ہمدردی ہے ارسلان! دو ایک روز صبر کرو۔ میں کلدیب کو سمجھانے کی کوشش کروں گی ابھی اس کا غم تازہ ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ممکن ہے وہ معمول پر آجائے اور تم سے ملنا گوارا کرلے۔''

میں الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ میرے اندازے کے مطابق اس نے یہ کہانی صرف اس لیے گھڑی تھی کہ

مجھے کلدیب کور سے دور رکھ سکے مگر کیوں؟ اسے میری اور کلدیب کی یکجائی سے کیا خطرہ ہے۔؟

میں دیوی کے ذہن میں جھانک کر حقیقت سے باخبر ہونا چاہا مگر اسی وقت وہ بول پڑی۔ ''خوبصورت مہمان! تمہارے ہونٹوں کی بناوٹ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تم بیحد جذباتی ہو۔ تم اپنے ان جذبات کی سیرابی کیلئے کسی بھی لمحہ فکرمند نہ ہونا۔ اس محل کی ہر خوبصورت کنیز تمہاری ہے جس کو چاہو پیار کرو۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ وہ بیچاریاں محض تمہاری وجہ سے اس انجام کو نہ پہنچ جائیں جو پشمین کا مقدر بن چکا ہے۔ تمہیں جو کچھ معلوم کرنا ہو وہ مجھ سے پوچھ لیا کرو۔''

''یہ شیموئل کون ہے؟'' میں بے اختیار سوال کر بیٹھا۔

''پشمین تمہیں بتا ہی چکی ہے کہ وہ میرا محبوب ہے۔'' دیوی مسکرائی ''اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ شیموئل کی شخصیت دلآویز نہیں ہے۔''

''دلآویزی سے تمہاری مراد نسائیت ہے تو میں کہوں گی کہ مجھے مردوں میں اس قسم کی شے سخت ناپسند ہے' مرد کو بس مرد ہونا چاہیے اور شیموئل مرد ہے۔''

''میں نے اسے اب تک نہیں دیکھا۔''

''کیا دیکھنا چاہتے ہو؟''

''اس شخص کو دیکھنا کون نہ چاہے گا جسے تم جیسی خوبصورت عورت چاہتی ہو۔''

دیوی نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پھر تالی بجائی۔ فوراً ہی فلزا نے کمرے میں قدم رکھا۔ دیوی نے اسے حکم دیا۔

''جا کر شیموئل سے کہو کہ دیوی اسے یاد کر رہی ہے۔''

فلزا نے مؤدبانہ سر ہلایا اور چلی گئی۔

''سنو دیوی! تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ بوڑھے کیشپ کا پتا چلا کر میری بہتری کی کوئی راہ نکالو گی۔''

''میں اپنے کئی جاسوسوں کو اس معاملے کی تحقیقات پر مامور کر چکی ہوں دو چار روز میں وہ تفصیلات معلوم کر کے مجھے آگاہ کریں گے۔'' دیوی نے جواب دیا اور پھر براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ''کل تم خاصی دیر تک جزیرے پر گھومتے رہے تمہیں کوئی خاص واقعہ تو نہیں پیش آیا میرا مطلب ہے کسی نے تمہیں اجنبی سمجھ کر تمہارے ساتھ زیادتی تو نہیں کی۔؟''

دیوی کا سوال بالکل صاف تھا لیکن میں اس کی تہہ میں چھپی ہوئی خواہش سے بے خبر نہیں رہ سکا وہ جس بات کا کھوج لگانا چاہتی تھی۔ میں اس کو خوب اچھی طرح سمجھ رہا تھا وہ اس پرچے کے بارے میں جاننا چاہتی تھی جو اس کے خیال کے مطابق میری جیب میں ہونا چاہیے تھا مگر جسے وہ مجھے بیہوش کر کے بھی تلاش نہیں کر سکی تھی۔

''نہیں میرے ساتھ کسی نے کوئی زیادتی نہیں کی۔'' میں نے دیوی کو جواب دیا۔ ''لیکن میرے ساتھ ایک ایسا واقعہ ضرور پیش

آیا تھا جسے تم خاص تو نہیں مگر دلچسپ ضرور کہہ سکتی ہو۔''

''وہ کیا؟'' دیوی کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک پیدا ہوگئی۔

''میں تھک کر ایک رقص گاہ میں جا گھسا تھا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اور وہیں وہ واقعہ پیش آیا کوئی اجنبی کاغذ کا ایک ٹکڑا میرے تخت پر پھینکتا ہوا گزر گیا تھا۔ میں نے وہ کاغذ فوراً اٹھا لیا اور اسے کھول کر پڑھنا چاہا۔ مگر اس وقت مجھے اپنی حماقت پر بڑی ہنسی آئی جب کاغذ پر صرف آڑھی ترچھی لکیریں نظر آئیں۔ غالباً اس اجنبی نے یہ کاغذ یونہی پھینک دیا تھا لیکن وہ میرے تخت پر آ گرا اور میں سمجھا کہ وہ میرے لیے ہے۔'' میں خاموش ہو کر ہنسنے لگا۔

دیوی نے فوراً اس واقعے پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس کی آنکھوں سے الجھن مترشح تھی۔ اس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ مجھے سچا سمجھے یا جھوٹا۔! میں نے اس موقعے کو غنیمت جان کر ایک بار پھر دیوی کے ذہن میں جھانکنا چاہا لیکن اس مرتبہ بھی میری خواہش تشنہ کام رہی کیونکہ قدموں کی آہٹ سن کر مجھے دروازے کیطرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔

جو شخص اندر آتا نظر آیا وہ خاصا طویل القامت تھا عمر چالیس بیالیس کے لگ بھگ معلوم ہو رہی تھی۔ سر پر ایک بال بھی نہیں تھا مگر یہ گنج قدرت کا نہیں بلکہ استرے کا مرہون منت تھا۔ اس کے پیروں میں پٹیوں والی چپل تھی۔ وہ پٹیاں گھٹنوں کے قریب تک پہنچی ہوئی تھیں وہ گھیر دار فراک کی قسم کا لباس پہنے ہوئے تھا اس جزیرے کے مرد کچھ اس قسم کا لباس پہنتے تھے۔

''آؤ شیموئل!'' دیوی مسکراتی ہوئی بولی۔ ''میرے خوبصورت مہمان کو تم سے ملنے کی خواہش تھی۔''

شیموئل کے ہونٹوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ ابھری مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مسکراہٹ زہر میں بجھی ہوئی تھی۔ اس نے مصافحے کے لیے میری طرف ہاتھ بڑھایا اور اس وقت میں نے دیکھا کہ اس کے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں سگریٹ دبی ہوئی تھی۔ یہ میرے لیے ایک حیرت انگیز امر تھا۔ میں نے جزیرے کے کسی بھی شخص کے پاس سگریٹ نہیں دیکھی تھی۔

شمیوئل نے مصافحہ کرتے ہوئے اپنی طاقت کا اچھا خاصا مظاہرہ کر ڈالا تھا لیکن میں نے بھی اسے مایوس نہیں کیا۔ ویسے میرے لیے یہ بات حیرت انگیز ضرور تھی آخر شیموئل نے طاقت کا مظاہرہ کرنا ضروری کیوں سمجھا تھا؟

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم سے مل کر مجھے خاص طور سے خوش ہوئی کیونکہ تم سگریٹ پیتے ہو۔''

''اوہو!'' دیوی بول پڑی۔ ''کیا تم بھی سگریٹ کے عادی ہو۔؟''

''اچھی سگریٹ کا ایک کش مجھے ایک وقت کے کھانے سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔''

''تم نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیوں نہیں کیا؟''

''میرا خیال تھا کہ اس جزیرے پر سگریٹ نہیں مل سکے گی۔''

''دیبال ایک ترقی پذیر جزیرہ ہے خوبصورت مہمان! میرے اقتدار میں یہ جزائر کالدیب سے بہت آگے نکل جائے گا۔'' دیوی نے کہا اور پھر شیموئل سے بولی۔ ''کیا تم میرے مہمان کیلئے سگریٹ مہیا کرسکو گے شیموئل؟''

''کیوں نہیں۔ میں ایک کارٹن بھجوادوں گا۔'' شیموئل کی آواز کرخت اور سپاٹ تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ شیموئل کا لہجہ جزیرے کے باشندوں کا سا نہیں تھا۔ میرا ذہن ایک نئی الجھن کا شکار ہوگیا۔ کیا شیموئل کوئی بیرونی آدمی ہے۔؟''

''تمہیں ایک کام کرنا تھا۔ شاید تم بھول گئیں!'' شیموئل نے دیوی سے کہا۔

''میں کبھی کوئی بات نہیں بھولتی۔ آؤ چلیں۔'' دیوی نے کہا اور پھر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سگریٹ تم کو ابھی پہنچا دیے جائیں گے۔ اگر کسی اور چیز کی ضرورت محسوس کرو تو بھی بلاتکلف اظہار کردینا دیبال پر سب کچھ مل جاتا ہے۔''

وہ دونوں چلے گئے اور میں ساکت وصامت بیٹھا خیالات میں ڈوبا رہا۔ میرے ذہن میں اب دیوی سے زیادہ شیموئل کی شخصیت کھٹکنے لگی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں عیاری کی چمک دیکھی تھی اور اس کا تو مجھے یقین ہوگیا تھا کہ وہ ان جزائر کا باشندہ ہرگز نہیں ہے۔ تو پھر وہ یہاں کیوں آیا؟ دیوی سے اس کا رابطہ کیونکر ہوسکا؟ اس قسم کے متعدد سوالات میرے ذہن میں چکرا رہے تھے یہ تسلسل اس وقت لوٹا جب فلزا کمرے میں آئی۔ وہ سگریٹ کا ایک کارٹن لے کر آئی تھی۔ اور سگریٹ کا برانڈ 555 تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ سگریٹ ان جزائر پر تو ہرگز تیار نہیں ہوتی ہوگی

فلزا نے سگریٹ کا کارٹن میری طرف بڑھایا تو میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور مسکراتا ہوا بولا۔ ''تم اس وقت بہت اچھی لگ رہی ہو فلزا۔''

فلزا کے چہرے پر شہابی رنگ دوڑ گیا۔ دوسرے ہی لمحہ میں اسے اپنی آغوش میں لے چکا تھا۔ میرے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر جم گئے۔ ایک طویل اور شیریں بوسے کے بعد میں نے اسے بہ آہستگی خود سے جدا کیا اور آہستہ سے بولا۔ ''اس وقت بس اتنا ہی کافی ہے جاؤ۔!''

فلزا کی سانسیں تیزی سے چلنے لگیں تھی۔ اس نے بڑی عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں صاف صاف کہہ

رہی تھیں کہ اسے قناعت کا یہ انداز بالکل نہ بھایا تھا۔ پھر وہ مڑی اور تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

میں نے سگریٹ جلائی اور بڑے محتاط انداز میں ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ طویل وقفے کے بعد تمبا کو نوشی نصیب ہوئی تھی اس لیے اگر میں ایک بھی گہرا کش لے لیتا تو چودہ طبق روشن ہو جاتے۔ ہلکے ہلکے کش بڑی فرحت پہنچا گئے اور میں آنکھیں بند کر کے اس صورتحال پر غور کرنے لگا جو مجھے درپیش تھی۔ میں جلد از جلد کلدیپ کور سے ملنا چاہتا تھا لیکن دیوی رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔ اس نے کلدیپ کور کی نفرت کا جو قصہ بیان کیا تھا اس پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن ایسی کوئی صورت بھی نظر نہیں آرہی تھی کہ حقیقت کا سراغ لگ سکتا۔ کلدیپ سے ملے بغیر بات واضح نہیں ہوسکتی تھی اور اس سے ملنا ایک مسئلہ بن چکا تھا۔ مجھے تو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ محل کے کس حصے میں ہوگی۔

کلدیپ کے بارے میں سوچتے سوچتے میری ذہنی رو کسی طرح اس اجنبی کیطرف بھٹک گئی جس نے گزشتہ شام مجھے ایک پیغام دیا تھا۔ اس پیغام کی روشنی میں مجھے گزشتہ رات کچھ اقدامات کرنے تھے۔ لیکن بے ہوشی کے باعث وہ سب کچھ نہیں ہوسکا تھا۔ اب مجھے سوچنا یہ تھا کہ آج رات ان باتوں پر عمل کروں یا نہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ نا معلوم شخص آج رات بھی میرا انتظار کرے گا؟

اچانک میرے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ اگر آج بھی میں محل سے نکل کر اِدھر اُدھر گشت کرتا پھروں تو عین ممکن ہے کہ وہ اجنبی ایک بار پھر مجھ سے رابطہ قائم کرے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ آج شام کو محل سے ضرور نکلوں گا دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد میں بستر پر لیٹ گیا تا کہ جسم کو کچھ دیر تک آرام پہنچا سکوں۔ مگر ذہن کو آرام پہنچانا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ ان حالات میں ممکن ہی نہیں تھا کہ میں خالی الذہن رہ سکتا۔ خیالات ایک تسلسل سے یلغار کرتے رہے۔ میرے ذہن میں سب سے زیادہ خلش اس سوال نے پیدا کر رکھی تھی کہ اس حملے کا کیا ہوا جو کالدہپی حکومت دیبال پر کرنے والی تھی؟ کیا دیوی کی توقع کے مطابق کالدہپی حکومت نے حملے کا ارادہ ترک یا ملتوی کر دیا ہوگا۔؟

میں اس قسم کے سوالوں کے جوابات کے سلسلے میں قیاس کے گھوڑے بھی نہیں دوڑا سکتا تھا۔ اس لیے بس الجھتا ہی رہا۔

تیسرے پہر کو میں محل سے نکل کر یونہی ایک طرف چل پڑا۔ مجھے یقین تھا کہ میرا تعاقب کیا جائے گا اور میں نے کچھ ہی دیر میں اپنے اس خیال کی تصدیق بھی کر لی۔ تعاقب کرنیوالا وہی کل والا آدمی تھا۔ میں اس کی طرف سے لاپرواہ ہو گیا۔

ایک عمارت سے موسیقی کی آواز سنائی دی۔ میں اس میں داخل ہو گیا جزیرے پر اس قسم کی تفریح گاہیں غالباً کثیر تعداد میں تھیں ممکن ہے جزیرے کے باشندوں کی واحد تفریح اسی قسم کی تفریح گاہیں ہوں۔

ایک رقاصہ، دف ہاتھ میں لیے سارے ہال میں تھرکتی پھر رہی تھی اور تخت پر بیٹھے ہوئے لوگ نشہ آور مشروب سے شغل کرتے ہوئے رقص دیکھنے کے ساتھ ساتھ آپس میں باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔

آج میں مقامی باشندوں میں گھلنا ملنا چاہتا تھا اس لیے مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ایک بھی تخت خالی نہیں تھا۔ اب گویا مجبوراً مجھے کسی ایسے ہی تخت پر بیٹھنا تھا جس پر پہلے سے کچھ لوگ موجود ہوتے لیکن میں نے زیادہ بھیڑ بھاڑ سے الگ رہنا ہی مناسب سمجھا میں ایک

ایسے تخت کے قریب پہنچا جس پر صرف ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا وہ میری طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''کیوں اجنبی! کیا تم میرے ہم جلیس بننا چاہتے ہو؟''

''اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''آؤ آؤ...... بیٹھو!'' وہ داہنے ہاتھ سے تخت کو تھپتھپاتا ہوا بولا۔ ''کیا تم گوگلان پیو گے؟'' اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا وہ زور سے ہنس پڑا۔ ''میں بھی کتنا احمق ہوں۔ مجھے یہ سوال کرنا ہی نہیں چاہیے تھا اگر تمہیں گوگلان پینے کی خواہش نہ ہوتی تو تم یہاں آتے ہی کیوں؟''

گوگلان غالباً اسی مشروب کا نام تھا جو وہاں بیٹھے ہوئے لوگ پی رہے تھے اور میرے ''جبری میزبان'' کے سامنے بھی پیالہ موجود تھا۔ ممکن ہے وہ کافی دیر سے پی رہا ہو کیونکہ اس کی آنکھیں سرخ اور لہجے میں لکنت تھی۔ وہ خاصے نشے میں تھا۔

جب میں تخت پر بیٹھ گیا تو میرے میزبان نے خادم کو بلا کر اس سے کہا۔ ''لاؤ...... پیالا لاؤ...... کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ میرا مہمان آیا ہے۔'' خادم سر ہلا کر چلا گیا۔ میرے میزبان نے پیالہ اُٹھا کر ایک لمبا گھونٹ لیا اور پھر جھومتا ہوا بولا۔ ''آج کی گوگلان میں کسی کنواری کی سی مستی ہے۔ تم بھی پی کر جھوم اُٹھو گے۔''

''میں نے پہلے کبھی گوگلان نہیں پی۔''

''ارے!'' میرے میزبان نے ایسی حیرت ظاہر کی جیسے مجھ سے کوئی گناہِ کبیرہ سرزد ہو گیا ہو۔

''دراصل۔'' میں نے کھنکار کر کہا۔ ''میرے دوست! میں یہاں اجنبی ہوں۔''

''اجنبی!'' میزبان کی حیرت کچھ اور بڑھ گئی۔

''ہاں۔ میں اس دنیا سے آیا ہوں جو باہر کی دنیا کہلاتی ہے میں دیوی کا مہمان ہوں۔''

''اوہ!'' میزبان جلدی جلدی پلکیں جھپکانے لگا۔

''میں فنِ تعمیر کا ماہر ہوں۔ دیوی نے مجھے اس لیے بلایا ہے کہ میں اس کی رعایا کیلئے یعنی تم لوگوں کے لیے اس جزیرے پر عظیم الشان عمارتوں کی تعمیر کا منصوبہ بناؤں!''

''دیوی عظیم ہے۔'' میزبان کے لہجے میں عقیدت تھی۔ ''وہ اپنی رعایا کے آرام و آسائش کا بیحد خیال رکھتی ہے۔''

خادم گوگلان لے آیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے گفتگو کا سلسلہ رک گیا۔ میں نے یہ باتیں محض اس لیے چھیڑی تھیں کہ جزیرے کے بارے میں معلومات حاصل کرسکوں علاوہ ازیں میں یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ دیوی کے بارے میں مقامی لوگوں کے نظریات کیا ہیں۔

''گوگلان پیو عظیم مہمان!'' وہ بولا۔ ''دیوی عظیم ہے اس لیے اس کے مہمان بھی میرے لیے عظیم ہیں۔''

میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے گوگلان کا پیالا اُٹھالیا۔ پہلا گھونٹ لیتے ہی مجھے اپنے سینے میں شعلوں کی تپش محسوس ہونے لگی۔ اتنی گھٹیا شراب میں نے پہلے کبھی نہیں پی تھی۔ ایک گھونٹ لے کر میں نے پیالہ رکھ دیا۔

''ہماری گوگلان تمہیں کیسی لگی اجنبی!'' وہ بولا۔

''اچھی ہے۔''

میرے منہ سے گوگلان کی تعریف سن کر وہ بے حد خوش ہوا اور بولا۔ ''یہ دراصل تیسرے طبقے کے نسخے کے مطابق بنائی جاتی ہے۔''

''تیسرا طبقہ؟''

''ہاں ہمارے جزیرے پر تین طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ وہ ہے جو حکمرانی کرتا ہے۔ دوسرے طبقے میں ہم لوگ آتے ہیں۔ تیسرا طبقہ فوج ہے جو آج بھی اتنا ہی وحشی ہے جتنا سو سال پہلے تھا۔ ان لوگوں کا رہن سہن اور طور طریق ہم لوگوں سے مختلف ہیں۔''

میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اب ساری بات میری سمجھ میں آچکی تھی۔ میں اب تک اس الجھن سے دوچار رہا تھا کہ ساحل پر میں نے جن لوگوں کو بے ہوشی سے قبل دیکھا تھا وہ قطعی جنگلی معلوم ہوتے تھے اور مجھے علم نہیں ہوسکا تھا کہ وہ کون تھے۔؟

میں نے پیالہ اُٹھا کر گوگلان کا ایک اور گھونٹ لیا۔ کچھ اور آگ اپنے سینے میں سمیٹ لی اور پھر کہا۔ ''میں نے تیسرے طبقے کے لوگوں کو ابتک کہیں نہیں دیکھا۔

''وہ صرف ساحلی علاقے میں رہتے ہیں۔ انہیں اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ دوسرے طبقے کے، یعنی ہماری حدود میں داخل ہوں۔''

''لیکن آج کے زمانے کی جنگ وحشیوں کے جنگ وجدل سے بالکل مختلف ہے۔ کیا وہ وحشی آج کے زمانے کی جنگ لڑ سکتے ہیں؟''

''وہ خود تو نہیں لڑ سکتے مگر انہیں لڑایا جا سکتا ہے۔حکمراں طبقہ ان کی کمان کرتا ہے۔آج کل ان کا کمانداد شیموئل ہے۔تم دیوی کے مہمان ہو تو شیموئل سے ملاقات کر چکے ہو گے!''

''ہاں میں اس سے ملا ہوں۔''

''وہ ایک بہترین کماندار ہے۔''

''میں نے گوگلان کا تیسرا گھونٹ لیا تو مجھے محسوس ہو گیا کہ اگر میں نے گوگلان کا ایک اور پیالہ پی لیا تو مجھے خاصا گہرا نشہ ہو جائے گا لہٰذا بہتر یہی ہے کہ میں احتیاط برتوں۔

اس سے گفتگو کرتے ہوئے میری نظریں اطراف کا جائزہ لیتی رہی تھیں۔میں نے اپنے نگراں کو تو ایک تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا لیکن اس اجنبی کی صورت کہیں نظر آ رہی تھیں۔جس نے گزشتہ روز مجھے ایک عجیب وغریب پیغام دیا تھا۔

کچھ دیر بعد اپنے میزبان سے اجازت لے کر رقص گاہ سے نکل آیا۔اس اجنبی کے نہ ملنے کے باعث میں بیحد مایوس تھا۔تاہم میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ آج رات وہ عمل ضرور کروں گا جس کی ہدایت مجھے اس پیغام میں ملی تھی۔

میں جب محل پہنچا تو دن کی روشنی رات کے اندھیرے میں تحلیل ہو رہی تھی۔فلزا نے فوراً میرے کمرے میں آ کر پوچھا مجھے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟

''مجھے آج رات تمہاری ہی ضرورت پڑے گی جانِ من!''میں نے بڑی بیباکی سے کہا۔شاید یہ گوگلان کا اثر تھا۔

فلزا کی پلکیں جھک گئیں۔وہ پشیمن کی طرح پرجوش اور بیباک نہیں تھی۔

''ویسے۔''میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔''تھوڑی دیر بعد تم کھانا تو پہنچا ہی دینا۔حسن وعشق کے رنگین لمحات تو رات کے قلب میں ہی خوشگوار محسوس ہوتے ہیں۔''

فلزا شاید ہمت کر کے تھوڑا سا مسکرائی اور چلی گئی۔

میں نے گوگلان کا ایک ہی پیالہ پیا تھا مگر یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں تین چار پیگ پی گیا ہوں گدرائے ہوئے شباب کی خواہش میرے دل میں بڑی شدت سے پیدا ہو رہی تھی۔فلزا جیسی معمولی لڑکی میں بھی مجھے غیر ارضی سندرتا محسوس ہونے لگی تھی۔جب وہ میرے لیے کھانا لے کر آئی تو میں نے اسے واپس نہیں جانے دیا۔

''دروازہ اندر سے بند کر لو!''میں نے اس سے کہا۔

جب وہ میری حکم کی تعمیل کر چکی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا اور بولا۔''کھانا ہم دونوں ساتھ ہی کھائیں گے۔لیکن تھوڑی دیر بعد۔''

وہ میرے لہجے کی معنی خیزی کو محسوس کر کے زیرِ لب مسکرائی۔اب آہستہ آہستہ اس کی جھجک ختم ہوتی جا رہی تھی۔میرے اشارے پر

وہ ٹانگیں اوپر کر کے بیٹھ گئی۔ اس وقت میری نظریں اس کے پیروں پڑیں اور میں دل ہی دل میں اس کی خوبصورتی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکا اتنے خوبصورت پیر میں نے بہت کم دیکھے تھے۔ انگلیاں بے حد متناسب اور ٹخنے اتنے گول تھے کہ انہیں دیکھ کر دل میں گدگدی ہونے لگے۔ میں نے بڑے پیار سے اس کا ایک پیر اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اور اس کے تلوے کو آہستہ آہستہ سہلانے لگا۔ فلزا نے ایک سسکی سی لی اور اس کی آنکھیں سرخ ہوتی چلیں گئیں۔ میں ماضی کے تجربات کی روشنی میں بڑے ماہرانہ انداز سے اس کے جذبات کو اس حد تک بھڑ کا دینا چاہتا تھا کہ وہ آتش فشاں کے دہانے سے لپکتے ہوئے شعلوں کی مثال بن جائیں۔

گوگلان میرے سینے میں چیخ رہی تھی۔

حسن!......حسن!

شباب......!شباب!

اور پھر میں اس پکار پر لبیک کہتا چلا گیا۔ فلزا کا بدن اب لو دینے لگا تھا اور میرے جسم میں دہکتے ہوئے الاؤ کی گرمی بھر گئی تھی۔

مثبت اور منفی قوتیں آپس میں ٹکرا کر بالآخر فنا کے گھاٹ اتر گئیں۔ میرے جسم کے الاؤ میں ٹھنڈک پڑ گئی اور فلزا کا بدن برف کی سل بن کر رہ گیا۔

کچھ وقت بے کیفی اور اضمحلال میں گزرا۔

کچھ لمحے اس کیفیت کے گزرنے میں لگے۔

پھر میں اور فلزا کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ اب فلزا قطعی بے جھجک نظر آرہی تھی۔ حجابات کے تمام پردے اُٹھ جانے کے بعد اب جھجک کا سوال ہی کہاں رہا تھا۔ وہ اب بڑی قاتل نظروں سے میری طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی اس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس رات کو یوں ہی گزار دینا چاہتی ہے۔ لذت و سرشاری کی تمام منزلوں کو اس رات کے ایک ایک لمحے پر ثبت کر دینا چاہتی ہے۔

لیکن اب میرے ذہن سے گوگلان کا تسلط ختم ہو چکا تھا اور اس ارادے کی کلبلاہٹ پیدا ہو چکی تھی جس پر میں آج رات کو عمل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

آج کی رات بڑی خوبصورت ہے فلزا! میں اپنے منصوبے پر غور کرتے ہوئے اِدھر اُدھر کی باتیں جاری رکھنا چاہتا تھا۔

''ہاں ...... بہت خوبصورت!'' فلزا نے مخمور لہجے میں کہا۔ ''جب ساتھی خوبصورت ہو تو ہر شے خوبصورت نظر آنے لگتی ہے۔''

میں مسکرا دیا۔ اپالو کی شخصیت اپنی تمام تر سحر کاریوں کے ساتھ فلزا کے وجود پر مسلط ہو چکی تھی۔

کھانا کھا چکنے کے بعد ہم دونوں قریب قریب بیٹھے خوش فعلیاں سی کرتے رہے۔ میرا مقصد محض وقت گزاری تھا لیکن ایک گھنٹے بعد ہی فلزا کی حرکات و سکنات سے ایک بار پھر خود سپردگی جھانکنے لگی اور اس نے آگے بڑھ کر کچھ ایسے وار کیے کہ میں بھی مغلوب ہو گیا۔

ایک بار پھر اس رات کے لمحات میں تنفس کی گرم بازاری ہوئی اور ایک پر شباب جسم نے حشر برپا کیا۔ آخر وہ لمحے بھی گزر گئے جو

چند لمحات کے لیے حاصل زندگی محسوس ہونے لگتے ہیں۔

اب آدھی رات تھی۔

منصوبے پر عمل درآمد کا وقت آ چکا تھا۔

کچھ دیر پہلے تک میرے ذہن میں یہ الجھن رہی تھی کہ اگر میں نے فلزا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے محل کے چور دروازے تک چلنے کا حکم دیا تو میری آواز وہ دیواریں بھی سن لیں گی جو شاید یہ کان رکھتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ دیوی کو میری اور پشمین کو گفتگو کا علم ہو چکا تھا۔ اب اگر وہ محل سے میرے نکلنے کے ارادے سے بھی باخبر ہو جاتی تو میرا نکلنا محال ہو جاتا۔

لیکن اب میرے ذہن سے یہ الجھن دور ہو چکی تھی۔ میں نے اس کا حل ڈھونڈ لیا تھا۔ مجھے بس اپنے ذہن کی قوت سے کام لینے کی ضرورت تھی جس طرح میں دوسروں کے ذہن سے ان کے خیالات پڑھ لیتا تھا۔ اسی طرح مجھے اس بات پر بھی قدرت حاصل تھی کہ اپنے خیالات کو دوسروں کے ذہن تک پہنچا دوں۔ اس کا تجربہ میں بحری سفر کے دوران بھی کر چکا ہوں۔ سشما کے باپ پاتھا نے میرے ذہنی احکامات کی تعمیل کی تھی۔ اب میں اپنی اس قوت کو فلزا پر بھی آزمانا چاہتا تھا۔

''آنکھیں کھولا فلزا!'' میں نے سرگوشی کی۔

فلزا اس وقت میرے بازو پر سر رکھے آنکھیں بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔ میری آواز پر اس نے آنکھیں کھول دیں اور اپنی بہکتی ہوئی نگاہیں میرے چہرے پر ڈال دیں۔ ہماری نظریں چار ہوئیں۔ میں اس طرح مسکرا دیا جیسے میرا مقصد ہی یہ رہا ہو کہ وہ میری آواز پر آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھے۔ لیکن میرا مقصد تو کچھ اور ہی تھا۔ جیسے ہی نظریں چار ہوئیں' میں مکمل ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس کے ذہن کو چھونے کی کوشش کرنے لگا۔ ساتھ ہی میں نے ذہنی طور پر احکامات بھی جاری کر دیے۔

''فلزا! تم کو میرے احکامات کی تعمیل کرنا ہوگی۔ تمہیں وہ سب کچھ حرف بہ حرف ماننا ہوگا جو میں تم سے کہوں گا۔ فلزا اس وقت تم میری محکوم ہو۔ تم میری ایک ایک بات مانو گی لیکن زبان سے ایک لفظ نہیں بولو گی۔ سمجھ رہی ہو فلزا...... تم بالکل خاموش رہو گی۔'' میں اپنے احکامات کو مختلف الفاظ میں بار بار دہرا رہا تھا۔

فلزا کے چہرے کی رنگت بدل چکی تھی۔ اب یہ کہنا مشکل ہوتا کہ وہ چند ہی لمحے قبل رنگ و نکہت کی فضا میں تیرتی رہی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اسکے ذہن نے میرے ذہنی احکامات نہ صرف سمجھ لیے تھے بلکہ وہ ان کی تعمیل کرنے پر بھی آمادہ تھی۔ میں نے اُسے ذہنی حکم دیا۔

''اب تم مجھے محل کے چور دروازے تک لے چلو میں یہاں سے فرار ہونا چاہتا ہوں۔ مجھے اس دروازے سے باہر نکال کر تم واپس چلی آنا اور خاموشی سے اپنے کمرے میں جا کر سو جانا۔ کسی سے بھی اس کا تذکرہ ہرگز نہ کرنا پھر صبح جب تم اُٹھنا تو اس واقعے کو اپنے ذہن سے جھٹک دینا جیسے تمہیں کچھ معلوم ہی نہ ہو۔ سمجھیں؟''

فلزا کے ہونٹوں کو خفیف سی جنبش ہوئی تھی کہ میں نے اسے جلدی سے ذہنی حکم دیا۔ ''خاموش رہو۔ زبان ہلانے کی ضرورت

نہیں۔ جو کچھ جواب دینا ہے اسے صرف سوچ لو!''

فلزا کے ہونٹ پھر آپس میں پیوست ہو گئے۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ ہر قسم کے جذبات سے عاری!...... لیکن اس کا ذہن مجھے بتا چکا تھا کہ وہ میرے احکامات کو اچھی طرح سمجھ چکی ہے اور ان کی تعمیل کرے گی۔

''اچھا تو اب اُٹھ جاؤ۔'' میرے ذہن نے اس سے کہا۔

وہ اُٹھ بیٹھی۔

اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں اس سے پوچھ بیٹھا۔ ''کلدیپ کور کہاں ہے؟''

''کون کلدیپ کور؟'' فلزا نے سوچا

''وہی عورت جسے میرے ساتھ اس محل میں لایا گیا تھا۔''

''میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ اس بات نے مجھے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا کہ کلدیپ کور تک پہنچنا میرے لیے امر محال بن گیا تھا۔ اگر میں خود اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتا تو مجھے ناکامی ہی ہوتی ہیں محل کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر رہ جاتا یہی سب کچھ سوچ کر مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا تھا کہ فی الحال میں محل سے نکل کر اس شخص تک پہنچنے کی کوشش کروں جس کا پیغام بڑے پراسرار انداز میں مجھ تک پہنچا تھا۔ اس سے ملنے کے بعد مجھے کوئی لائحہ عمل مرتب کرنے میں آسانی ہوتی۔

ممکن تھا کہ میرا وہ نامعلوم ہمدرد اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتا۔

فلزا میرے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مجھے اس کمرے سے نکال کر ایک طرف لے چلی۔ میں نے اسے ذہنی طور پر یہ ہدایت کر دی تھی کہ وہ گربہ قدمی سے چلے تاکہ آواز بالکل نہ ہو۔ میں خود بھی محتاط انداز میں قدم اُٹھا رہا تھا۔

محل میں ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس مکمل سکوت میں مجھے اپنے دل کی دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ مجھے یہ دھڑکہ تو بہرحال ہونا ہی چاہیے تھا کہ مجھے کوئی دیکھ نہ لے۔

لیکن مجھے کوئی خطرہ پیش نہیں آیا۔ فلزا نے مجھے ایک دروازے پر لیجا کر کھڑا کر دیا۔ اس کا ذہن میرے ذہن کو بتا رہا تھا کہ یہی وہ چور دروازہ ہے۔

میں نے خود اپنے ہاتھوں سے بہ آہستگی دروازہ کھولا اور باہر پھیلی ہوئی تاریکی میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

فلزا سپاٹ چہرہ لیے خاموش کھڑی ہوئی تھی۔

آخر میں اس کی طرف مڑا اور ذہنی طور پر بولا: ''اب میں جا رہا ہوں۔ تم بھی اب اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔ اس چور دروازے کو صرف بھیڑ دینا۔ اندر سے بند مت کر لینا۔ شاید میں جلدی ہی واپس لوٹوں۔''

فلزا نے مشینی انداز میں اثبات میں سر ہلا دیا۔

اب میں اس چور دروازے سے باہر نکلا۔ فلزا نے دروازہ بند کر دیا۔ میں سمت کا اندازہ لگانے لگا۔ گھور تاریکی میں مجھے کچھ نظر نہیں آرہا تھا لیکن سمت اندازہ لگانے کے لیے روشنی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آخر میں ایک طرف چل پڑا آہستہ آہستہ میری رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔ میرے جوش میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ شاید یہ میری لاشعوری خواہش تھی کہ اس محل سے نجات حاصل کر لوں۔ یہ سوال میرے ذہن میں مسلسل گردش کر رہا تھا کہ میرا وہ نامعلوم ہمدرد آج رات میرا انتظار کر بھی رہا ہوگا یا نہیں؟...... اگر وہ ذرا بھی عقل مند ہے تو اسے میرا انتظار کرنا ہی چاہیے۔ یہ بات تو سوچی ہی جا سکتی تھی کہ پچھلی رات کو شاید مجھے محل سے نکلنے کا موقع نہ مل سکا ہو۔

میرا خیال تھا کہ اب مجھے کوئی خطرہ پیش نہیں آئے گا لیکن جلد ہی میری یہ خوش فہمی دور ہوگئی۔ مجھے اپنے عقب میں گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ میں چونکا اور مڑ کر دیکھنے لگا۔ اندھیرے میں کئی مشعلیں متحرک نظر آئیں۔ پلک جھپکتے ہی سمجھ میں آ گیا کہ وہ مشعلیں گھوڑ سواروں کے ہاتھ میں تھیں۔ میرا دماغ برق رفتاری سے کام کرنے لگا۔ ظاہر ہے کہ ان گھوڑ سواروں کا تعلق محل ہی سے ہوگا اور وہ اتنی رات گئے مشعلیں لے کر محل سے نکلے تھے تو اس کا مطلب یہی تھا کہ انہیں میری تلاش تھی۔

اُف خدایا اب کیا کروں؟...... میں نے اردگرد نظریں دوڑائیں کچھ فاصلے پر ایک بہت بڑا دھبہ سا نظر آرہا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں اندازہ لگایا کہ وہ خودرو جھاڑیاں ہوں گی۔ چھپنے کے لیے وہ کسی قدر بہتر جگہ ثابت ہو سکتی تھی اور یہ بھی ممکن تھا کہ میرا خیال غلط ثابت ہو جاتا لیکن فی الحال میرے سامنے کوئی اور راستہ بھی نہ تھا۔ اگر میں بھاگنے کی کوشش کرتا تو یقیناً پکڑا جاتا کیونکہ گھوڑوں سے زیادہ تیز رفتاری دکھانا میرے بس کی بات نہیں تھی۔

وقت بڑا نازک ہو چکا تھا۔ منٹ بھر میں وہ گھوڑے اتنے نزدیک آجاتے کہ اندھیرے کے باوجود ان لوگوں کی نظریں مجھ پر پڑ جاتیں۔

میں تیزی سے جھاڑیوں کی طرف دوڑا لیکن اس وقت میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی جب ان جھاڑیوں کی طرف سے بھی ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا میری طرف آیا۔ فوری طور پر میرے ذہن میں جو بات آئی وہ یہ تھی کہ مجھے ہر سمت سے گھیرا گیا ہے۔

کاش اس وقت میرا وہ نامعلوم ہمدرد میری مدد کو آجاتا!

گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا چشم زدن میں میرے سر پر پہنچ گیا۔ میں نے اس سے مڑ کر دوسری طرف نکلنے کی کوشش کی مگر اسی وقت کسی نے مجھے پکارا۔

''ارسلان!'' آواز اسی گھوڑ سوار کی تھی اور لہجہ دوستانہ تھا۔

میں ٹھٹک گیا۔ گھوڑ سوار نے قریب آتے ہی اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ میں نے اس کا اشارہ سمجھ لیا اور اپنا ہاتھ بھی آگے بڑھاتے ہوئے جسم کو تولا۔ ہم دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے سے ملے اور میں اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار کے پیچھے بیٹھ گیا۔ یہ سب کچھ چشم زدن

میں اور بغیر کسی ارادے کے ہوگیا تھا۔ گھوڑا بدستور سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ دوڑتے ہی اس نے اپنا رخ اس طرح تبدیل کیا تھا کہ وہ محل کیطرف سے آنے والے گھوڑسواروں سے نہ جاٹکرائے۔

اب محل کی طرف سے آنے والے گھوڑے ہمارے تعاقب میں تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ میرا اجنبی ہمدرد ان لوگوں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگا یا نہیں؟ ویسے میرے ہمدرد کا گھوڑا بہت جاندار معلوم ہورہا تھا۔ اس کی ٹاپیں زمین سے لگتی نہیں معلوم ہورہی تھی۔ وہ جیسے ہوا میں اڑ رہا تھا۔ میں مڑمڑ کر دیکھتا رہا اور جلد ہی مجھے احساس ہوگیا کہ درمیانی فاصلہ بڑی تیزی سے بڑھتا چلا جارہا ہے۔

میں اپنے پراسرار ہمدرد کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھا لیکن صورتِ حال ایسی تھی کہ اس سے گفتگو کرنا محال تھا۔ میں نے اپنے ذہن کی پراسرار قوت سے کام لے کر اجنبی کے ذہن کے چھونے کی کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ مجھے جو جھٹکے لگ رہے تھے۔ اس کی وجہ سے ذہنی یکسوئی میسر نہیں تھی۔

غالباً آدھے گھنٹے بعد مجھے محسوس ہوا کہ تعاقب میں آنے والے گھوڑوں کی ٹاپیں بہت پیچھے سناٹے میں مدغم ہوتی جارہی ہیں۔ پانچ منٹ اور گزرے اور پھر ٹاپوں کی آوازیں بالکل ہی بند ہوگئیں۔ میں نے اپنے اجنبی ہمدرد کو ہنستے ہوئے سنا۔

''اب وہ ہماری دھول بھی نہیں پاسکیں گے۔'' اجنبی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''وہ خط مجھے تم نے ہی لکھا تھا۔؟''میں نے سوال کیا۔

''ہاں......لیکن کل رات تمہارے نہ آنے سے مجھے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔''

''کل رات ایک ایسا واقعہ پیش آگیا تھا کہ محل سے نکلنا میرے اختیار میں نہیں رہا تھا۔''

''یہی سوچ کر تو میں آج رات بھی تمہارا انتظر رہا تھا۔''

''مجھے حیرت ہے کہ اس جزیرے پر میرے ہمدرد بھی موجود ہیں۔''

اجنبی دھیرے سے ہنس کر رہ گیا۔اب اس نے گھوڑے کا رخ بھی کچھ بدل دیا تھا۔اس ویرانے کے پیچ وخم شاید اس گھوڑے کے جانے پہچانے ہوئے تھے ورنہ اس بلا کی تاریکی میں اتنی تیز رفتاری ناممکن ہوتی۔

میں اپنے اجنبی ہمدرد کے بارے میں سوچتا رہا۔آواز سے وہ پینتیس سال سے زیادہ کا نہیں معلوم ہوتا تھا۔اس کے اندازِ گفتگو میں خاصی جرأت و بیباکی تھی۔عین ممکن تھا کہ وہ میرے ماضی کے بارے میں سب کچھ جانتا ہو۔مجھے وہ وقت اب بہت قریب معلوم ہو رہا تھا۔جب مجھے اپنے بارے میں سب کچھ معلوم ہو جاتا۔یہ بات تو تقریباً صاف ہو چکی تھی کہ میرا تعلق انہی جزائر سے ہے جو کالدیپ کہلاتے ہیں۔یہاں بولی جانے والی زبان میں اچھی طرح جانتا تھا اور بوڑھا کیشپ بھی انہی جزائر سے تعلق رکھتا تھا۔دیوی کے ذہن کو پڑھ کر میں نے یہ بات بھی معلوم کر لی تھی کہ مجھے یرغمال کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔کالدیب کا حکمران جزیرۂ دیبال پر حملہ کرنے والا تھا اور اس حملے کو روکنے کے لیے دیوی نے کالدیپی حکمران کو یہ دھمکی دی تھی اگر حملہ ہوا تو وہ مجھے مار ڈالے گی۔

اس دھمکی کا کارگر ہونا اس بات پر دال تھا کہ میرا وجود کالدیپی حکمراں کے لیے کچھ اہمیت رکھتا ہے۔اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید اب تک جزیرہ دیبال پر حملہ ہو چکا ہوتا۔

اچانک میں نے گھوڑے کی رفتار میں کمی ہوتی محسوس کی تو میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔گھوڑے کی رفتار میں کمی ہوتی ہی چلی گئی۔گھوڑے کی ٹاپیں اب کسی سنگلاخ زمین پر گونج پیدا کر رہی تھیں۔کچھ دیر بعد گھوڑا ایک جگہ رک گیا وہ اپنی اگلی دونوں ٹانگیں اوپر کر کے زور سے ہنہنایا اور پھر اس کی دونوں ٹانگوں نے بیک وقت سنگلاخ زمین سے ٹکرا کر خاصی زوردار آواز پیدا کی۔

میں اچھل کر گھوڑے سے اتر گیا لیکن میرا ہمدرد بدستور گھوڑے کی پیٹھ پر رہا میں اندھیرے کی وجہ سے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لینے سے قاصر تھا لیکن وہ پہاڑی بہر حال دکھائی دے رہی تھی جس کے دامن میں گھوڑا رکا تھا۔

میں وہ روشنی دیکھ کر اچھل پڑا جو اس پہاڑی کا سینہ پھاڑ کر باہر نکل رہی تھی بات جلد ہی میری سمجھ میں آگئی۔دراصل وہ ایک غار تھا اور ایک لڑکی مشعل اٹھائے اس غار سے نکل رہی تھی۔

''میرے دوست!''گھوڑ سوار نے مجھ سے کہا:''تم اس غار میں اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھو۔!میں کچھ دیر کیلئے تم سے اجازت چاہوں گا۔''

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، میرے ہمدرد اجنبی نے گھوڑے کو موڑ کر ایڑ لگا دی۔

وہ لڑکی مشعل لیے ہوئے اب میرے قریب آچکی تھی۔

''آیئے!'' وہ سریلی آواز میں بولی۔ اس نے اس طرف اشارہ بھی کیا تھا جدھر سے آئی تھی۔

میرے قدم اس طرف اٹھ گئے۔ میں جسے غار کا دہانہ سمجھا تھا وہ ایک سرنگ تھی البتہ اس سرنگ کا اختتام ایک غار ہی میں ہوا تھا وہ جگہ خاصی کشادہ تھی اور وہاں ضروریات زندگی کی خاصی چیزیں بھی موجود تھیں۔ پیال کے دو بستر، چولہا، برتن اور خورد ونوش کا سامان!......

میں نے وہ سب کچھ بڑی حیرت سے دیکھا ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ لوگ کئی روز سے اس غار میں موجود ہوں۔

لڑکی نے مشعل ایک غار میں لگا دی اور پھر میری طرف رخ کرتی ہوئی بولی۔ ''اگر آپ نے رات کا کھانا نہ کھایا ہو تو......''

''کھا چکا ہوں۔'' میں اس کی بات کاٹتا ہوا بولا۔

وہ لڑکی سولہ سترہ سال سے زیادہ کی نہیں تھی۔ اس کے جسم پر کسا ہوا لباس تھا اور اس لباس میں وہ خاصی قیامت خیز معلوم ہو رہی تھی میرے جسم میں سرسراہٹیں سی ہوئیں اور میرے تصور میں وہ پراسرار نسوانی چہرہ ابھر آیا جو میری جمالیاتی حس کو تیز کر دیتا تھا۔ اس چہرے میں کچھ عجیب سی بات تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس چہرے پر ''اکساہٹیں'' مچل رہی ہوں۔ اسے دیکھ کر میرے جذبات برانگیختہ ہو جاتے تھے اور میں سامنے نظر آنے والی صنف نازک کو دبوچ لینے کے لیے مضطرب ہو جاتا تھا۔

اپنی یادداشت کھونے کے بعد سے اب تک صرف دو چہرے میرے تصور میں ابھرتے رہے تھے ان میں سے ایک چہرہ بوڑھے کیشپ کا تھا جو جیتی جاگتی حالت بھی میرے سامنے آچکا تھا اور جس کے بارے میں مجھے بہت سی باتیں بھی معلوم ہو چکی تھیں لیکن اس کے چہرے کے بارے میں مجھے اب تک کچھ نہیں معلوم تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ چہرہ میرے ماضی کے کس خانے میں فٹ ہوگا؟

غار میں اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے جب وہ نسوانی چہرہ میرے تصور میں ابھرا تو میرے جذبات میں ہلچل مچ گئی لیکن موجودہ حالات ایسے نہیں تھے کہ میں اپنے سرکش جذبات کو کھلی چھٹی دے دیتا۔ میں نے خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی اور جب میں بولا تو میری آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''تمہارا نام کیا ہے لڑکی؟''

''زرشانہ۔'' اس نے جواب دیا۔

''تم جزیرہ دیبال کی رہنے والی ہو؟''

''میں کالدیپ کی رہنے والی ہوں اور دیبال بھی کالدیب ہی ایک حصہ ہے۔''

میں نے اپنے سر کو ایک خفیف سی جنبش دی اور پھر بولا: ''میں جس آدمی کے ساتھ یہاں آیا ہوں' اس کا نام کیا ہے۔؟''

''احمر۔'' زرشانہ نے بتایا اور پھر بولی۔ ''آپ بیٹھ جایئے نا!''

میں پیال کے بستر پر بیٹھ گیا۔ میری نظریں اب مشعل پر جمی ہوئی تھیں۔

دراصل میں زرشانہ کے سڈول جسم کی طرف نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی یہی ایک صورت تھی۔

''کیا آپ کچھ پینا بھی پسند نہیں کریں گے؟'' زرشانہ قدرے توقف سے بولی۔

''آں...... ہاں......'' میں نے چونک کر کہا: ''اگر پانی ہو تو پلا دو۔''

مجھے اپنا حلق خشک محسوس ہو رہا تھا۔ خدا جانے یہ جذبات کی گرمی تھی یا اس سفر کا نتیجہ جو میں نے گھوڑے کی پیٹھ پر کیا تھا۔

زرشانہ ایک کٹورے میں پانی لے کر میرے پاس آئی۔ میں نے نظریں جھکائے جھکائے کٹورا اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ پانی پی کر جب میں کٹورا واپس کرنے لگا تو میری انگلیاں، زرشانہ کی انگلیوں سے مس ہو گئیں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے جسم میں برقی رو دوڑ گئی ہو بے اختیار میرا بایاں ہاتھ اُٹھا اور میں نے زرشانہ کا ہاتھ تھام لیا۔

''یہاں بیٹھو!...... میرے قریب...... مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔'' میری آواز بھرائی ہوئی تھی۔

زرشانہ کے انداز میں ہچکچاہٹ تو تھی لیکن اس نے میرے قریب بیٹھنے سے اجتناب نہیں برتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ میرے حکم کی تعمیل پر مجبور ہو۔

جب وہ بیٹھ گئی تو میرا ہاتھ اس کے شانے پر پہنچ گیا۔

''تم بہت خوبصورت ہو زرشانہ!'' میرے منہ سے نکلا۔

وہ غار کے دہانے پر کھڑی ہوئی تھی، میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ اس کا چہرہ میں ان گنت بار اپنے تصور میں دیکھ چکا تھا۔ ہاں وہ وہی تھی جس کا چہرہ میری جمالیاتی حس کو تیز کر دیا کرتا تھا۔ وہی خوبصورت نسوانی چہرہ جو میں ابھی ذرا دیر پہلے بھی اپنے تصور میں دیکھ چکا تھا۔

وہ بے حس و حرکت کھڑی میری طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے خوبصورت سلگتے ہوئے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ مچل رہی تھی۔ بڑے عجیب سے تاثرات تھے اس کے چہرے پر! یوں معلوم ہوتا تھا جیسے مجھے دیکھ کر وہ خوش بھی ہوئی اور مغموم بھی۔!

میں نے محسوس کیا کہ زرشانہ اب بڑے مؤدب انداز میں کھڑی ہوئی تھی ''زرشانہ! تم جاؤ!'' ایک کھنکتی ہوئی آواز غار میں گونجی۔

زرشانہ نے سرِ تسلیم خم کیا اور جلدی جلدی قدم اُٹھاتی ہوئی غار سے نکل گ ء۔

''ارسلان!'' اس کی آواز میں مسرت آمیز کپکپاہٹ تھی۔

میں ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی پکار پر مجھے کس طرح لبیک کہنا چاہیے۔؟

میں ابھی اسی ادھیڑ پن میں مبتلا تھا کہ وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر بیتابانہ میری طرف بڑھی جیسے ہی وہ میرے قریب آئی، میں نے غیر ارادی طور پر اپنی آغوش اس کے لیے وا کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ''ارسلان'' کہہ کر مجھ سے لپٹ گئی غیر ارادی طور پر میں نے بھی اسے بھینچ لیا۔ اس کے جسمانی گداز نے مجھے تڑپا دیا تھا جذباتی ہیجان میرے جسم میں سنسناہٹ پھیل گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں یہ سوال بھی چکرانے لگا تھا کہ یہ دوشیزۂ افلاک کون ہے؟ وہ اتنی خوبصورت تھی کہ میں اسے دوشیزۂ افلاک کہہ سکتا تھا لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ ماضی میں اس سے میرا کیا تعلق رہا ہوگا۔

وہ میرے سینے میں منہ چھپائے ہوئے تھی۔ جب اس نے سر اُٹھا کر میری طرف دیکھا تو مجھے اس کی غزالی آنکھوں میں آنسو تیرتے ہوئے نظر آئے۔

''ارسلان!'' اس کے ہونٹوں میں لرزش تھی۔ ''کیا تم مجھے بھی نہیں پہچانو گے۔؟'' میں نے اب تک تمہارے چہرے پر شناسائی کی کوئی جھلک نہیں دیکھی۔''

میرے ذہن میں بھونچال سا آ گیا۔ میں اس کے بارے میں یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن شاید یہ میرے بس کی بات ہی نہیں تھی۔ مجھ سے بس اتنا ہی ہو سکا کہ میں نے اپنے خشک ہونٹ اس کے بھیگے ہوئے ہونٹوں پر رکھ دیے مجھ یوں معلوم ہوا جیسے ان ہونٹوں کا گداز میرے ہونٹوں کے لیے اجنبی نہ ہو۔ ہونٹوں کے اس اتصال نے جذبات میں کچھ اور سرکشی پیدا کر دی۔ میں نے اسے اٹھا کے پیال کے ایک بستر پر ڈال دیا اور......

فاصلے بوڑھے ہو گئے، قربتوں پر جوانی آ گئی اور وصل نے شاد کام کیا۔ اس وصل میں بڑا کیف تھا، بڑی سرشاری تھی لیکن

اجنبیت، ہاں وہ اجنبیت اب بھی قائم تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے' مجھے نہیں معلوم تھا کہ ماضی میں مجھ سے کس حد تک قریب رہی ہے۔

ہم پیال کے بستر پر ایک دوسرے کے پہلو میں لیٹے ہوئے تھے اس کا سر میرے بازو پر تھا اور اس کی زلفیں میرے چہرے پر جھکی ہوئی تھیں۔

''ارسلان! آخر تم کب تک خود کو بھولے رہو گے؟'' وہ بولی۔

''میں سوچتے سوچتے پاگل ہو جاؤں گا۔'' میں نے بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مجھے کچھ یاد نہیں آتا...... کچھ یاد نہیں آتا......تم ہی بتا دو کہ میں کون ہوں......؟''

''میرا نام سروش ہے۔'' وہ بولی۔ ''اب تم یاد کرنے کی کوشش کرو! کیا تم اس نام کے سہارے سے بھی اپنے ماضی کو یاد نہیں کر سکتے۔؟''

سروش! سروش میرے ذہن میں جھنکاری ہونے لگی۔ بوڑھے کیشپ کا منحوس چہرہ میرے تصور میں ابھر آیا۔ دھندلے دھندلے سے سائے ذہن میں گڈمڈ ہونے لگے لیکن واضح طور پر کچھ بھی یاد نہ آسکا۔

''نہیں......کچھ نہیں......کچھ بھی نہیں۔'' میں نے بڑی بے بسی سے کہا۔

سروش نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر کہا۔ ''میں تمہیں سب کچھ بتا سکتی ہوں لیکن بہتر ہے کہ تمہیں خود ہی سب کچھ یاد آ جائے۔ میرے بتانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ میں جو کچھ بتاؤں گی وہ تمہارے لیے محض ایک کہانی ہوگی۔''

''لیکن مجھے وہ سب کچھ کیسے یاد آئے گا؟''

''ماحول اور جانے پہچانے لوگ تمہاری یادداشت کو واپس لے آئیں گے۔ آج ہی رات تم اس ماحول میں پہنچ جاؤ گے جو تمہارے لیے اجنبی نہیں ہوگا۔''

''آج رات کو۔؟''

''ہاں۔'' سروش نے جواب دیا۔ ''ایک چھوٹا سا بحری سفر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔''

''کیا مجھے آج رات یہ جزیرہ چھوڑ دینا ہے؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''ہاں۔''

میرے منہ سے فوری طور پر کچھ نہیں نکل سکا لیکن میں پریشان و مضطرب ہو گیا تھا۔ آخر میں کلدیپ کو کیسے چھوڑ جاتا۔؟ میرے خیال کے مطابق وہ دیوی کے محل میں موجود تھی۔

''فی الحال میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔'' میرے منہ سے نکلا۔

''کیوں۔؟''

دیوی کے محل میں میرا ایک دوست بھی قید ہے۔؟''میں نے دانستہ کلد یپ کور کا نام چھپایا تھا۔

''دوست۔''سروش پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

''ہاں۔!''میں اس سے نظریں چرانے لگا۔

''کلدیپ کور کا نام زبان پر لاتے ہوئے کیوں ڈرتے ہو ارسلان؟''سروش کے لہجے میں درد کی ایک لہر سی تھی۔

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں سب کچھ جانتی ہوں ارسلان۔''وہ بولی''مجھے ایک ایک بات کا علم ہے! دیوی کے محل میں بھی ہمارا ایک آدھ جاسوس موجود ہے۔''

میں پلکیں جھپکاتا ہوا سروش کی طرف دیکھنے لگا۔

''اب تم کلدیب کور کو نہیں پاسکو گے۔''سروش بولی۔

''کیوں؟''میرے لہجے میں اضطراب تھا۔''کیا دیوی نے کلدیپ کور کو اپنے سے کہیں اور منتقل کر دیا ہے۔؟''

''نہیں۔''

''پھر؟''

''کلدیپ کور خود ہی منتقل ہو گئی ہے دیوی نے تمہیں الجھائے رکھنے کے لیے جھوٹ بولا تھا۔ کلدیپ کور تو بارہ گھنٹے بعد ہی دیوی کے محل سے منتقل ہو گئی تھی۔''

''کہاں؟''میرا اضطراب بڑھتا جارہا تھا۔

''دوسری دنیا میں۔''سروش نے آہستہ سے کہا۔

''نہیں......''میں ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا۔

''میں نے زندگی میں تم سے جھوٹ نہیں بولا ارسلان۔''

''لیکن......لیکن......''میں کھڑا ہو گیا۔ جذباتی ہیجان نے مجھے فقرہ مکمل نہیں کرنے دیا۔

سروش بھی اب اُٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

''کیونکہ تمہیں اس سے محبت تھی اس لیے مجھے افسوس ہے کہ اب تم اسے کبھی نہیں پاسکو گے۔''

سروش کا لہجہ ایسا تھا کہ مجھے اس کی باتوں پر یقین آ گیا۔ کلدیپ کور کی موت کی خبر نے مجھے صدمہ پہنچایا تھا۔ میں اضطراب اور غم کی لہروں کو سمیٹے غار میں ٹہلنے لگا، کلدیپ کور ایک ایسی ہی لڑکی تھی۔ جس کی موت پر میرا دل رو پڑا تھا۔

''کیا تم اب بھی دیبال میں رکنا چاہو گے؟'' سروش بولی۔

''ہاں۔'' میں نے غراتے ہوئے کہا۔ ''میں دیوی سے انتقام لوں گا۔''

''کس بات کا انتقام؟'' کلدیپ کور کو دیوی نے تو نہیں مارا۔''

''لیکن اس نے کلدیپ کی موت کو مجھ سے چھپایا تو تھا!'' میں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''میں اس وفا پیشہ لڑکی کی لاش پر دو آنسو بھی نہیں بہا سکا۔''

''کاش تمہیں کسی زندہ لاش پر بھی ایک آدھ آنسو بہانے کا خیال آ سکتا۔'' سروش نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''کیا مطلب؟''

''بہت جلد مطلب بھی سمجھ جاؤ گے۔ فی الحال ہمیں یہاں سے روانہ ہونا ہے! احمر آ چکا ہے۔''

غار کے باہر سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی تھی اور پھر گھوڑے کی دونوں ٹاپیں خاصی آواز کے ساتھ چٹان سے ٹکرائیں۔

سروش کھڑی ہو گئی۔ ''آؤ۔''

''لیکن......''

''اب مان بھی جاؤ ارسلان!'' اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''آخر تم مجھے کب تک پریشان کرتے رہو گے۔''

''لیکن سروش......'' میں کہتے کہتے رک گیا۔ کیونکہ قدموں کی آہٹ بالکل قریب آ چکی تھی۔ میں نے ایک جوان العمر شخص کو غار میں داخل ہوتے دیکھا۔

''تیاریاں مکمل ہیں خانم!'' وہ بولا۔ اس کی آواز سے میں نے اسے پہچان لیا۔ ہاں' وہ وہی تھا جو مجھے اپنے گھوڑے پر بٹھا کر یہاں لایا تھا۔

''ٹھیک ہے ہم چل رہے ہیں۔ آؤ ارسلان!'' سروش بولی۔

میں بڑی بے بسی کے سے انداز میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ میرا ہاتھ بدستور اس کے ہاتھ میں تھا۔

غار کے باہر کئی گھوڑے موجود تھے۔ مجھ سمیت چھ افراد کا قافلہ وہاں سے روانہ ہوا۔ میرے اور سروش کے گھوڑے آگے آگے تھے۔ ہماری رفتار میں بہت زیادہ تیزی نہیں تھی لیکن ہمیں سست رفتار بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

''احمر!'' سروش نے بلند آواز میں پکارا۔

احمر کا گھوڑا پیچھے تھا۔ اس نے اپنی رفتار بڑھائی اور سروش کے بائیں ہاتھ پر آ گیا۔ میں اس کی دائیں طرف تھا۔

''جی خانم!'' احمر بولا۔

''صورت حال کیا ہے؟'' سروش نے اس سے پوچھا۔

''اطمینان بخش!'' احمر نے جواب دیا۔ ''شیموئل کے آدمی مشرقی سمندر میں ایک لانچ کا تعاقب کر رہے ہیں۔ مغربی سمندر کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہے لہٰذا ہم بڑے اطمینان سے نکل جائیں گے۔''

''خوب تو گویا تمہاری تدبیر کارگر رہی!''

''اگر مجھے اس کی کارکردگی پر یقین نہ ہوتا تو میں کوئی دوسری تدبیر کرتا۔'' اس کے بعد ان دونوں میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی اور گھوڑے دوڑتے رہے۔ ادھر میرا دماغ ان حالات کی کڑیوں کی ملانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ اس بات میں شک وشبے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ سروش اور احمر کا تعلق کالدیپ حکومت سے تھا اور یہ لوگ صرف اس لیے جزیرۂ دیبال پر آئے تھے کہ مجھے یہاں سے نکال لے جائیں۔ اب چونکہ میں دیوی کے چنگل سے نکل چکا تھا۔ لہٰذا اب کالدیپ حکمراں کو دیبال پر حملہ کرنے میں کوئی تکلف نہ ہوتا۔

یہ سب کچھ تو میں نے سمجھ لیا لیکن اس کا اندازہ ابھی نہیں لگا سکا کہ میں کالدیپ کی حکومت سے کیا تعلق رکھتا ہوں اور وہاں کے حکمراں کو میری زندگی اتنی عزیز کیوں ہے کہ وہ دیبال پر حملہ کرتے ہوئے ہچکچا گیا۔

میرا ماضی اب بھی تاریکی میں تھا اور سروش جو میرے بارے میں سب کچھ جانتی تھی' کچھ بتانے پر آمادہ نہیں ہوئی تھی۔ ویسے اس کا یہ کہنا ٹھیک ہی تھا کہ وہ جو کچھ بتائے گی اس کی حیثیت میرے لیے ایک کہانی کی سی ہوگی' لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مجھے خود ہی سب کچھ یاد آ جائے۔

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ کلدیپ کور کی یاد بھی میرے ذہن میں چکراتی رہی۔ اس لڑکی نے مجھے اتنا ہی متاثر کیا تھا۔ کہ میں اسے آسانی سے نہیں بھول سکتا تھا۔

جب گھوڑوں کی رفتار میں کمی آئی تو میرے خیالات کا تار ٹوٹا۔

''اب ہمارا بحری سفر شروع ہوگا۔'' سروش نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ذرا دیر بعد ہی سب گھوڑے ساحل پر جا رکے یہاں ایک بہت بڑی لانچ موجود تھی۔ آدمیوں کے ساتھ ہی ساتھ گھوڑے بھی اس لانچ میں منتقل ہوگئے اور پھر ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر لانچ حرکت میں آگئی۔

رات کا تیسرا پہر ڈھل رہا تھا اور ہوا میں خشکی بڑھ گئی تھی۔

میں اور سروش آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے قریب کوئی اور نہیں تھا۔ اس چھوٹے سے کیبن میں آرام و آسائش کی ہر چیز موجود تھی ہیٹر کے ذریعہ کیبن کی فضا کو گرم بھی کر لیا گیا تھا۔

''یہ صرف ڈیڑھ گھنٹے کا سفر ہے۔'' سروش نے مجھے بتایا۔

میں بس سر ہلا کر رہ گیا۔ میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چاہتا تھا۔ تاکہ اپنے ذہن کی پراسرار قوت سے کام لوں گا اور سروش کے ذہن میں جھانک کر وہ سب کچھ جان لوں جو اس کے علم میں تھا۔

جب سروش نے محسوس کیا کہ میں گفتگو کے موڈ میں نہیں ہوں تو وہ بھی خاموش ہوگئی۔ میں مکمل ذہنی یکسوئی کے ساتھ سروش کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن بار بار مجھے اندھیرے سے واسطہ پڑ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سروش کا ذہن سادہ ورق بن کر رہ گیا ہو۔ وہاں ایسا سناٹا تھا جیسے کسی نومولود بچے کا ذہن!

اچانک سروش نے ایک کھنکتا ہوا قہقہہ لگایا اور میں چونک کر اسے یوں دیکھنے لگا جیسے وہ پاگل ہوگئی ہو۔

''بلاوجہ محنت کر رہے ہو ارسلان!'' میرے ذہن میں سروش کی آواز گونجی جبکہ میں دیکھ رہا تھا کہ سروش کے ہونٹ بالکل نہیں ملے تھے۔

میں بوکھلا گیا۔ کیا سروش کو بھی وہ پراسرار قوت حاصل تھی۔؟

''ہاں......'' میرے ذہن نے سروش کی آواز محسوس کی۔'' ہم دونوں کو ہی پراسرار قوت حاصل ہے جس سے کسی کے ذہن کو پڑھا جا سکتا ہے۔ احمر نے تم سے ایک چھوٹا سا جھوٹ بولا تھا کہ دیوی کے محل میں ہمارا کوئی جاسوس موجود ہے۔ حقیقت دراصل یہ ہے کہ میرے ذہن کی پراسرار قوت ہی دیوی کے محل کی جاسوسی کرتی رہی ہے۔

میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

سروش کی آواز میرے ذہن میں گونجتی رہی۔'' مجھے کلدیپ کی موت کا علم بھی اس لیے ہوسکا ہے کہ میں دیوی کا ذہن پڑھتی رہی ہوں۔ تمہارا ذہن بھی ہر لمحے میری دسترس میں رہا ہے اور اسی لیے میں جان گئی تھی کہ آج رات تم محل سے نکلو گے۔ کل رات تمہیں کوئی مشروب پلایا گیا تھا۔ اس سے میں سمجھ گئی تھی کہ تمہیں بے ہوش کر دیا گیا تھا۔''

''تو پھر تمہیں اس وقت بھی میرے ذہن سے رابطہ قائم کرنا چاہیے تھا جب میں محل میں تھا۔'' میں نے ذہنی طور پر کیا۔

''میں ایسا کر تو سکتی تھی خدشہ یہ تھا کہ تم میری باتوں پر یقین نہیں کرو گے۔''

میں چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ''کیا میں بھی اپنے ذہن پر پردہ ڈال سکتا ہوں کہ تم کچھ نہ جان سکو۔!''

''فی الحال تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''فی الحال کیوں؟''

''تم اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہو' اس لیے تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اپنے ذہن کے دروازے کس طرح بند کیے جا سکتے ہیں۔''

''کیا تمہیں بھی یہ طاقت کیشپ ہی سے ملی ہے۔؟''

''ہاں' ہم دونوں ہی اس کے شاگرد رہے ہیں۔''

''کیشپ اب کہاں ہے؟''

''جزیرۂ کاران پر۔''

''جزیرۂ کاران؟''

''ہاں جزیرۂ کاران ہی کالدیپ کا دارلحکومت ہے۔ ہم بہت جلد وہاں پہنچنے والے ہیں۔''

''اوہ!'' میں نے تشویش سے کہا۔ ''پھر تو وہ جان لے گا کہ میں وہاں پہنچنے والا ہوں۔''

''نہیں وہ کچھ نہیں جان سکے گا۔ آئندہ چند گھنٹوں کے لیے اس کا ذہن معطل ہو چکا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''وقت آنے پر تم سب کچھ جان جاؤ گے۔''

اسی وقت کیبن کے دروازے پر دستک ہوئی۔

''آ جاؤ!'' سروش نے بلند آواز میں کہا۔

کیبن کا دروازہ کھلا اور احمر اندر آ گیا۔ اس نے ایک دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف دیکھا اور پھر سروش سے بولا۔

''ہمیں ساحل کے کس حصے میں پہنچنا ہے خانم!''

''کسی حصے میں بھی نہیں تم اس کی فکر مت کرو۔ لانچ چلانے والے کو علم ہے کہ اسے کہاں جانا ہے۔''

احمر نے حیرت سے سروش کی طرف دیکھا لیکن کسی قسم کی حجت کرنا شاید حدادب سے تجاوز کے مترادف ہوتا۔ اس لیے وہ خاموشی سے چلا گیا۔

میں نے سروش سے کہا۔ کیا ہماری لانچ ساحل پر نہیں رکے گی۔؟

''نہیں۔''

''تو پھر۔''

''ہم ایک بحری سرنگ میں سفر کر کے سیدھے محل کے نچلے حصے میں پہنچ جائیں گے۔''

''محل؟''

''ہاں! کالدیپ کے حکمراں کا محل۔''

''اسے مجھ سے اتنی ہمدردی کیوں ہے کہ دیوی نے مجھے یرغمال بنا کر اسے حملہ کرنے سے روک دیا۔''

''آئندہ چوبیس گھنٹوں میں تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا ارسلان۔'' سروش نے بڑے پیار بھرے انداز میں کہا۔''فی الحال تم آرام کرو۔آئندہ چوبیس گھنٹے بڑے ہنگامی حالات میں گزریں گے۔''

''میں معمولی سی بھی تھکن نہیں محسوس کر رہا ہوں۔''

''حالانکہ ساری رات جاگتے ہوئے گزر گئی ہے۔''

''ایک رات کے جاگنے سے کچھ نہیں ہوتا۔تم بھی تو جاگتی رہی ہو۔''

سروش لاجواب ہوگئی۔

ہم ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے رہے لیکن پھر کوئی گفتگو نہیں چھڑی وقت گزرتا رہا' غالباً صبح قریب تھی۔ ہمارے سفر کا اختتام ہوا۔

سب لوگ لانچ سے اُتر آئے میں نے دیکھا کہ وہ بہت بڑا ہال تھا اور لانچ اس کے فرش پر گویا رکھی ہوئی تھی۔فرش اور دیواریں بھیگی ہوئی تھیں غالباً تھوڑی دیر پہلے تک وہاں پانی موجود رہا ہوگا۔مگر لانچ کے داخلے کے بعد کسی راہ سے پانی نکال دیا گیا ہوگا۔

ہال کے ایک گوشے میں سنگی سیڑھیاں تھیں جن کے اختتام پر چھت میں ایک گول سوراخ نظر آ رہا تھا۔اس سوراخ کا قطر اتنا ضرور تھا کہ بیک وقت دو آدمی اس میں سے دوسری طرف نکل سکتے تھے۔

ہم سب ان سیڑھیوں کو طے کرتے ہوئے اوپر پہنچے۔ یہاں کچھ لوگ شاید ہمارے استقبال ہی کیلئے موجود تھے۔ان میں سے ایک شخص دیوار کی طرف منہ کیے اس تصویر کو دیکھ رہے تھے جس میں دو ہرن بھاگتے ہوئے دکھائے گئے تھے۔

سروش مجھے لیے ہوئے اس شخص کی طرف بڑھی۔ ہماری آہٹیں سن کر بھی اس شخص نے مڑ کر نہیں دیکھا۔وہ ریشمی ملبوسات زیب تن کیے ہوئے تھا اور اس کے کھڑے ہونے کے انداز میں ایسا وقار تھا جیسے وہ کالدیپ کی اہم ترین ہستی ہو۔

''خاقان!'' سروش اسی شخص سے مخاطب تھی۔''ادھر دیکھیے۔شہزادہ ارسلان آئے ہیں۔''

اپنے نام کے ساتھ ''شہزادہ'' کا اضافہ مجھے چونکانے کے لیے کافی تھا لیکن دوسری بات تو اتنی حیرت انگیز تھی کہ میں پتھر کے بت

کی طرح بے حس وحرکت ہو گیا۔

وہ شخص جب میری طرف مڑا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں آئینہ دیکھ رہا ہوں۔ اتنی حیرت انگیز مشابہت شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہوگی۔ اس شخص کے دائیں گال پر کوئی ڈیڑھ انچ قطر کا ایک سیاہ داغ تھا اور اس کی عمر بھی مجھ سے کچھ کم معلوم ہوتی تھی۔ مجھ میں اور اس میں ان دو باتوں کے علاوہ کوئی فرق نہیں تھا۔

''برادرِ معظم!'' نوجوان شخص کے منہ سے نکلا اور پھر وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر بیتابانہ میری طرف بڑھا۔

میرا جسم اس طرح جھنجھنا رہا تھا جیسے بجلی کے تاروں سے چھو گیا ہو ذہن میں بگولے سے چکرا رہے تھے اور ان بگولوں میں مختلف شبیہیں ایک دوسرے سے گڈمڈ ہوتی نظر آرہی تھیں۔ خاقان مجھ سے لپٹ گیا تھا اور میں بڑی شفقت سے اس کی پیٹھ پر اس طرح ہاتھ پھیر رہا تھا جیسے وہ میرا چھوٹا بھائی ہو۔

کیشپ!

سروش!

احمر!

خاقان!

یہ سب چہرے میرے ذہن پر بار بار اس طرح لپک رہے تھے جیسے روشنی کے جھماکے ہو رہے ہوں۔ ان کے ساتھ ہی کچھ اور چہرے بھی تھے جو میرے ذہن کی شعوری سطح سے مٹے ہوئے تھے۔ میرے ذہن میں مختلف آوازیں بھی گونج رہی تھیں۔ شور وغوغا میرے پورے وجود پر چھاتا چلا جا رہا تھا۔ زمین مجھے اپنے پیروں کے نیچے ہلتی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک اندھیرا جیسے چاروں طرف سے میری طرف بڑھ رہا تھا لیکن اس اندھیرے میں بھی روشنی کے جھماکے ہو رہے تھے۔ پھر روشنی کے ان جھماکوں نے، اس اندھیرے نے، کلی طور پر مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ میری ہستی اس اندھیرے کا ایک جزو بن گئی۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک نرم وگداز بستر پر پایا۔ وہ ایک خاصا کشادہ اور سجا ہوا کمرہ تھا۔ یہاں کی ہر چیز میری جانی پہچانی ہوئی تھی۔ اسے سروش نے اپنے ہاتھوں سے سجایا تھا۔ سروش میری بیوی تھی۔ اگر وہ ابھی اپنی خوابگاہ کو نہ سجاتی تو اور کون سجاتا۔؟

ہاں! سروش میری بیوی تھی۔

ہاں! مجھے اب سب کچھ یاد آچکا تھا۔ مجھے اپنی وہ شخصیت دوبارہ مل چکی تھی جسے میں نے اپنے ذہن کی تاریکیوں میں گم کر دیا تھا۔ اب اس میں شک وشبے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ میرا نام ارسلان تھا۔ میں اور خاقان سگے بھائی تھے۔ کالدیپ کے مرحوم حکمراں یعنی میرے باپ کی خواہش تھی کہ وہ مجھے کالدیپ کے تخت پر بٹھائے اور اسی لیے مجھے تعلیم وتربیت کیلئے کاہن اعظم کیشپ کے سپرد کر دیا تھا۔

کیشپ کی بیٹی سروش بھی میرے ساتھ ساتھ اپنے باپ سے تعلیم وتربیت حاصل کر رہی تھی۔ کیشپ نے ہم دونوں ہی کو عمل تنویم

اور منطقی خیالات کے علم سے بہرہ ور کیا تھا۔ اس کی ہدایات پر عمل کرتے کرتے ہماری آنکھوں میں اتنی طاقت پیدا ہوگئی کہ ہم اس طاقت سے کسی بھی عام آدمی کو چھوئے بغیر ہلاک کر سکتے تھے۔ لوگوں کے خیالات پڑھ لینا میرے لیے ایک معمولی بات تھی۔ کیشپ میرے ساتھ ساتھ سروش کو بھی یہ علوم ایک خاص مقصد کے تحت سکھا رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ مجھے اور سروش کو شادی کے بندھنوں میں جکڑ دے اور اس طرح ساری زندگی مجھ پر اپنی گرفت قائم رکھے۔ میرے واسطے سے وہ کالدیپ کے عوام پر حکمرانی کرنا چاہتا تھا۔ میرے مرحوم باپ پر تو اس کی گرفت تھی ہی اور نتیجے میں کالدیپ کے عوام کو اس کے ظلم وستم کا شکار رہنا پڑتا تھا۔ خاص طور سے خوبصورت لڑکیاں، کیشپ کی بوالہوسی کا نشانہ بنتی رہتی تھیں۔ اس نے یہ قانون بنا رکھا تھا کہ جب کسی لڑکی کی شادی ہوتی تھی تو اسے پہلی رات اپنے شوہر کی بجائے کیشپ کے ساتھ گزارنا پڑتی تھی۔

لیکن کیشپ کی تعلیم وتربیت مکمل طور سے میرے ذہن پر اثر انداز نہیں ہوسکی۔ مجھے پسند نہیں تھا کہ عوام پر مذہبی رہنما کی بالادستی اس طرح قائم رہے کہ وہ اس کی چیرہ دستیوں کا شکار ہوتے رہیں۔ اس کے علاوہ میرے مزاج میں ایک لاابالی پن اور سرکشی بھی تھی۔ حکومت کرنے کا مجھے ذرا بھی شوق نہ تھا لیکن حسن و جمال کی ٹھنڈی چھاؤں میں اپنی علمداری قائم کرنا میری فطرت بن چکی تھی۔ میرا پرکشش وجود لڑکیوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔ وہ پکے ہوئے پھل کیطرح میری آغوش میں آگرتی تھیں۔ لیکن میری فطرت نے قناعت کرنا نہیں سیکھا تھا۔ میری زنگی کی ساعتیں شوریدہ سرلہروں کی طرح تھیں۔ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری لڑکی میری زندگی میں داخل ہوجاتی تھی۔ وہ لڑکیاں اپنی سب سے قیمتی متاع کو بڑی خوشی سے مجھ پر نچھاور کر دیتی تھیں۔ لیکن اس معاملے میں سروش نے مجھے جھنجلاہٹ میں مبتلا رکھا۔ وہ مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھی لیکن اس نے کبھی مجھے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ میں اس کے بھرے بھرے جسم کو چھوسکوں۔ اس کی قربت میرے جسم میں آگ لگا دیتی تھی۔ اسے صرف دیکھ کر ہی میرے جذبات میں طغیانی آجاتی تھی اور پھر مجھے دوسری لڑکیوں کے سہارے پرسکون ہونا پڑتا تھا۔

کیشپ میری ان حرکتوں سے اچھی طرف واقف تھا۔ اس نے میری سرکشی پر بند باندھنے کے لیے فیصلہ کیا کہ سروش سے میری شادی کر دیجائے۔ مجھے اس بندھن سے سخت چڑ تھی لیکن سروش نے مجھے کچھ اس طرح دیوانہ بنا رکھا تھا کہ میں اس سے شادی کرنے پر آمادہ ہوگیا اور میرے باپ میں تو اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ کیشپ کے سامنے دم مار سکتا۔ نتیجہ یہ کہ ہماری شادی ہوگئی۔ میں نے سروش کو پالیا۔ دوسری لڑکیوں سے تو میں دو چار مرتبہ میں اکتا جاتا تھا لیکن سروش ایک ایسا چشمہ تھی جس سے سیراب ہونے میں مجھے کافی وقت لگا تاہم وہ بھی مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا گرویدہ نہیں بنا سکی تھی۔ بس چند ہفتے ......اور پھر میں اس سے بھی اکتا گیا۔

اسی دوران میں اچانک میرے والد انتقال کر گئے۔ غم کی تاریخیں بڑے احترام سے گزاری گئیں اور پھر غم کے خاتمے کے دن جشن منایا گیا۔ اسی دن میری رسم تاجپوشی بھی ادا ہوئی تھی۔ سارے محل کو سجا دیا گیا تھا۔ دربار میں تمام اکابر جمع تھے۔ ان سب کے سامنے کیشپ تاج لے کر میری طرف بڑھا میرے دائیں ہاتھ پر سروش اور بائیں ہاتھ پر میرا چھوٹا بھائی خاقان کھڑا ہوا تھا۔ میری خواہش تھی کہ

خاقان کالدیپ کا حکمران بنے اور میں ان جھنجٹوں سے نجات پائے رہوں۔

کیشپ نے میرے قریب پہنچ کر تاج میرے ہاتھوں میں دیدیا کہ میں اسے اپنے سر پر رکھ لوں لیکن میں نے ایک ایسی حرکت کی سارا دربار شور سے گونج اُٹھا میں نے کیشپ سے تاج لے کر خاقان کے سر پر رکھ دیا تھا۔ میری حرکت سے خاقان بھی بھونچکا رہ گیا تھا۔

''میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو آج سے کالدیپ کا حکمران نامزد کیا'' میں نے بلند آواز میں اہل دربار سے کہا۔

کیشپ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا لیکن اب وہ کچھ کرنے سے قاصر تھا۔ میں نے اپنی خوشی سے کالدیپ کی حکمرانی اپنے بھائی کو سونپی تھی لہٰذا اصولاً کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوسکتا تھا۔

اس طرح کیشپ کا خواب پورا نہ ہوسکا۔ نتیجے میں اس پر جھلاہٹ طاری ہوگئی۔ شاید وہ مجھے کوئی نقصان بھی پہنچا بیٹھا لیکن ایک رات میں اپنے ایک انگریز دوست کے ساتھ اس کے جہاز میں بیٹھ کر جزائر کالدیپ سے چلا گیا۔ سروش سے میری طبعیت اکتا ہی چکی تھی۔

برطانیہ اور فرانس سے کالدیپ کے تعلقات بے حد گوشوار تھے۔ جزائر کا بیشتر تیل اور دوسری معدنی دولت زیادہ تر انہی دو ملکوں کے ہاتھ فروخت کی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے ان دو ملکوں کے اکابرین سے میرے تعلقات بڑی حد تک دوستانہ تھے میں جس انگریز دوست کے ساتھ کالدیپ سے روانہ ہوا تھا وہ تیل نکالنے والی ایک برطانوی فرم کا ڈائریکٹر تھا

بیرونی دنیا میں پہنچ کر میں کھل کھیلا۔ نئی نئی لڑکیاں میری راتوں کو مہکاتی رہیں روپے پیسے کی مجھے کوئی کمی نہیں تھی میں جس ملک میں بھی ہوتا تھا۔ اس ملک کے برطانوی یا فرانسیسی سفارتخانے کے ذریعے مجھے حسب ضرورت رقم مل جاتی تھی۔ یہ دونوں ملک میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ دراصل انہیں اچھی طرح یہ احساس تھا کہ میں کالدیپ کا حکمراں نہ ہونے کے باوجود بہت کچھ کرسکتا ہوں، خاقان میری بیحد عزت کرتا تھا۔ اگر میں اسے اشارہ بھی کردیتا تو وہ ان دونوں ملکوں کی تیل نکالنے والی کمپنیوں کو کالدیپ سے باہر نکال کرتا۔

غرضیکہ میں شہزادوں کی طرح آزاد زندگی گزار رہا تھا لیکن یہ سب کچھ بہت زیادہ عرصے تک نہ چل سکا۔ کیشپ نچلا کیسے بیٹھ سکتا تھا۔ وہ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا اور اس کے نتیجے میں جو واقعات پیش آئے ان کا تفصیلی ذکر میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔

اب میں ایک بار پھر اپنے محل میں تھا اور میری گمشدہ یادداشت واپس آ چکی تھی۔

میں بستر سے اُٹھ بیٹھا اور اسی وقت خاقان اور سروش کمرے میں داخل ہوئے میرا بچپن کا دوست احمران کے پیچھے پیچھے تھا۔

''آؤ خاقان! میرے بھائی......! آؤ سروش! میری رفیق زندگی......! آؤ احمر میرے دوست......! آؤ بیٹھو اور مجھے بتاؤ کہ اب کیا ارادے ہیں۔؟''

ان تینوں کے چہرے مسرت سے کھل اُٹھے۔

''تو آپ کو سب کچھ یاد آ چکا ہے برادرِ معظم! خاقان بولا۔

''ہاں خاقان!''میں نے سرہلا کر کہا۔''غالباً صرف تم کو دیکھنے سے میری یادداشت واپس آئی ہے۔''

''مجھے ایک ضروری کام ہے برادرِ معظم!''خاقان بولا۔''میں بس آپکو دیکھنے چلا آیا تھا۔ مجھے اجازت دیجیے! تھوڑی دیر بعد حاضر ہوسکوں گا۔''

میں نے پرشفقت مسکراہٹ کے ساتھ سرہلا کر اسے جانے کی اجازت دی اور جب وہ چلا گیا تو میں نے سروش اور احمر کو قریب بلا کر بٹھایا۔

''میرا خیال ہے کہ میں بھی چلا جاؤں۔''احمر شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو میں نے اس کی پیٹھ پر دھول جمادی۔

سروش ہنسنے لگی اور پھر اچانک اس نے سنجیدہ ہو کر کہا۔''سنوار سلان!......اب تمہیں ہوشیار رہنا چاہیے۔''

''تمہارے بابا کی طرف سے؟''

''ہاں......اب کچھ دیر باقی ہے کہ وہ پوری طرح ہوش میں آجائیں گے یہ ایک یقینی امر ہے کہ وہ فوری طور پر تمہارے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کریں گے پھر اگر انہیں یہ پتا چل گیا کہ تم محل میں پہنچ چکے ہو تو......''

''معاملہ بگڑ جائے گا۔'احمر نے لقمہ دیا۔

''بے فکر رہو۔ اب میں کسی کو بھی اپنے ذہن میں نہیں جھانکنے دوں گا۔''

''سنو احمر!''سروش بولی۔''تم جا کر بابا کی خبر لاؤ!''

''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ مجھے یہاں سے چلا جانا چاہیے۔''احمر نے ہنستے ہوئے کہا۔

سروش نے اسے گھور کر دیکھا تو دوسری طرف منہ پھیر کر مسکراتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

''ہاں سروش!''میں بولا۔''اب بتاؤ کہ معاملات کیا ہیں۔ آخر تم نے ایسا کیا بندوبست کیا تھا کہ تمہارا بابا میری طرف سے غافل ہو گیا ہے۔''

''لڑکی۔''سروش نے نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر کہا۔

''کیا مطلب؟''

''ایک لڑکی کی شادی تھی چنانچہ اسے بابا کی خواب گاہ میں پہنچا دیا گیا۔ اس لڑکی کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ وہ بابا کو گوگلان پلاتی رہے۔ وہ اس کے نشے میں مدہوش ہیں اور انہیں تمہارا خیال نہ آسکے۔ اس لڑکی کو بابا نے تین روز کے لیے روکا تھا۔ آج صبح وہ لڑکی اپنے بدقسمت شوہر کے پاس چلی گئی ہوگی چنانچہ اب کچھ دیر میں بابا کے دماغ سے گوگلان کا نشہ ختم ہو جائے گا۔''

''ہوں۔''میں سرہلاتے ہوئے کہا۔''پھر اس کے بعد؟''

''اس کے بعد......تمہیں یہ سوچنا ہے کہ اسے کس طرح موت کی نیند سلایا جاسکتا ہے۔''

''سروش!''میں چونک پڑا۔

''مجھے اس سے نفرت ہو چکی ہے ارسلان......! آخر کب تک معصوم لڑکیوں کو اس کی ہوس کی چوکھٹ پر قربان ہوتے ہوئے دیکھتی رہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کسی روز مجھے بھی......'' سروش کی آواز بھرا گئی۔ وہ اپنا جملہ پورا نہ کرسکی اور اس نے اپنا کانپتا ہوا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔

''تمہاری آخری بات بیوقوفانہ ہے۔ تمہیں اس انداز میں نہیں سوچنا چاہیے۔ تم بہر حال اس کی بیٹی ہو۔''

''کاش میں اس جیسے آدمی کی بیٹی نہ ہوتی۔'' سروش نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

میں خاموش رہا اور میری اس خاموشی سے کچھ دیر کے لیے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ میری ذہنی رو جزیرۂ دیبال کی طرف بھٹک گئی جہاں دیوی کی حکمرانی تھی۔ کچھ عرصے پہلے جب میں انگلینڈ میں تھا تو مجھے اس بات کی اطلاع مل گئی تھی کہ دیبال پر ایک خود مختار حکومت قائم ہو گئی ہے۔ نیز مجھے اس بات کی بھی اطلاع مل گئی تھی کہ اس حکومت کے قیام میں امریکا کا ہاتھ ہے۔

دراصل امریکا کو یہ بات ایک آنکھ نہ بھاتی تھی کہ جزائر کالدیپ کی معدنی دولت پر صرف برطانیہ اور فرانس کا تصرف رہے۔ اسی خلش نے امریکا کو یہ چال چلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

شیموئل ہی جزیرۂ دیبال پر امریکا کا ایجنٹ تھا اور اس سے میری ملاقات بھی ہو چکی تھی۔

''ساحرہ دیوی کو وہاں کے عوام کی حمایت حاصل ہو گئی ہے۔''

''وہ سب ختم ہو جائے گی جب لوگوں کو ساحرہ کے ڈھونگ کا علم ہوگا۔ اس نے کچھ شعبدے دکھا کر وہاں کے لوگوں کو یہ باور کرا دیا کہ وہ ارضی نہیں بلکہ آسمانی مخلوق ہے۔''

''اس کے شانوں پر دو سانپ تو میں نے بھی دیکھے تھے۔''

اچانک میں نے اپنے دماغ میں سرسراہٹ سی محسوس کی اور چونک پڑا۔ معاملہ بالکل صاف تھا۔ کیشپ کی ذہنی رو میرے ذہن تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے فوراً اپنے دماغ پر سناٹا طاری کر لیا، میں بھول گیا کہ میں کون ہوں کہاں ہوں اور میرے سامنے کون بیٹھا ہوا ہے۔ ایسا کرنا بظاہر تو ناممکن ہی معلوم ہوتا تھا لیکن طویل مشقوں کے نتیجے میں مجھے اور سروش کو اس پر مکمل قدرت حاصل ہو گئی تھی اس لیے ہم بڑی آسانی سے ایسا کر سکتے تھے۔

اپنے دماغ پر سناٹا طاری کرنے کے بعد میں نے اپنے دماغ کے غیر مرئی دروازوں کو آہستہ آہستہ بند کرنا شروع کیا۔ اس عمل کے لیے بھی مجھے اور سروش کو طویل اور تھکا دینے والی کٹھن مشقیں کرنی پڑی تھیں۔ آخر کار میں اپنے دماغ کو ہر طرف سے بند کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب کسی بھی طاقت کی رو میرے دماغ میں داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ٹھک سے کوئی چیز میرے دماغ سے آکر لگی ہو۔ قدرے وقفے سے دوسری ضرب لگی جو پہلے سے زیادہ شدید تھی۔

سروش چپ چاپ بیٹھی میری طرف دیکھتی رہی وہ سمجھ گئی تھی کہ میں کسی صورتِ حال سے دوچار ہوں۔ میرے دماغ کی بیرونی سطح پر لگنے والی ضربات شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئیں۔ کیشپ جھنجھلا جھنجھلا کر اپنی ذہنی رو کو میرے دماغ کی طرف پھینک رہا تھا میں بھی اپنی پوری قوت صرف کر کے اپنے دماغ کے دروازوں کو بند کیے رہا گو کہ میں اپنی اس کوشش میں پسینے پسینے ہو گیا تھا لیکن میں کیشپ کو کامیابی نصیب نہیں ہونے دی۔ آخر کار کیشپ نے تھک ہار کر اپنی کوششیں ترک کر دیں۔

میں نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر ایک طویل سانس لے کر تھکی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ سروش کی جانب دیکھا۔

''اب وہ بری طرح بوکھلا جائے گا۔'' سروش سنجیدگی سے بولی۔ ''شاید اسے یہ شبہ بھی ہو جائے کہ تمہاری یادداشت واپس آ چکی ہے۔'' لیکن یہ تو اس کے خواب وخیال میں بھی نہیں آ سکتا کہ تم یہاں پہنچ چکے ہو۔''

''لیکن اب ہمیں کرنا کیا چاہیے۔ یہ بات تو بہر حال طے ہے کہ کیشپ زیادہ عرصے تک اندھیرے میں نہیں رہے گا۔''

''ہاں! یہ تو ہے لیکن سب سے پہلے جزیرۂ دیبال کا مسئلہ طے ہونا ہے۔ اسی دوران میں تم کوئی ایسی تدبیر سوچ لو کہ میرا منحوس باپ موت کی آغوش میں پہنچ جائے۔''

میں سروش کا منہ تکتا رہ گیا۔ وہ کتنی سفا کی سے اپنے باپ کی موت کا ذکر کر رہی تھی۔!

اتنے میں ایک ملازم کمرے میں آیا۔ وہ ہمارے لیے ناشتہ لے کر آیا تھا۔ غالباً اس کی ہدایت اسے خاقان یا احمر سے ملی ہوگی۔

میں اور سروش ناشتہ کرتے ہوئے اپنے اپنے خیالات میں گم رہے۔ میں اب سروش ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کتنی عجیب و غریب لڑکی ہے یہ......! اس نے ابتک میری بے وفائی یا میرے ہرجائی پن کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ مجھے شدت سے چاہتی ہے۔ نہ صرف شدت سے چاہتی ہے بلکہ اس بات سے بے نیاز ہو کر چاہتی ہے کہ میں اسے نہیں چاہتا میں اس سے اُکتا گیا تھا میں اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ لیکن اس کو جیسے ان باتوں کی پرواہ نہیں تھی۔

ہم ناشتے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ احمر آندھی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوا۔ اور چھوٹتے ہی بولا۔

''کیشپ محل میں آ چکا ہے۔''

میں بے اختیار اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا لیکن سروش بڑے سکون سے بیٹھی رہی۔ اس نے احمر سے کہا۔ ''اس کی آمد میرے لیے غیر متوقع نہیں۔ وہ خاقان کے کمرے میں ہے نا۔''

''ہاں......!''

''جاؤ! اور جا کر سنو کہ ان دونوں میں کیا گفتگو ہو رہی ہے۔''

احمر سر ہلا کر چلا گیا۔

سروش میری طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''وہ خاقان پر یہ دباؤ ڈالنے آیا ہوگا کہ دیبال پر بلا تاخیر حملہ کر دیا جائے۔ ابھی تک تو

خاقان اسے بڑی خوبصورتی سے ٹالتا رہا ہے لیکن اب ٹالنے کی کوئی ضرورت نہیں' دیبال پر آج ہی حملہ ہونا چاہیے۔''

''کیا اس حملے کے نتائج ہماری منشا کے مطابق ہوں گے۔؟''

''یقیناً۔'' سروش نے جواب دیا۔ ''ہمیں فرانس اور برطانیہ سے بھرپور جنگی امداد مل چکی ہے۔ زیادہ سے زیادہ رات تک ہم دیبال پر قابض ہو چکے ہوں گے۔''

دفعتاً میں ایک خیال کے تحت بولا۔ ''کہیں کیشپ اس طرف نہ نکل آئے۔''

''ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اس کے ذہن میں شکوک وشبہات جنم لے چکے ہوتے ہو۔'' جبکہ میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوا ہوگا۔''

کچھ دیر بعد احمر کمرے میں آیا اور اس نے بتایا کہ کیشپ محل سے واپس جا چکا ہے۔

''گفتگو کیا رہی۔؟'' سروش نے اس سے پوچھا۔

''اس نے خاقان سے اصرار کیا ہے کہ دیبال پر بلا تاخیر حملہ کر دیا جائے اور خاقان نے قدرے پس وپیش کے بعد اس کی بات مان لی ہے۔اس وقت حملے کے احکامات صادر کیے جا رہے ہیں۔''

سروش مطمئن انداز میں سر ہلا کر رہ گئی۔

اس گفتگو کے صرف دو گھنٹے بعد دھماکوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں کالدیہ کا بحری بیڑا دیبال پر حملہ کر چکا تھا۔ یہ دھماکے

سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر اچانک مجھے اپنی پراسرار ذہنی قوت کا خیال آیا۔ صورتِ حال کو جاننے کے لیے میں اپنی اس طاقت کو آزما سکتا تھا۔ میں نے فوراً سروش سے ذہنی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ میں نے بار بار اپنی ذہنی رو کو سروش کی طرف دوڑایا اور پھر کافی دیر بعد کہیں جا کر مجھے احساس ہوا کہ میری ذہنی رو سروش کے دماغ سے ٹکرا رہی ہے میں نے اس کے دماغ پر سناٹا چھایا ہوا محسوس کیا۔ کوئی خیال نہیں تھا، کوئی بات نہیں تھی، اور ایسا صرف تین صورتوں میں ممکن تھا۔ ایک تو یہ کہ سروش سوگئی ہو، دوسرے یہ کہ وہ بے ہوش ہو اور تیسرے یہ کہ وہ مر چکی ہو۔ کیونکہ موجودہ حالات میں سروش کے سونے کا کوئی امکان نہیں تھا اس لیے میرے تفکرات میں اضافہ ہوگیا۔

دوسری مرتبہ میں نے احمر کے دماغ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی اور میں اس میں فوراً ہی کامیاب ہوگیا۔

اس وقت احمر کے دماغ میں خوف اور پریشانی کے تاثرات تھے وہ سوچ رہا تھا کہ ان حالات کے نتائج کیا ہوں گے۔

اس سے پہلے کہ میں اس کے دماغ سے پوری صورتِ حال کو پڑھ سکتا، کمرے کا دروازہ ایک پرشور آواز کے ساتھ کھلا۔ اس آواز نے میری ذہنی یکسوئی تہہ و بالا کردی۔ احمر سے میرا ذہنی رابطہ ختم ہوگیا لیکن اب اس رابطے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی تھی کیونکہ کمرے میں داخل ہونے والا احمر ہی تھا۔

''غضب ہوگیا۔'' وہ چھوٹتے ہی بولا۔ ''ساری اسکیم چوپٹ ہوگئی۔ محل میں انقلاب آچکا ہے۔ اب یہاں کیشپ کی حکمرانی ہے۔''

''کیا؟...... یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں نے بوکھلا کر پوچھا۔

''کیشپ کو کسی طرح پتا چل گیا ہے کہ تم دیبال سے فرار ہوکر یہاں آگئے ہو۔

''اسے کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔''

''خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ بس اب فوراً یہاں سے بھاگ چلو۔''

''سروش کہاں ہے؟''

''اس کا بھی کچھ پتا نہیں ہے۔''

''اور خاقان؟''

میرے اس سوال پر احمر کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ اس کے لب ہلے مگر کوئی آواز نہیں نکل سکی۔

''جواب کیوں نہیں دیتے؟'' میں نے اس کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

''اس کا جواب میں دوں گا ارسلان! کیشپ کی آواز کمرے میں گونجی۔ میں اور احمر چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ کیشپ وہاں کھڑا ہو کر کھا جانے والی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں پر ایک لاش اُٹھا رکھی تھی اور وہ لاش؟

مجھے اپنی آنکھوں تلے اندھیرا چھاتا ہوا محسوس ہوا۔

وہ لاش سروش کی تھی۔

ایک خنجر اس کے سینے میں دستے تک پیوست تھا اور خون کی دھاریں اس کے لباس کو رنگین کر چکی تھیں۔

میری نگاہیں سروش کی لاش پر جمی ہوئی تھیں اور ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ اس وقت مجھے جو سب سے پہلا خیال آیا وہ یہ تھا کہ میری محبوب بیوی کا قاتل کیشپ ہے۔ چند لمحوں کے لیے میرے ذہن سے یہ بات بھی نکل گئی کہ میں کتنے خطرناک حالات سے دوچار ہوں مجھے صرف اتنا یاد رہ گیا کہ ایک شخص نے میری بیوی کو قتل کر دیا ہے اور وہی شخص لاش اُٹھائے میرے سامنے کھڑا ہے۔ یہ تمام خطرات اور اندیشوں کو بھلا دینے والا لمحہ تھا۔ ایکدم میری قہر آلود نظریں کیشپ کے چہرے کی طرف اُٹھیں۔ اس کی نظروں سے ٹکرائیں اور اسی لمحے کسی مقناطیسی کشش نے میری نظروں کو مزید حرکت سے محروم کر دیا۔

''تمہیں نیند آ رہی ہے تم سو رہے ہو۔'' جیسے میرے ذہن نے سنا یہی الفاظ بار بار دہرائے جاتے رہے۔ مجھے محسوس ہوا کہ رفتہ رفتہ میرا ذہن اس آواز کی ترغیب پر عمل کرنے لگا ہے۔ چند ہی لمحوں میں میرے ذہن پر مکمل طور سے نیند کا غبار چھا چکا تھا اور میں کچھ سوچنے سمجھنے کی قوت سے محروم ہو چکا تھا۔

تاریکی!

تاریکی!

تاریکی!

ذہن تاریک روح تاریک، ماحول تاریک، میں نے اپنے وجود کو تاریکیوں میں ڈوبتے محسوس کیا۔ بے رحم وقت نے تاریکیاں میرا مقدر کردی تھیں سروش کی موت نے میرے لیے دنیا کو تاریک بنا دیا تھا۔ سروش کا وجود میرے مایوسیوں کے اندھیروں میں ایک روشن چراغ تھا لیکن اب اس چراغ کو بجھا دیا گیا تھا وہ میرا آخری سہارا تھی اور وہ سہارا مجھ سے چھین لیا گیا تھا۔!

تاریک ذہن میں ہلکی سی سرسراہٹ سے میں چونکا۔ میں سمجھ گیا کہ کوئی میرے ذہن کو پڑھنا چاہتا ہے اور ظاہر تھا کہ سروش کے بعد صرف کیشپ کے پاس وہ قوت تھی کہ وہ اپنی ذہنی رو کے ذریعہ کسی کے ذہن تک پہنچ سکے۔ میرے لیے یہ مشکل نہیں تھا کہ میں اپنے ذہن پر سناٹا طاری کر لیتا اور اس کے بعد اپنے دماغ کے غیر مرئی دروازے بند کر لیتا اس طرح میں کیشپ کی ذہنی رو کو اپنے دماغ میں داخل نہ ہونے دیتا مگر اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی؟ میرے ذہن میں اب کوئی ایسا راز نہیں تھا جو کیشپ کے علم میں نہ آچکا ہو۔ یہ سوچ کر میں اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

''ارسلان!'' میرے ذہن میں کیشپ کی مانوس آواز گونجی۔

''میں سن رہا ہوں۔'' میں نے سوچا تا کہ کیشپ میرے خیالات پڑھ لے۔

''میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی اولاد کی طرح چاہا ہے۔'' کیشپ کا خیال میرے ذہن سے ٹکرایا۔ ''میں نے تمہاری خوشی کی خاطر اپنی سب سے قیمتی متاع تمہارے سپرد کر دی مگر تم نے اس کی بھی قدر نہ کی۔ تم ہمیشہ مجھ سے بچوں کی طرح ضد کرتے رہے میں نے ہر بار تمہاری خطاؤں سے درگزر کیا لیکن تمہاری سرکشی بڑھتی گئی۔ میں صرف سروش کی وجہ سے مجبور تھا کہ کیونکہ وہ تم سے محبت کرتی تھی وہ ہمیشہ تمہیں سزا دینے کے سلسلے میں تمہارے آڑے آتی رہی اور اب...... اب میں نے اپنی اس مجبوری کو بھی خود اپنے ہاتھوں سے ختم کر دیا۔ اب مجھے تمہیں سزا دینے سے کوئی نہیں روک سکتا' مگر اس سے پہلے میں تمہیں ایک آخری موقع ضرور دینا چاہتا ہوں۔ اب جب کہ تمہاری یادداشت واپس آچکی ہے اور تم سب کچھ جان چکے ہو تمہارے لیے کوئی بھی فیصلہ کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ صرف دو راستے ہیں ایک راستہ تو تمہاری اور میری دونوں ہی کی بھلائی کا راستہ ہے کہ تم راہِ راست پر آجاؤ اور اپنی بے جا ضد چھوڑ کر میری محبتوں اور عنایتوں کی پناہ میں آجاؤ۔ دوسرا راستہ تمہاری عبرتناک موت کی طرف جاتا ہے اور جان لو کہ یہ موت اتنی آسان نہ ہوگی۔ ایک ایسی ہولناک موت ہوگی جس کا تصور بھی تمہارے ذہن میں نہیں آسکتا۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ تم خوب سوچ سمجھ لو کہ تمہیں کس راہ کا انتخاب کرنا ہے۔ میں پھر تمہارے ذہن سے رابطہ قائم کروں گا۔'' اس کے بعد کیشپ کی آواز معدوم ہو گئی۔

کیشپ کی گفتگو نے میرے ذہن کو بری طرح الجھا دیا تھا آخر اب وہ مجھ سے کیا چاہتا تھا؟ مجھے گہری نیند آنے سے پہلے یہ تو معلوم ہو ہی چکا تھا کہ کالدیپ حکومت پر اب کیشپ قبضہ کر چکا ہے لیکن یہ سب کچھ کس طرح ہوا میں اس سے لاعلم تھا اور مجھے یہ بات بھی نہیں معلوم تھی کہ کالدیپ کے اصل سربراہ یعنی میرے چھوٹے بھائی خاقان پر کیا گزری؟ میرے ذہن میں بہت سے سوالات گردش کر رہے تھے جن کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ ان ہی میں سے کچھ سوال ایسے تھے جنہیں میں کوشش کے باوجود اپنے ذہن سے نہ جھٹک سکا۔ پہلا

سوال یہ تھا کہ کیشپ کو میری محل میں موجودگی کے بارے میں کس طرح علم ہوا۔ جب کہ میں نے یہ محسوس کرتے ہی اپنے ذہن پر سناٹا طاری کر لیا تھا کہ کیشپ میرے ذہن سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہوا کہ وہ محل تک میری تلاش میں آ پہنچا؟ دوسرا اہم سوال میرے سامنے یہ تھا کہ اس وقت میں کہاں ہوں؟ یہ تو میں کیشپ کی گفتگو سے اندازہ لگا ہی چکا تھا کہ میں اس وقت کیشپ کی قید میں ہوں مگر یہ قید خانہ کہاں ہے؟ کیا اس نے مجھے جزیرہ کاران ہی پر کہیں قید کر رکھا ہے یا کسی قریبی غیر آباد جزیرے میں؟ ہر چند کے مجھے اب اپنی زندگی سے کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی لیکن اس کے باوجود میں اس قید سے فرار ہونا چاہتا تھا اور اس کا سبب خاقان تھا، خاقان...... میرا بھائی اور کالدیپ کا اصل سربراہ مجھے اس کی زندگی کے لیے بہر حال جدوجہد کرنی تھی۔ دوسرا سبب کیشپ سے انتقام لینا تھا جس نے میری زندگی کی سب سے قیمتی شے مجھ سے چھین لی تھی۔ میری زندگی میری سروش۔ جواب ہمیشہ کے لیے مجھے چھوڑ گئی تھی۔

خاقان، سروش...... سروش اور خاقان...... میرے ذہن میں صرف دو نام بار بار چکراتے رہے۔ سوچتے سوچتے میرے ذہن میں اچانک ایک بھیانک خیال آیا جس نے میری روح کو لرزا دیا۔

''نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ نہیں ہو سکتا۔ خاقان زندہ ہے۔ وہ زندہ ہوگا، زندہ ہوگا۔'' میں آپ ہی آپ بڑبڑایا۔

جس خیال نے مجھے تڑپا کے رکھ دیا تھا وہ یہ تھا کہ کہیں کیشپ نے خاقان کو موت کے گھاٹ نہ اتار دیا ہو۔ اقتدار کیلئے ایسا ہونا کوئی ناممکن بھی نہیں تھا لیکن میرا خوفزدہ ذہن اس کو ممکن تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ سفاک و ظالم کیشپ اپنی بیٹی کا قاتل کیشپ۔ کیا اس سے یہ توقع کی جا سکتی تھی کہ اس نے خاقان کو زندہ رہنے دیا ہوگا؟ عقل اور دلائل کہتے تھے کہ نہیں مگر دل اور جذبات کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ ''خاقان زندہ ہے۔'' یہ دل ہی کا فیصلہ تھا اور میں نے بغیر کچھ سوچے یہ فیصلہ قبول کر لیا تھا۔ اس فیصلے کو قبول کر لینے کے بعد اب میرے سامنے دوسرا سوال یہ تھا کہ خاقان اگر زندہ ہے تو کہاں اور کس حال میں ہے۔؟

ہر سمت تاریکی سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ رات کا وقت ہے لیکن جب رات طویل سے طویل ہوتی چلی گئی تو میں فکر مند ہوا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں نے وقت گزرنے کا غلط اندازہ کیا ہو؟ اگر ایسا ہے تو پھر میری آنتوں میں اینٹھن کیوں ہو رہی ہے؟ مجھے سخت بھوک کیوں لگ رہی ہے؟ لیٹے لیٹے میری پیٹھ تختہ ہو چکی تھی۔ میرے نیچے پیال بچھی ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں جہاں کہیں بھی ہوں وہ کسی گھر یا محل کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور گہرے اندھیرے میں چاروں طرف نظریں گھمانے لگا۔ اس امید پر کہ شاید کہیں روشنی کی کوئی ننھی سی کرن دکھائی دے مگر مجھے مایوسی ہی کا شکار ہونا پڑا۔ میں بیٹھے بیٹھے ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور محتاط قدم اُٹھاتا ہوا اندھیرے میں ایک طرف بڑھا تاکہ کم از کم یہ تو معلوم ہو سکے کہ میں کس جگہ قید ہوں۔ بغیر کچھ جانے ایک جگہ پڑے پڑے سوچتے رہنے سے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نہ جانے کتنی دیر اندھیرے میں آگے بڑھتا رہا۔ لیکن نہ تو کسی دیوار نے مجھے روکا اور نہ ہی میں کسی چیز سے ٹکرایا۔ اس صورتحال نے مجھے اور بھی خوفزدہ کر دیا۔ میں ایک لامحدود اندھیرے اور تنہائی کا اسیر تھا۔ میں جس زمین پر چل کر آگے بڑھا تھا وہ مجھے چکنی اور سپاٹ محسوس ہوئی تھی۔ میں چلتے چلتے رک گیا۔ رکنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اندھیرا میرے لیے کسی بھی خطرے کو جنم دے سکتا

تھا۔ میرے قدم آگے بڑھتے بڑھتے مجھے کسی گہرائی میں بھی دھکیل سکتے تھے۔ لامحدود اندھیرا، اور تنہائی بھلا میں اس حال میں خاقان کے بارے میں کس طرح کچھ معلوم کرسکتا تھا۔ میرے دل پر اس خیال سے ایک اداسی سی چھاتی چلی گئی۔ کیشپ نے مجھے جہاں قید کیا تھا وہ جگہ ظاہر ہے ہر طرح سے محفوظ رہی ہوگی اور اس سے فرار ہو جانا میرے میرے بس میں نہ ہوگا کیشپ یقیناً اس طرف سے پوری طرح مطمئن ہوگا۔ خوف، تنہائی اندھیرے اور مایوسی نے مجھے اتنا بدحواس کر دیا تھا کہ مجھے فوری طور پر یہ بھی خیال نہ آیا کہ میں نے خود کو جس قدر بے بس اور مجبور سمجھ لیا ہے درحقیقت ایسا نہیں ہے اس وقت میرا ذہن کیشپ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ کل میرے ذہن سے دوبارہ رابطہ قائم کر کے یہ معلوم کرے گا کہ آیا مجھے سسک سسک کر مرنا قبول ہے یا اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بننا۔ اس خیال کے ساتھ ہی میرے ذہن میں یہ بات آئی تھی کہ خود میں بھی تو اپنے اندر اتنی قوت رکھتا ہوں کہ دوسرے کے ذہن پڑھ سکوں اور ان سے رابطہ قائم کرسکوں۔ دوسرے ہی لمحے میں خاقان کے بارے میں یکسوئی کے ساتھ سوچ رہا تھا میں اپنے ذہن کی قوتیں استعمال کر کے خاقان کے ذہن تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند لمحے بعد ہی میری ذہنی رو نے خاقان کے ذہن کو چھو لیا اور اسی کے ساتھ میں خوشی سے اچھل پڑا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ خاقان زندہ ہے لیکن خوشی کی اس لہر نے میرے ذہن کی یکسوئی کو اچانک ختم کر دیا اور میرا ذہنی رابطہ خاقان کے ذہن سے ختم ہو چکا تھا۔ اسی لمحے مجھے اپنے ذہن میں سرسراہٹ کا احساس ہوا۔ اب کوئی اور ذہنی رو میرے ذہن کو چھونے کی کوشش کر رہی تھی ایک ہی لمحے میں میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ میں اپنے ذہن پر کیشپ کو قبضہ نہیں کرنے دوں گا کیوں کہ میں نے اب تک اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے کیشپ کو کیا جواب دینا ہے؟ میں نے اپنے ذہن پر سناٹا مسلط کر لیا اور پھر چند لمحوں بعد ہی میرا ذہن ہر بیرونی مداخلت سے محفوظ ہو چکا تھا۔ کئی بار میرے ذہن کو شدید جھٹکے محسوس ہوئے مگر میں اپنے ذہن پر سناٹا مسلط کر لیا اور پھر چند لمحوں بعد ہی میرا ذہن ہر بیرونی مداخلت سے محفوظ ہو چکا تھا۔ کئی بار میرے ذہن کو شدید جھٹکے محسوس ہوئے مگر میں اپنے ذہن کی پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی مدافعت کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ اب میرے ذہن تک پہنچنے کی کوشش ترک کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد میں نے اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔ اب میں کیشپ کے ردِعمل کے ساتھ ہی اس بارے میں سوچ رہا تھا کہ میں اسے کیا جواب دوں گا کیونکہ میں جانتا تھا کہ ایک بار ناکامی کے بعد کیشپ خاموش نہیں بیٹھے گا۔ وہ دوبارہ مجھ سے رابطہ قائم کرے گا اور ہوا بھی یہی۔ ابھی میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ پایا تھا کہ پھر میرا ذہن سرسراہٹیں محسوس کرنے لگا۔ ایک بار پھر وہی کشمکش شروع ہوگئی۔ لیکن کب تک؟ آخر میں کب تک اس طرح کیشپ کی ذہنی قوت کا مقابلہ کرتا رہتا۔ ایک تو میں جسمانی طور پر خود کو نڈھال سا محسوس کر رہا تھا۔ دوسرے کئی بار اس ذہنی تجربے نے میرے ذہن کو ہلا کے رکھ دیا تھا۔ آخری بار مجھے اپنے ذہن کی رگیں پھٹتی محسوس ہوئی تھیں۔ اپنے دشمن کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن جانے سے میں مرجانا بہتر سمجھتا تھا۔ میرا ذہن کسی بھی قیمت پر کیشپ کی بات ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ کیشپ یہ جاننے کے بعد آگ بگولا ہو جائے گا لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی میرے علم میں تھا کہ وہ فوری طور پر مجھے ختم نہیں کریگا۔ اس کا منتقمانہ مزاج یقیناً مجھے کچھ دن زندہ رہنے کی مہلت ضرور دے گا اور ان دنوں میں عین ممکن تھا کہ فرار کی کوئی راہ نکل آئی۔

اب میں اس بات کو بھی بخوبی سمجھ چکا تھا کہ کیشپ مجھے اپنے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کیوں بنانا چاہتا ہے۔؟ جب وہ صاحب اقتدار بن چکا ہے تو اُسے میری ضرورت کیوں پیش آ رہی ہے؟ اس کی وجہ میری نظر میں صرف ایک تھی کہ کالدیپ کے عوام کسی بھی صورت کیشپ کو اپنا سربراہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے اور وہ زیادہ عرصے عوام کی مرضی کے خلاف ان پر حکمرانی نہیں کر سکے گا کیوں کہ اس صورت میں عوام اس کے خلاف بغاوت بھی کر سکتے تھے۔ طاقت کے زور پر وہ زیادہ عرصے اپنے اقتدار کو برقرار نہیں رکھ سکتا تھا اور ان حالات میں تو ایسا قطعی ناممکن تھا جب کہ عوام اس سے نفرت کرتے تھے۔ کیشپ کے لیے حکمرانی کی صرف اور صرف ایک راہ یہی تھی کہ وہ مجھے اپنا آلۂ کار بنالیتا اور میرے ذریعے حکومت کرتا۔ یقیناً یہی وجہ تھی کہ وہ مجھے رام کرنے کے لیے محبت اور نفرت دونوں کو بیک وقت استعمال کر رہا تھا کہ اگر میں محبت سے نہ مانوں تو اس کی نفرت اور موت کی دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر اپنی ضد چھوڑ دوں۔ کیشپ کے اقتدار کا سارا دارومدار میری ایک ہاں یا نہیں پر تھا۔ اگر میں اس کی بات مان لیتا تو ہر طرح اس کی جیت تھی اور نہ مانتا تو وہ میرے خلاف انتقامی کارروائی کرتا چاہے انجام کار اسے اقتدار سے ہاتھ دھو لینے پڑتے۔ میں جانتا تھا کہ اگر اسے یہ اندیشہ ہو گیا کہ اقتدار اس کے ہاتھ سے نکل جائیگا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیگا۔

قید سے باہر کی دنیا کے بارے میں کچھ جاننے کا ذریعہ میرے پاس صرف میری ذہنی قوت تھی۔ سب سے پہلے میں جو بات جاننا چاہتا تھا وہ یہ تھی کہ کیشپ اقتدار پر کس طرح قابض ہو گیا اور یہ بات جاننے کے لیے مجھے خاقان کے ذہن تک پہنچنا تھا۔ جب تک تمام حالات میرے علم میں نہ آ جاتے میرے لیے کسی فیصلے پر پہنچنا مشکل تھا۔ میں یہ تو معلوم کر ہی چکا تھا کہ خاقان زندہ ہے اس لیے میں نے یکسوئی ذہن کے ساتھ ایک بار پھر اس کے ذہن سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی بہت جلد میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اب میں خاقان کے ذہن کو پڑھ رہا تھا۔

خاقان اس وقت سخت ذہنی اذیت میں مبتلا تھا۔ وہ میرے ہی بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ میری طرف سے فکر مند تھا۔ خاقان اس ذہنی قوت کا مالک نہیں تھا جو میرے پاس تھی اس لیے میں صرف اس کے ذہن کو پڑھنے پر قادر تھا نہ میں اسے کوئی مشورہ دے سکتا تھا اور نہ ہی وہ مجھ سے ذہنی طور پر ہمکلام ہو سکتا تھا لیکن میرے لیے یہ بھی بہت تھا کہ میں اس کا ذہن پڑھ کر معلوم کر لوں کہ اس پر کیا گزری؟ اب میں خاقان کے ذہن کی یادیں ٹٹول رہا تھا۔ میں نے جو کچھ معلوم کیا اس کا حاصل یہ تھا کہ بس اچانک اسے اطلاع ملی تھی کہ کیشپ محل میں آ گیا ہے۔ ابھی وہ حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے کوئی تجویز سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے دیکھا کیشپ سپہ سالار اعظم کیمرون کے ہمراہ اس کے کمرۂ خاص میں داخل ہوا۔ انہیں دونوں کے پیچھے فوج کے کچھ بڑے عہدیدار بھی تھے۔ کیمرون اور اس کے ساتھی مسلح تھے۔ کیشپ کے ہمراہ کیمرون اور دوسرے اعلیٰ فوجی افسران کو اس حالت میں دیکھ کر خاقان نے اندازہ لگایا کہ معاملہ سنگین نوعیت کا ہے اور عین ممکن ہے کہ ملک میں فوجی انقلاب آ چکا ہو۔ اس سے پہلے کہ خاقان کچھ کہتا اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اور گرفتاری کا یہ حکم کیشپ نے دیا تھا۔ خاقان کو محل ہی کے ایک قید خانے میں قید کر دیا گیا اس دوران اس نے کئی بار کیشپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی مگر اس کے محافظوں نے

کھول دیئے تھے نڈھال ہونے کے باوجود میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ سپہ سالارِ اعظم کیمرون کا ذہن پڑھنے کے بعد اب یہ ضروری نہیں رہا تھا کہ میں عوام کے ذہنوں کو پڑھنے کی کوشش کرتا۔ حالات میرے اندازے کے مطابق میرے حق میں کروٹ لے رہے تھے۔ اگر میں کسی طرح اس قید سے فرار ہو کر عوام تک پہنچ سکتا تو کیشپ کی خود ساختہ حکومت ایک آن بھی عوامی جدوجہد کے سامنے نہ ٹھہر سکتی اس کے علاوہ غیر ملکی ایجنٹوں کی مدد بھی میرے لیے سود مند ثابت ہو سکتی تھی میں اس سلسلے میں برطانوی حکومت سے بھی مدد حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن سب سے پہلا مسئلہ تو میری رہائی کا تھا اور اب میں مزید قید میں رہنے کے قابل بھی نہیں تھا اگر مجھے یہاں دو ایک دن اور اسی حالت میں گزر جاتے تو میں اپنی جسمانی نقاہت کے سبب کچھ بھی نہ کر پاتا۔ آخر کافی سوچ بچار کے بعد میں ایک فیصلے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ میں کیشپ کی بات مان لوں گا ہر چند کہ یہ فیصلہ میری انا کے خلاف تھا لیکن میرے پاس فی الحال اس کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ قید سے فوری رہائی کی واحد صورت یہی تھی یہ فیصلہ میرے دل کا فیصلہ نہیں دماغ کا فیصلہ تھا۔ میرے دل نے اس فیصلے کو قبول نہیں کیا تھا۔ میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اس قید سے نکلنے کے بعد کیشپ کے دامِ فریب سے نکلنے کی کوشش کروں جب میں قید سے باہر اور بظاہر ہی سہی برسرِ اقتدار ہوں گا تو بہت کچھ کر سکوں گا۔ وہاں پہنچ کر میں غیر ملکی ایجنٹوں سے بھی کسی نہ کسی طرح رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں اور ان کے ذریعے بھی کیشپ سے نبرد آزما ہونے کی راہ ہموار کر سکتا ہوں۔ ان حالات میں میں بخوبی سمجھ چکا تھا کہ میرے قید سے رہا ہوتے ہی اور کیشپ کی بات مانتے ہی کیشپ مجھے فوراً اقتدار سپرد کرے گا تا کہ ملک میں پھیلی ہوئی بغاوت ختم ہو جائے۔

اب صرف ایک مسئلہ میرے سامنے تھا کہ آیا کیشپ میرے اوپر اعتبار کرے گا بھی کہ نہیں؟ وہ میرے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مجھ سے کوئی بات منوا لینا انتہائی مشکل کام ہے۔ جہاں میرے ذہن میں یہ اندیشہ تھا وہاں مجھے یہ بھی امید تھی کہ کیشپ فوراً وہی سب کچھ کرے گا جو میں نے سوچا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ملک خانہ جنگی کی حد تک آ پہنچا تھا۔ عوام بغاوت کرنے لگے تھے اور یہ بغاوتیں شاہی خاندان کے حق میں تھیں۔ اس صورت میں جب کہ شاہی خاندان کا کوئی فرد برسرِ اقتدار آ جاتا۔ بغاوتیں ختم ہو سکتی تھیں۔ ان بغاوتوں کو روکنا کیشپ کے بس میں نہیں تھا اس لیے میری طرف سے رضا مندی کے بارے میں جان کر اسے کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہیں ہو گی اگر وقتی طور پر اسے میری طرف سے کچھ شک بھی ہو گا تو حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وہ اپنے شک کو دبا دے گا کیونکہ یہی راستہ اس کے لیے بہتری کا تھا۔ دوسری صورت میں عوامی بغاوت کی کامیابی کے بعد اس کی لاش کسی بھی چوراہے پر لٹکی ہوئی نظر آ سکتی تھی جو بہر حال وہ کسی طرح نہیں چاہتا ہو گا۔ میں نے اب فیصلہ کیا تھا کہ اگر کیشپ نے مجھ سے ذہنی رابطہ استوار کرنے کی کوشش کی تو میں حارج نہیں ہوں گا۔ ان حالات میں تو قع تھی کہ وہ گھبرا کر مجھ سے رابطہ قائم کرتا مگر کافی دیر انتظار کرنے کے باوجود جب میری توقع پوری نہ ہوئی تو میں فکر مند ہونے لگا۔ میں خود بھی اس سے رابطہ قائم کرنے پر قادر تھا مگر اس طرح میں اس کے شکوک و شبہات کو ہوا دینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ یقیناً شک میں پڑ جاتا اور پھر مجھے استعمال کرنے کی بجائے وہ حالات سے نمٹنے کے لیے کوئی اور صورت تلاش کرتا خواہ وہ اس کے لیے تباہی کا سبب ہی کیوں نہ بنتی۔ پھر میرا کیا حشر ہوتا اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

اب میرے لیے سوائے صبر کرنے کے اور کیشپ کے ذہنی رابطے کا انتظار کرنے کے اور کوئی صورت نہیں تھی۔ جسمانی نقاہت اور بھوک سے میری حالت رفتہ رفتہ خراب ہوتی جارہی تھی۔ اندھیرے اور تنہائی نے ایک بار پھر مجھے مایوسیوں کے عمیق غار میں دھکیل دیا۔ میں اپنی زندگی کی طرف سے مایوس ہونے لگا۔ اب میں اس بات سے پچھتا رہا تھا کہ میں نے جو نتیجہ اتنی دیر بعد اخذ کیا تھا پہلے کیوں نہ اس نتیجے تک پہنچ گیا۔ کہیں کیشپ میری طرف سے قطعی مایوس تو نہیں ہوگیا؟ ایسا ممکن بھی تھا میں نے ہر بار اپنے دماغ تک اس کی ذہنی رو کی رسائی میں مداخلت کی تھی۔ کاش میں ایسا نہ کرتا۔ میں نہ جانے کب تک انہی خیالات میں الجھارہا اور مایوسیاں میرے گرد اپنا حلقہ تنگ کرتی رہیں۔ اسی کیفیت میں اونگھتے اور نڈھال ذہن سے میں نے محسوس کیا کہ میرے ذہن میں ایک ہلکی سی سرسراہٹ ہوئی مگر یہ میرا واہمہ بھی ہوسکتا تھا کیونکہ اس سے پہلے بھی کئی بار میری خواہشات نے مجھے ایسا دھوکہ دیا تھا لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا مجھے اپنے سر میں شدید درد محسوس ہوا اور مسلسل ذہنی جھٹکوں نے میرے حواس کو پوری طرح بیدار کردیا۔

''ارسلان! ارسلان! کیا تم میری آواز سن رہے ہو۔ میں بہت دیر سے تمہیں پکار رہا ہوں' بولو جواب دو۔'' میرے ڈوبتے ذہن میں کیشپ کی آواز گونج رہی تھی۔

''ہاں...... ہاں...... میں...... میں تمہاری آواز سن رہا ہوں بولو...... کیا چاہتے ہو تم مجھ سے؟'' میرے تھکے ہوئے ذہن نے بمشکل جواب دیا۔

''میں تمہارا فیصلہ سننا چاہتا ہوں ارسلان! اس سے پہلے بھی میں نے کئی بار تم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی مگر ہر بار تم نے شاید اپنے ذہن کے غیر مرئی دروازے بند کردیئے۔ اپنی قسمت سے لڑنے کی کوشش نہ کرو ارسلان اور میں نے جو کچھ کہا ہے اسے مان لو۔ مان لو کہ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے بولو! کیا کہتے ہو؟ کالدیپ کی سربراہی تمہارے منتظر ہے۔ اور اگر تم اب بھی اپنی ضد پر قائم رہے تو...... تو...... میں وہ الفاظ دوبارہ نہیں دہرانا چاہتا جو تمہاری روح کو اذیت میں مبتلا کردیں تم خود مجھ سے اچھی طرح واقف ہو۔ میں پہلے ہی تمہیں سب کچھ بتا چکا ہوں۔ خاموش کیوں؟ بولو جواب دو۔''

میں چاہتا تھا کہ اس کی بات کو فوراً ہی تسلیم نہ کروں اس لیے میں نے کچھ دیر بعد کہا۔

''میں اب تمہاری بات پر ٹھنڈے دل سے فیصلہ کرنے اور سوچنے کے لیے تیار ہوں لیکن فی الحال میرا ذہن اور جسمانی حالت اس قابل نہیں کہ میں کسی نتیجے پر پہنچ سکوں تم نے مجھے بھوکا پیاسا رکھ کر مجھ پر ظلم کیا ہے۔ بہر حال پہلے تم میرے خورد ونوش کا انتظام کرو تاکہ میں اپنے حواس بجا ہونے کے بعد کوئی صحیح فیصلہ کرسکوں۔'' میں نے کیشپ کی بات کا جواب دیا حالانکہ میں جانتا تھا کہ وہ کبھی اس بات پر آمادہ نہیں ہوگا کیوں کہ اس کے علم میں تھا کہ مجھے وہ انتہائی مجبور و بے بس کرکے تو اپنا حکم ماننے پر مجبور کرسکتا ہے کسی اور صورت میں نہیں اس لیے وہ کبھی بھی مجھے سنبھلنے کا موقع دینے پر آمادہ نہ ہوگا اور وہی ہوا بھی۔

''تم مجھے بچہ سمجھتے ہو ارسلان! ایسا قطعی ناممکن ہے میں تمہیں سوچنے کے لیے کافی وقت دے چکا ہوں اور اب مزید وقت نہیں

دے سکتا۔ تم اس عرصے میں سب کچھ سوچ چکے ہو گے۔ تمہیں اسی وقت اپنا فیصلہ سنانا پڑے گا۔ اور اسی حالت میں۔'' کیشپ کی سخت آواز گونجی۔

''کیشپ! تم میری مجبوری اور بے بسی سے کھیل رہے ہو حالانکہ تم خود کہہ چکے ہو کہ مجھے اپنی اولاد سے زیادہ چاہتے ہو۔ کیا اولاد کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے جو تمہارا میرے ساتھ ہے؟'' میں نے ایک اور کھیل کھیلا تاکہ وہ مجھے کچھ نرم پڑتے دیکھ کر میری بات میں دلچسپی لے۔

''ارسلان! میرے بچے وقت اور حالات سب کچھ کرا دیتے ہیں۔ تم ٹھیک کہتے ہو کہ اولاد کے ساتھ یہ سلوک روا نہیں مگر...... مگر میں مجبور تھا۔ میں مجبور ہوں۔ آخر تم میری بات کیوں نہیں مان لیتے۔'' مجھے نرم ہوتے دیکھ کر میری توقع کے مطابق کیشپ نے محبت کا حربہ استعمال کیا اور میں نے دانستہ اس کی محبت کے فریب میں آنے کی اداکاری کی۔

''اگر تم اپنی بات منوانے کے لیے مجھ پر جبر نہ کرتے تو...... تو شاید میں اپنی ضد چھوڑ دیتا مگر تم نے......''

''میں نادم ہوں میرے بچے! نادم ہوں۔'' کیشپ نے میری بات کاٹ کر کہا: ''کیا تم اپنے بزرگ کی غلطی کو درگزر نہیں کرو گے؟'' کیشپ کے لہجے سے سراسر ریاکاری ٹپک رہی تھی مگر مجھے تو دانستہ فریب کھانا تھا۔

اتنی دیر تک ذہنی مشقت سے اب میرے اعصاب جواب دینے لگے تھے اور میرے لیے یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ اپنے ذہن کو مزید قابو میں رکھ سکوں مجھے اپنا ذہن بار بار ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس لیے میں نے جلدی سے کیشپ کی بات کا جواب دے دیا۔

''مجھے...... مجھے تمہاری بالادستی منظور ہے میں...... میں وہی کروں گا جو تم چاہو گے اور......'' اس کے بعد میرے ذہن نے جواب دے دیا اور میں نے اپنے وجود کو تاریکیوں میں ڈوبتے محسوس کیا۔

جب میں تاریکیوں سے ابھرا تو خود کو روشنیوں میں پایا۔ میں نے بمشکل آنکھیں کھول کر اطراف کا جائزہ لیا۔ میری پہلی نظر شاہی طبیب پر پڑی۔ جو میرے اوپر جھکا ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے اپنی مسہری کے اردگرد بہت سے آشنا اور نا آشنا چہرے دیکھے۔ ان میں سپہ سالارِ اعظم کیمرون بھی تھا اور کیشپ بھی میں اس وقت محل میں تھا۔ محل کے اس حصے میں جو صرف خاقان ہی کے لیے مخصوص تھا۔ طبیب نے مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر دوا کا پیالہ میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔

کچھ دیر بعد ہی مجھے اپنے اعصاب پرسکون محسوس ہوئے اور ایک بار پھر میرے ذہن پر فرحت و سکون کے احساس سے غنودگی چھا رہی تھی۔ میں نہ جانے کب تک بے خبر پڑا رہا۔ دوبارہ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو پہلے سے بہتر حالت میں پایا۔ اب میں بول بھی سکتا تھا۔ اب میرے اردگرد صرف طبیب کیمرون اور کیشپ نظر آرہے تھے۔

''اب کیا حال ہے میرے بچے!'' کیشپ کی محبت بھری آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

''ٹھیک ہوں۔'' میں پہلی بار بولا۔ ''مجھے کچھ بھوک محسوس ہو رہی ہے۔''

طبیب نے قریبی میز پر رکھا ہوا ایک طلائی کٹورا اُٹھایا جس میں غالباً تازہ پھلوں کا رس تھا۔ اس نے پیالہ میرے ہونٹوں سے لگا دیا اور میں نے ایک ہی سانس میں پیالہ خالی کر دیا۔

''حضور کا معدہ ابھی اس قابل نہیں کچھ دیر توقف فرمائیں۔'' طبیب نے مودب لہجے میں کہا۔

جب میرے حواس اعتدال پر آنے لگے تو میرا ذہن ایک بار پھر ان حالات سے الجھ گیا جن سے میں نبرد آزما تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ اب ملک کی صورتِ حال کیا ہے؟ اس کے علاوہ میں کیشپ سے بھی کچھ گفتگو کرنا چاہتا تھا جس کے لیے تخلیہ ضروری تھا۔ میں نے پہلے سے ہی گفتگو کرنا مناسب خیال کیا

''میں کچھ دیر کے لیے تخلیہ چاہتا ہوں۔'' میں نے کیشپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''مجھے کچھ اہم گفتگو کرنی ہے۔''

کیشپ کے اشارے پر کیمرون اور طبیب کمرے سے نکل گئے۔

''بولو! کیا بات ہے؟'' کیشپ ان دونوں کے جاتے ہی مجھ سے مخاطب ہوا۔ اس کے لہجے سے الجھن ظاہر ہو رہی تھی۔

''میں خاقان کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''اسے بھول جاؤ! ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ اب تم کالدیپ کے سربراہ ہو۔ اگر خاقان منظرِ عام پر آ گیا تو عوام کی رائے دو حصوں میں بٹ جائے گی۔ کچھ لوگ اسے تخت نشین دیکھنا چاہیں گے اور پھر ایک پیکار شروع ہو جائے گی اور میں یہ سب نہیں چاہتا۔'' کیشپ نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

''خاقان میرا بھائی ہے۔ اس کی اور میری رگوں میں ایک ہی خون گردش کر رہا ہے میں اسے ہرگز نہیں بھول سکتا۔ میں اقتدار کی خاطر اسے فراموش نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس پر کسی قسم کا ظلم برداشت کر سکتا ہوں۔'' میں نے بھی فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔ ہر چند کہ میں

اب تم نے لے لی ہے۔ میرے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ ارسلان کی حیثیت ہی سے تمہیں تخت پر بٹھا دیتا لیکن ایسا کرنے میں کچھ الجھنیں درپیش تھیں۔ پہلی الجھن تو یہ کہ آج کل ملک کے حالات بہت نازک ہیں عوام بغاوت پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ تمہارے آنے کے بعد اب صورتِ حال کچھ بہتر ہوئی ہے جب تم ہوش میں آئے تھے تو تم نے یہاں کچھ اجنبی چہرے بھی دیکھے ہوں گے وہ عوامی نمائندے تھے جو خود تمہیں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔ اب وہ تمہیں دیکھ کر مطمئن ہو چکے ہیں۔ انہیں بھی یہی بتایا گیا تھا کہ تم خاقان ہو۔ اس صورت میں تمہاری تاجپوشی کوئی بھی ہنگامہ کھڑا کرسکتی ہے دوسرے یہ کہ لوگ خاقان کے بارے میں جاننے کی جستجو کریں گے کہ وہ کہاں گیا؟ اس طرح حالات الجھ سکتے ہیں۔ تمہارے بارے میں لوگوں کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ تم سیاحت کی غرض سے بیرون ملک گئے ہوئے ہو۔ ان حالات میں میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ تم خاقان کا کردار ادا کروگے اور خاقان نظر بند رہے گا۔ غالباً اب تم میری پوری بات اچھی طرح سمجھ چکے ہوگے۔'' کیشپ نے اپنی بات ختم ہوئے میری آنکھوں میں جھانکا۔

میں نے اس کی بات سن کر ایک ٹھنڈی سانس لی۔ کیشپ یقیناً ایک شیطانی ذہن کا مالک تھا اس نے مکمل اور بھرپور منصوبہ بنایا تھا کیشپ کی گفتگو کے بعد میری ذہنی الجھن ختم ہوچکی تھی۔ اس کی بات کے جواب میں ظاہر ہے کہ مجھے ہاں ہی کہنا تھا اور نہ صرف اس وقت مجھے اس کی ہر بات سے اتفاق کرنا تھا بلکہ جب تک حالات پوری طرح میرے قابو میں نہ آجاتے۔ مجھے کیشپ کی ہر بات ماننی تھی۔ میرے علم میں تھا کہ میری حیثیت ایک ''شو بوائے'' کی سی ہے۔ تمام اختیارات کیشپ ہی کے ہاتھ میں رہیں گے۔ میرا کام صرف اس کے احکامات کی تعمیل ہوگا۔

محل میں آنے کے بعد سروش مجھے پہلے سے بھی کچھ زیادہ یاد آنے لگی تھی کیونکہ یہ وہی در و دیوار تھے جہاں کبھی اس کے لطیف جسم کی خوشبو مہکتی تھی کیشپ میرے پاس سے اُٹھ کر چلا گیا تو مجھے خاقان کا خیال آیا کیشپ نے مجھے بتایا تھا کہ میری اصل شخصیت کے بارے میں سپہ سالار کیمرون کو بھی معلوم ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا یقیناً اسے خاقان کے بارے میں علم ہوگا کہ اسے کہاں نظر بند رکھا گیا ہے۔ قید کے سلسلے میں خاقان کا ذہن پڑھنا بے حد سود تھا۔ مجھے یقین تھا کہ خاقان کو اب محل کے قید خانے سے کہیں اور منتقل کیا جاچکا ہوگا اور عین ممکن تھا کہ اس سلسلے میں خود خاقان کو بے خبر رکھا گیا ہو کہ وہ کہاں مقید ہے؟

میں اب اپنے لیے کوئی لائحہ عمل طے کرنا چاہتا تھا جس کے ذریعے میں کیشپ کی مضبوط گرفت سے آزاد ہوسکوں اور ساتھ ساتھ ہی خاقان کو بھی اس قید سے رہائی دلاسکوں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے میں نے یہ جاننا ضروری سمجھا کہ اس جگہ کے بارے میں پتا لگاؤں جہاں خاقان کو رکھا گیا ہے۔ تنہائی ملتے ہی میں نے اپنی ذہنی قوت کا سہارا لیا اور اس کے ذریعہ کیمرون کے ذہن تک جا پہنچا۔ اس وقت اس کے ذہن پر خوف کے سائے چھائے ہوئے تھے۔ وہ سخت پریشان اور ہراساں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کیشپ کے حکم کی تعمیل نہیں کرے گا۔ وہ ایسا ہرگز نہیں کرسکتا کیوں کہ اس کا مطلب خود اس کی موت ہے اگر کبھی وہ راز کھل گیا تو اسے کوئی طاقت موت سے نہیں بچا پائے گی۔ وہ اتنا بڑا گناہ نہیں کرسکتا۔ کچھ بھی سہی مگر اسے نمک حرامی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کیمرون اس وقت جو کچھ سوچ رہا تھا اس کی

سبب دریافت کرنے کے لیے میں نے اس کے ذہن کو ٹٹولا کہ آخر کیشپ نے اسے کون سا ایسا حکم دیا ہے جس سے وہ اس قدر خوفزدہ ہے؟ وہ کیشپ کی حکم عدولی پر کیوں مجبور ہو رہا ہے؟ میرے علم میں تھا کہ وہ کیشپ کے ساتھ مل گیا ہے اور ملاپ میں بڑی حد تک اس عقیدت کے علاوہ کیشپ کی ذہنی قوتوں کا دخل ہے۔ پھر ایسی کیا بات ہوگئی کہ اب وہ ان تمام باتوں کے باوجود کیشپ سے سرکشی کرنا چاہتا تھا؟ میرے اس سوال کے جواب میں مجھے جو کچھ اس کے ذہن سے معلوم ہوا اسے جان کر میرا خون کھول اٹھا۔ کیشپ اس حد تک جا سکتا تھا یہ میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ اتنا بھیانک اور خطرناک کھیل کھیل رہا تھا کہ جس نے میری روح تک کو لرزا دیا تھا کیشپ نے سپہ سالار اعظم کیمرون کو حکم دیا تھا کہ خاقان کو قتل کر دیا جائے۔ غالباً وہ ہمیشہ کے لیے اس کانٹے کو اپنی راہ سے ہٹا دینا چاہتا تھا۔ ظاہر تھا کہ خاقان کے بعد خاندان شاہی میں، میں ہی تخت پر بیٹھ سکتا تھا اور مجھے وہ اپنے قابو میں کر چکا تھا۔ کیشپ اقتدار پر قبضہ کرنے کی سازش میں کامیاب ہو چکا تھا اور اب وہ اس سازش کی جڑوں کو خاقان کے قتل سے اور بھی مستحکم کرنا چاہتا تھا لیکن یہ بات میرے حق میں تھی کیمرون اس فیصلے کے حق میں نہیں تھا کہ خاقان کو قتل کر دیا جائے۔ غالباً ابھی اس کے خون میں خاندان شاہی کا احترام باقی تھا۔ میں واقف تھا کہ کیشپ کسی بھی طرح کیمرون کی خفگی مول نہیں لے سکتا تھا کیوں کہ اس کے ذریعے وہ کالدیپ کی افواج کو اپنے قابو میں کیے ہوئے تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں اس بات سے بھی بخوبی واقف تھا کہ کیشپ اپنی بات منوانے پر بھی قادر ہے وہ کسی نہ کسی طرح کیمرون سے اپنا مقصد پورا کر سکتا تھا اور کیشپ کی کامیابی کا مطلب انتہائی ہولناک تھا مجھے کیمرون کا ذہن پڑھ کر ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ خاقان کو محل کے تہہ خانوں سے نکال کر جزیرہ دیبال روانہ کیا جا چکا ہے تاکہ وہاں خاموشی کے ساتھ اسے ٹھکانے لگا دیا جائے اور کیشپ مجھے اسی غلط فہمی میں مبتلا رکھے کہ خاقان نظر بند ہے اور زندہ ہے۔

میں اضطراب و بے چینی کے عالم میں اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا کہ خاقان کا خادم خاص کمرے میں داخل ہوا اور اس نے میرے بالکل قریب پہنچ کر اپنے لباس میں ہاتھ ڈالا اور ایک لفافہ میرے ہاتھ میں دے کر الٹے قدموں کمرے سے نکل گیا۔ ہر چند کہ جب وہ میرے اس قدر قریب آیا تھا تو میری پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں تھیں کیوں کہ اس کا اتنے نزدیک آنا شاہی آداب کے خلاف تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں اس سے کچھ کہتا اس نے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر ایک لفافہ میری طرف بڑھا دیا تھا۔ میں اب معاملے کی نوعیت کو سمجھ چکا تھا۔ یقیناً وہ خادم لفافہ دینے کے لیے میرے اس قدر قریب آیا تھا تاکہ اگر اس وقت کمرے میں کوئی اور شخص داخل ہو تو اسے لفافہ دیتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔ یہ کسی کی طرف سے میرے لیے کوئی خفیہ پیغام تھا۔ میں نے جلدی سے لفافہ چاک کیا اور جوں جوں میری نظریں لفافے میں موجود پیغام پر پڑتی گئیں میری آنکھوں میں روشنی آتی گئی۔ پیغام یہ تھا۔

''یار عزیز! زندہ سلامت رہو!

جب ہم اور تم آخری بار ملے تھے تو کیشپ تم میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ مجھے فرار کا موقع مل گیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ تمہارا دوست ہونے کے سبب وہ مجھے بھی نہیں بخشے گا۔ میں نے فرار کے بعد بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہ معلوم کر سکوں کہ تم اور خاقان کہاں ہو؟ تمہیں

کہاں رکھا گیا ہے مگر میں معلوم نہ کر پایا۔ ہر چند کہ محل میں ہمارے خاصے ہمدرد موجود تھے اور موجود ہیں مگر ان کے علم میں بھی اس سلسلے میں کچھ نہیں آیا۔ کیشپ نے جیسے ہی اپنے اقتدار میں آنے کا اعلان کیا عوام میں بے چینی پھیل گئی اور پھر اسی دن چند اجنبی غیر ملکی مجھ سے ملے جنہیں میں نے جزیرہ کاران میں خفیہ طور پر عوام میں اسلحہ تقسیم کرتے دیکھا میں نے محسوس کیا کہ وہ غیر ملکی کیشپ کی حکومت کے خلاف تھے اس کا لازمی نتیجہ یہی نکالا جا سکتا تھا کہ وہ لوگ شاہی خاندان کے حق میں تھے۔ وہ عوام کے ذریعے حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کرانا چاہتے تھے اور خود عوام بھی کیشپ کے خلاف تھے۔ پھر میرے علم میں آیا کہ جزیرہ سا گون پر بھی عوام حکومت کے خلاف بغاوت کر چکے ہیں اور وہاں بھی چند غیر ملکیوں نے عوام کو اسلحہ فرام کیا تھا۔ غیر ملکیوں میں میری دلچسپی بڑھ گئی اور جب انہیں میں نے اپنے بارے میں بتایا تو انہوں نے بھی مجھ میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ شاہی محل میں بھی ہمارے آدمی موجود ہیں۔ مختصراً یہ کہ ہمیں شاہی محل کی ایک اطلاع ملتی رہی۔ غیر ملکی بھی محل پر نظر رکھے ہوئے تھے ایک رات انہیں میں سے ایک نے مجھے اطلاع دی کہ محل سے کسی شخص کو خفیہ طور پر کہیں منتقل کیا جا رہا ہے۔ ہم لوگوں نے تعاقب کیا اور جزیرہ دیبال تک جا پہنچے وہ شخص خاقان تھا جسے دیبال کی ایک خفیہ عمارت میں منتقل کیا گیا ہے۔ وہ عمارت براہِ راست فوج کے قبضے میں ہے تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ان فوجیوں کے علم میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ان کے سپرد جس شخص کی نگرانی کی گئی ہے وہ کالدیپ کا سربراہ ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہی تھی کہ جس فوجی افسر کے سپرد اس عمارت کی نگرانی تھی وہ میرا شناسا تھا اس وقت تک خود میں بھی مشکوک تھا کہ عمارت میں کسے منتقل کیا گیا ہے تمہیں یا خاقان کو؟ میں اس فوجی افسر سے ملا اور اس سے اپنے شک کا اظہار کیا۔ وہ حالات سن کر حیران رہ گیا۔ وہ ذاتی طور پر بھی کیشپ کے خلاف تھا لیکن سپہ سالار اعظم کیمرون کا وفادار تھا اور اس سے غداری کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا ہم نے صرف اس سے اتنی مدد چاہی کہ ہمیں صرف یہ معلوم ہو جائے کہ وہ قیدی کون ہے؟ وہ خود بھی یہ راز جاننے کے لیے بے چین تھا کیوں کہ خود کیمرون اس قیدی کو لے کر وہاں تک آیا تھا اور اس کے کچھ خاص الخاص آدمی بھی اس قیدی کے ہمراہ آئے تھے تاکہ اس کی نگرانی اور خورد ونوش کے انتظامات خود سنبھال سکیں اور اس قیدی پر کسی دوسرے کی نظر نہ پڑ سکے۔ بہر حال کسی طرح اس فوجی افسر نے ہمیں یہ اطلاع فراہم کر دی کہ وہ قیدی خاقان ہے لیکن اس کے باوجود میری تسلی نہ ہوئی کیوں کہ میں جانتا تھا کہ بہت کم لوگ تم میں اور خاقان میں امتیاز کر سکتے ہیں میں نے بمشکل اس فوجی افسر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک نظر مجھے بھی قیدی کو دکھا دے خاقان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مجھے یقین ہوا کہ وہ تم نہیں ہو۔ پھر جب کیشپ نے اعلان کیا کہ خاقان کی علالت کے سبب وقتی طور پر اس نے اقتدار سنبھال لیا تھا اور خاقان محل ہی میں موجود ہے اور اسے اب کیشپ دوبارہ اقتدار سپرد کر چکا ہے اس لیے عوام کو چاہیے کہ وہ اپنی بغاوت ختم کر دیں۔ ہم لوگ یہ اعلان سن کر حیرت میں رہ گئے اور ہم نے عوامی نمائندوں کے ذریعے مطالبہ کیا کہ عوام کے نمائندے خود اپنی آنکھوں سے خاقان کو دیکھیں گے اس کے بعد ہتھیار رکھ دیں گے۔ ان عوامی نمائندوں میں خود میں بھی شامل ہو گیا۔ ایک غیر ملکی نے مجھے حیرت انگیز طور پر نوجوان سے ادھیڑ عمر بنا دیا تھا۔ اس نے میرے چہرے پر نہ جانے کیا کیا لگایا تھا اور پھر جب میں نے آئینہ دیکھا تو خود بھی اپنی صورت دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ میں نے خود تمہیں اپنی آنکھوں سے ہوش میں آتے دیکھا۔ اس کے بعد ہم

سب کچھ سمجھ گئے کیشپ خاقان کو قید میں رکھ کر تمہیں خاقان ظاہر کر رہا تھا اور غالباً اس نے تمہیں کسی طرح اس بات پر مجبور کر دیا ہو گا میرے غیر ملکی دوست بھی یہ سب جان چکے ہیں۔ اب میرا اور ان غیر ملکی دوستوں کا ارادہ یہ ہے کہ کسی طرح خاقان کو دیبال سے اغوا کر کے کسی محفوظ جگہ چھپا دیا جائے کیوں کہ اس کی زندگی بہر حال وہاں خطرے میں ہے۔ کیشپ اور کیمرون کے علاوہ تم پر بھی ہمارے آدمیوں کی پوری نظر ہے۔ تم کسی طرح نہ گھبرانا یہ سب میں نے تمہیں اس لیے تحریر کیا ہے تا کہ تم حالات سے باخبر رہ سکو اور خاقان کے بارے میں فکر مند نہ ہو حالات بہت جلد ہمارے حق میں ہوں گے دوست اگر تمہاری زندگی کے لیے ذرا سا بھی خطرہ میں نے محسوس کیا تو تم دیکھو گے کہ تم پر نثار ہونے والا پہلا شخص احمر ہو گا۔ اگر تم مجھ تک کوئی اہم پیغام پہنچانا چاہتے ہو تو جس خادم نے تمہیں یہ خط دیا ہے تم اسے پیغام دے سکتے ہو وہ ہم تک پہنچ جائے گا محل میں موجود اپنے جاسوسوں کی اطلاعات سے مجھے شک سا ہوا ہے کہ سروش ابھی زندہ ہے مری نہیں۔ بہر حال تفتیش جاری ہے۔ باقی آئندہ۔

فقط تمہارا احمر

احمر کے پیغام نے میرے ذہن میں روشنی کر دی تھی۔ غیر ملکی افراد کے بارے میں میں نے اندازہ لگایا تھا کہ ان کا تعلق یقیناً برطانیہ سے ہو گا۔ برطانیہ جو کالدیپ کی شاہی حکومت کا حامی اور دوست ہے۔ یہ خبر میرے لیے بڑی دلخوش کن تھی کہ احمر غیر ملکی ایجنٹوں کی مدد کے ذریعہ خاقان کو رہا کرانے والا تھا اس نے یقیناً ذہانت اور سوجھ بوجھ کا ثبوت دیا تھا۔ میں اب یہ سوچ رہا تھا کہ کاش سپہ سالار اعظم کیمرون کا ارادہ بدلنے سے پہلے احمر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ میں امید و ناامیدی کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ جب احمر اس تک کامیاب ہو سکتا ہے کہ خود خاقان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اسے وہاں سے اغوا بھی کرا لے مگر فوج کی نگرانی کے باوجود کسی شخص کو اس طرح اغوا کر لے جانا آسان بات نہیں تھی۔ اس لیے جہاں مجھے کچھ امید بندھتی تھی وہیں ناامیدی کے خیالات بھی مجھ پر مسلط ہو جاتے تھے۔

میں اس بات سے بھی واقف تھا کہ سپہ سالار اعظم کیمرون اور چند بڑے فوجی افسران کے علاوہ کیشپ کا نچلے عہدوں کے فوجی افسران پر کوئی اثر نہیں وہ سبھی شاہی حکومت کے وفادار و جاں نثار ہیں اس لیے اگر کبھی ایسا موقع در پیش ہوا کہ کیشپ کے خلاف عام بغاوت ہوئی تو تمام نچلے عہدوں کے فوجی افسران اور عام فوجی ہمارے ساتھ ہوں گے۔ معاملہ صرف چند بڑے فوجی افسران کا تھا اگر کسی طرح ان پر قابو پا لیا جاتا تو راستہ بالکل صاف تھا۔ کیشپ اس کے بعد بالکل بے دست و پا ہو سکتا تھا میں نے کافی دیر حالات پر سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ احمر کو اس کے پیغام کا جواب دوں تا کہ میں نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس سے احمر اور غیر ملکی ایجنٹ بھی باخبر ہو سکیں اور اس کے بعد انہیں اپنا لائحہ عمل بنانے میں آسانی ہو۔ میں نے اسے لکھا۔

''احمر!

تمہارا پیغام میرے لیے اندھیرے میں روشنی بن کر آیا۔تم نے موجودہ حالات میں جو قدم اُٹھانے کا فیصلہ کیا ہے وہ قطعی درست ہے بلکہ اس کی فوری ضرورت ہے۔ میں نے معلوم کرلیا ہے کہ کیشپ سپہ سالار اعظم کیمرون کو یہ حکم دے چکا ہے کہ خاقان کو قتل کر دیا جائے لیکن غالباً کیمرون کا خون ابھی اتنا سفید نہیں ہوا تھا۔ وہ ابھی تذبذب کے عالم میں ہے لیکن کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کب اسے کیشپ کے حکم کی تعمیل کرنی پڑے۔ کیشپ نے جو چال چلی ہے اس سے تم بھی واقف ہو چکے ہو۔ وہ خاقان کو ختم کر کے مجھے اس کی جگہ دینا چاہتا ہے اسی لیے اس نے یہ اعلان جاری کیا تھا کہ خاقان زندہ سلامت محل میں موجود ہے۔ وہ میری اور خاقان کی شباہت سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ اس طرح میرے ذریعے کالدیپ پر حکومت کے خواب دیکھ رہا ہے۔ بظاہر وہ مجھے سامنے رکھنا چاہتا ہے تاکہ عوام مطمئن رہیں مگر سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا ہے۔موجودہ صورت میں کیشپ اور کیمرون کے گٹھ جوڑ کے بعد میری حیثیت ایک کٹھ پتلی کی سی ہے خاقان کا قتل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ یہ صورتِ حال مستحکم ہوجائے اس لیے تم فوراً اپنے منصوبے پر عمل کرو اور خاقان کو کسی بھی طرح وہاں سے رہا کرالو۔ اس کی جان وہاں خطرے میں ہے۔ اس کے علاوہ میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ بھی تمہیں لکھ رہا ہوں۔ میرے اندازے کے مطابق اگر سپہ سالارِ اعظم کیمرون اور اس کے ساتھی چند اعلیٰ فوجی افسروں پر کسی طرح قابو پالیا جائے تو کیشپ کچھ بھی نہ کرسکے گا۔ وہ بالکل تنہا رہ جائے گا۔ کیونکہ جہاں تک میرا اندازہ ہے نچلے عہدوں کے تمام فوجی افسران اور عام فوجی شاہی حکومت کے جاں نثار اور وفادار ہیں۔ جب انہیں اپنے افسران اعلیٰ کے بارے میں یہ علم ہوگا کہ وہ شاہی خاندان کے خلاف سازش میں مصروف ہیں تو وہ ان کا ساتھ نہیں دیں گے اور وہی کریں گے جو تخت شاہی کا مالک ان سے کہے گا بہر حال یہ میرا اندازہ ہے جو ممکن ہے کہ درست نہ ہو تم اور تمہارے دوست اس پر غور کرنے کے بعد مناسب لائحہ عمل مرتب کرسکتے ہو۔ یہ خیال رکھنا کہ تم اور تمہارے دوست کسی طرح کیمرون اور اس کے ساتھیوں کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔ سروش کے سلسلے میں بھی اپنے آدمیوں کے ذریعہ معلومات کراؤ۔ ویسے یہ خبر میرے لیے حیرت انگیز ہے۔

گئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ کیا اسباب تھے جن کو دیکھ کر محل میں موجود لوگوں کو شک ہوا کہ سروش زندہ ہے۔ یہ بات بے سبب تو نہیں ہو سکتی تھی۔

رات جب میں سونے کے لیے بستر پر دراز ہوا تو ایک بار پھر میرے ذہن میں سروش کا خیال چکرانے لگا۔ نہ جانے کیا سوچ کر اور نہ جانے کیوں میرا جی چاہا کہ میں سروش کے ذہن تک پہنچنے کے لیے ایک آخری کوشش اور کرلوں چند لمحوں بعد ہی میرا جسم ایک دم اچھل پڑا۔ میری ذہنی رو سروش کی ذہنی سطح سے ٹکرا رہی تھی۔

''سروش! سروش'' میرے ذہن نے جیسے گردان کی کیونکہ میں جانتا تھا کہ سروش کے پاس بھی وہ ذہنی قوت موجود ہے جو میرے پاس ہے اور وہ میری بات کا جواب دینے کی بھی اہل ہے۔

''ارسلان!'' سروش کا جواب پا کر مجھے جیسے نئی زندگی مل گئی۔

''تم...... تم کہاں ہو سروش! کہاں ہو؟......'' میں نے بے تابی کے ساتھ پوچھا۔

''ابھی کچھ دیر قبل محل ہی کے کچھ افراد مجھ تک پہنچے ہیں کیونکہ کہ اس وقت بابا اپنی خلوت میں جا چکے ہیں۔ میں بابا کی نجی عبادت گاہ میں ہوں ان لوگوں نے مجھے یہاں بے ہوشی کی حالت میں پایا تھا اور وہی لوگ مجھے ہوش میں بھی لائے تھے۔ ان لوگوں کو مجھ تک پہنچنے کے لیے اپنے دو ساتھیوں سے ہاتھ دھونے پڑے ہیں کیونکہ بابا کے خاص شاگرد میری نگرانی پر متعین تھے۔ ان لوگوں نے بابا کے شاگردوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔'' سروش نے مجھے پوری طرح صورت سے آگاہ کر دیا۔

''لیکن سروش یہ کس طرح ہو گیا...... میں نے تو...... میں نے خود اپنی آنکھوں سے تمہاری لاش دیکھی تھی۔ تمہارے سینے میں دستے تک خنجر پیوست تھا اور تمہارے سینے سے خون ابل رہا تھا۔ مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے اس سے سوال کر ہی دیا۔

''تم بابا کو جانتے ہوئے بھی ایسا سوال کر رہے ہو۔ وہ بابا کی کوئی کرتب بازی رہی ہوگی ورنہ ظاہر ہے کہ میں کس طرح زندہ ہوتی۔ بابا میری موت کا ڈھونگ رچا کر تمہیں متاثر کرنا چاہتے ہوں گے۔ مجھے تو بس اتنا یاد ہے کہ بابا نے مجھے کوئی مشروب پینے کے لیے دیا تھا جس کے بعد میں نے اپنا ذہن ڈوبتا محسوس کیا۔ اس کے بعد کیا ہوا مجھے نہیں معلوم۔ غالباً اس وقت سے اب تک بابا نے مجھے بے ہوش رکھا تھا تاکہ تم مجھ سے یا میں تم سے ذہنی رابطہ قائم نہ کر سکوں۔ میں بابا کو آخری بار سمجھانے گئی تھی کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا میں نے ان سے جو کچھ کہا ہے وہ اسی پر عمل کریں گے پھر انہوں نے مجھے بڑے خلوص و محبت کے ساتھ مشروب پینے کو دیا تھا جسے پی کر میں بے ہوش ہو گئی۔'' سروش نے اپنے اوپر گزری ہوئی کیفیت سے مجھے آگاہ کیا۔

میں سروش کو اس وقت تمام حالات سے آگاہ نہیں کر سکتا تھا اس لیے میں نے اس سے کہا کہ وہ ان لوگوں پر مکمل بھروسہ اور اعتماد کر سکتی ہے جو اس تک پہنچ چکے ہیں۔ وہ لوگ سروش جو کہیں وہ اس پر عمل کرے اور اگر ضرورت پڑے تو مجھ سے ذہنی رابطہ قائم کر کے مشورہ کر لے۔ کیونکہ جو صورت حال پیدا ہو چکی تھی اس سے وہی لوگ بہتر طور پر نمٹ سکتے تھے۔ صبح تک یقیناً کیشپ کے علم میں سب کچھ آ جاتا کہ

کچھ لوگ اس کی ذاتی عبادت گاہ تک پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے اس کے شاگردوں کو بھی ٹھکانے لگا دیا ہے اس کے بعد معاملات بگڑنے کا اندیشہ ہوسکتا تھا۔ سروش کا اب وہاں رہنا کسی طرح سودمند نہیں تھا ان حالات میں اسے وہاں سے ہٹا کر کسی محفوظ مقام تک پہنچانا ضروری تھا۔ وہ لوگ جو اس تک پہنچے تھے یقیناً وہ بھی اس نتیجے تک پہنچے ہوں گے مجھے یقین تھا کہ وہ سروش کو کسی محفوظ جگہ پہنچا دیں گے اور کچھ دیر بعد ہی میرے اس خیال کی تائید بھی ہوگئی۔ سروش نے مجھ سے ذہنی رابطہ قائم کر کے بتایا کہ اسے محل سے نکال کر ان لوگوں نے احمر کے پاس پہنچا دیا ہے۔ میں یہ معلوم ہونے کے بعد مطمئن ہوگیا۔ سروش ہی سے مجھے معلوم ہوا کہ جہاں اسے پہنچایا گیا ہے اس بڑے مکان میں اس نے بہت سے فوجی افسران کو دیکھا ہے اور چند غیر ملکی بھی وہاں موجود ہیں۔ اسے اسی مکان کے ایک اندرونی کمرے میں پہنچا دیا گیا ہے اور احمر صرف اس سے یہ کہہ کر رخصت ہوگیا ہے کہ وہ ایک انتہائی اہم میٹنگ میں مصروف ہے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد وہ سروش سے مفصل گفتگو کرے گا۔

سروش سے یہ معلوم ہونے کے بعد ایک دم بستر سے اُٹھ کر کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ جو کچھ ہونے والا تھا اسکے بارے میں میں کچھ قیاسات لگا رہا تھا فوجی افسران کا اجتماع اور اس میں احمر اور اسکے غیر ملکی دوستوں کی شرکت۔ یہ بات بڑی معنی خیز تھی۔ اس کا واضح مقصد یہ تھا کہ احمر اور اسکے غیر ملکی دوستوں نے میری رائے سے مکمل اتفاق کیا تھا اور میرا خط ملتے ہی انہوں نے کام شروع کر دیا تھا۔

نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور جا چکی تھی۔ مجھے خاقان کے بارے میں جاننے کی بے چینی تھی کہ آیا احمر اور اس کے ساتھیوں نے اسے رہا کرا لیا کہ نہیں؟ اس بات کو جاننے کے لیے میرے پاس صرف ایک ہی صورت تھی کہ میں احمر کے ذہن کو پڑھتا مگر ابھی میں کچھ دیر دانستہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ اہم فوجی میٹنگ بھی ہوجائے اور میں اس میں کیے جانے والے فیصلوں سے بھی آگاہ ہوسکوں۔

میں اس شب کے بطن سے جنم لینے والے ہنگاموں سے بے خبر اپنے کمرے میں ٹہلتا رہا۔

میرا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ یہ لمحات بڑے فیصلہ کن تھے۔ حالات کوئی بھی رخ اختیار کر سکتے تھے جن کے نتائج میرے حق میں بھی ہو سکتے تھے اور میرے خلاف بھی۔ اگر کسی طرح کیشپ قبل از وقت اس متوقع فوجی بغاوت سے آگاہ ہو جاتا تو یہ بھی امکانات تھے کہ یہ بغاوت کامیابی سے ہمکنار نہ ہو پاتی۔ کیشپ کی ذہنی صلاحیتوں سے میں بخوبی واقف تھا۔ وہ کوئی معمولی ذہن رکھنے والا شخص ہرگز نہیں تھا اگر ایسا ہوتا تو حالات کبھی یہ رُخ اختیار نہ کر پاتے کہ کالدیپ کے تخت کے مالک و مختار اس کے ہاتھوں میں کھلونا بننے پر مجبور ہو جاتے ہیں اگر میرے دل کو اطمینان تھا تو صرف یہ کہ اس وقت کیشپ قطعی غافل تھا اور اس کی اس غفلت سے فائدہ اُٹھانا تھا۔ میرے وجود میں ایک پیکار جاری تھی۔ ایک اضطراب، ایک بے چینی ایک بے سکونی میری روح پر مسلط تھی اور اسی کیفیت کے سبب میں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ٹہلتے ٹہلتے نہ جانے مجھے کتنا وقت گزر گیا کہ اچانک میری سماعت سے ایک دھماکے کی آواز ٹکرائی اور میرے قدم خود بخود رک گئے۔ وہ فیصلہ کن لمحہ آ پہنچا تھا جس کا میں منتظر تھا۔ یہ دھماکہ کہیں قریب ہی سنائی دیا تھا۔ پھر پے در پے دھماکوں سے محل کے در و دیوار گونجنے لگے۔ آخر یہ ایک دم کیا ہوا؟ میں سوچنے لگا۔ مجھے تو اندازہ تھا کہ باغی فوجیں محل پر قابض ہونے کے لیے خون خرابہ نہیں

کرینگی۔ لیکن اب دھماکوں کے سبب میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ کسی بھی وقت ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لیے کیشپ نے پہلے ہی سے انتظامات کر لیے ہوں گے کیونکہ اسے بہر حال عوام کی طرف سے خطرہ لاحق تھا۔ باغی فوجوں کو یقیناً محل میں داخل ہونے سے روکا گیا ہوگا۔ اس کا واضح مقصد یہ تھا کہ محل میں کیشپ کے حامی کافی بڑی تعداد میں موجود تھے جو فوج سے مقابلہ کرنے پر بھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ یہ صورتِ حال میرے لیے اطمینان بخش ہرگز نہیں تھی۔ کیونکہ یہ دھماکے کیشپ بھی سن سکتا تھا اور یقیناً اس نے بھی سنے ہوں گے کیونکہ اس کی عبادت گاہ محل ہی کے ایک حصے میں تھی۔ اس کا ہوشیار ہو جانا خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس صورت میں یا تو وہ حالات کو اپنے حق میں استوار کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا یا حالات کو قابو سے باہر دیکھ کر فرار ہو جاتا۔ دونوں ہی صورتیں مناسب نہیں تھیں۔ اس کا فرار ہونا بھی انتہائی خطرناک تھا۔ اگر وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتا تو وہ کوئی بھی نیا فتنہ کھڑا کر سکتا تھا دھماکے اب بھی سنائی دے رہے تھے بلکہ اب ان کی شدت پہلے کی نسبت بڑھ گئی تھی۔ دھماکے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں، ایک شور، ایک ہنگامہ، نہ جانے کب تک یہی سب کچھ ہوتا رہا اور میرا دل دھڑکتا رہا اندیشے اور وسوسے میری روح پر کچوکے لگاتے رہے۔ جب یہ شور تھما تو میں چونک پڑا۔ کمرے کے دروازے پر دستک سنائی دے رہی تھی۔

دروازہ کھولتے ہی ایک نوجوان میرے سینے سے چمٹ گیا اور وہ نوجوان احمر تھا۔ میں اسے محل میں دیکھ کر حیران و پریشان سا ہو گیا۔

''محل پر آپ کے وفاداروں کا قبضہ ہو چکا ہے۔'' احمر نے مجھے خوشخبری دی......

''مم......مگر......مگر...... یہ کس طرح ہو گیا؟ کس طرح؟'' جذبات کی شدت سے میری زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

''تمہارا پیغام ملنے سے پہلے خود میں اور میرے غیر ملکی ساتھی بھی اس نتیجے تک پہنچ چکے تھے کہ فوج کے چھوٹے افسران اور عام فوجی بہر حال شاہی وفادار ہیں تمہارے پیغام کے بعد ہمارا خیال اور پختہ ہو گیا۔ غیر ملکیوں کا اثر و رسوخ فوجی افسران تک بھی تھا۔ نا معلوم انہوں نے کس طرح پہلے ہی انہیں ہموار کیا ہوا تھا۔ انہیں کے ذریعہ انہوں نے دوسرے افسران تک بھی رسائی حاصل کی اور مجھ سے کہا کہ میں تمہارا خط ان افسران کو پڑھ کر سنا دوں اور اس کے ساتھ ساتھ کیشپ اور کیمرون کی سازش سے بھی انہیں مطلع کر دوں۔ آج رات کے ابتدائی حصے میں تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں اور پھر اس اجلاس میں یہ طے پایا کہ کیمرون اور اس کے نائب سپہ سالار اور دیگر چند بڑے فوجی افسران کو جو کیمرون کے دست و بازو ہیں بیک وقت حراست میں لے لیا جائے اور فوجی اختیارات ان افسران شاہی وفادار تھے انہیں خاقان کی حراست سے بھی مطلع کر دیا گیا۔ اس کے بعد تمام ذمے داری فوجی افسران نے اپنے ذمے لے لی صبح تک تمام حالات قابو میں آجائیں گے اور غالباً صبح سے پہلے ہی خاقان بھی یہاں پہنچ جائے گا۔'' میرے عزیز دوست احمر نے مجھے تمام حالات سے تفصیل کے ساتھ مطلع کر دیا۔

''اور......اور...... کیشپ؟'' جیسے میرے دل کا چور بول پڑا۔

''محل کے جس حصے میں کیشپ کی رہائش ہے وہ اب تک فوج کے قبضے میں آچکا ہوگا۔'' احمر نے جواب دیا۔

''اور سروش کہاں ہے؟'' میں نے دوسرا سوال کیا۔

''وہ بھی محل پہنچنے والی ہو نگی۔'' احمر نے بتایا۔

کچھ دیر بعد ہی سروش بھی مجھ سے آملی۔ ابھی وہ مکمل حالات سے بے خبر تھی۔ وہ اس سلسلے میں مجھ سے پوچھ گچھ ہی کر رہی تھی کہ اچانک میں نے اپنے ذہن میں سرسراہٹ محسوس کی میں چونک پڑا۔ میری کیفیت سروش سے بھی چھپی نہ رہ سکی۔

''کیا ہوا؟'' وہ جلدی سے بولی کیونکہ میں اس سے بات کرتے کرتے ایک دم خاموش ہو گیا تھا لیکن میں اس کی بات کا جواب نہ دے سکا کیوں کہ اس وقت تک کیشپ میرے ذہن تک پہنچ چکا تھا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے ارسلان!'' کیشپ کے غصے اور جھنجلاہٹ میں ڈوبی ہوئی آواز میرے ذہن سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا: ''مجھے اپنی خواب گاہ کے باہر مسلح فوجی نظر آرہے ہیں۔ محل میں فوج کا اس طرح داخل ہونا شاہی آداب کی خلاف ورزی ہے۔ تم اس مملکت کے سربراہ ہو۔ تم ان لوگوں کو حکم دو کہ فوراً محل سے نکل جائیں۔''

''بھولے نہ بنو کیشپ! تم جانتے ہو کہ میرے پاس کوئی اختیار نہیں میں صرف تمہارے ہاتھوں میں ایک کھلونا ہوں۔ تمام اختیارات تو خود تمہارے ہاتھ میں ہیں۔'' میرے ذہن نے چبھتے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''ارسلان! یہ نہ بھولو کہ میں تمہارا استاد ہوں مجھے بتاؤ کہ یہ سب کیا ہے؟''

''میرے ذہن سے الجھنے کی بجائے اگر تم سپہ سالار اعظم کیمرون کا ذہن ٹٹولو تو زیادہ بہتر ہے تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔''

میں نے جواب دیا۔

''میں تم سب کو دیکھ لوں گا۔تم سب کو۔'' کیشپ کی غصیلی آواز میں نے سنی اور اس نے میرے ذہن سے رابطہ منقطع کر لیا۔

میرے اِرد گرد پیش آنے والے واقعات کی رفتار اتنی تیز تھی کہ میرا ذہن چکرا کر رہ گیا تھا۔کبھی تو حالات میرے لیے سازگار ہوتے اور کبھی میرے مخالفین کی بن آتی لیکن یہ سب کچھ محض اس لیے ہوا تھا کہ میں نے خود کو حالات کے دھارے چھوڑ رکھا تھا۔میری سوچ کی لہریں گویا ساکت ہو گئی تھیں اور میں کوئی اقدام نہیں کر رہا تھا۔

کیشپ کی آواز میرے ذہن میں گونجتی رہی۔''میں تم سب کو دیکھ لوں گا۔تم سب کو!'' میرے ذہن پر ہتھوڑے سے برس رہے تھے۔

کیشپ جن پر اسرار قوتوں کا مالک تھا ان کا مقابلہ کرنا میرے ساتھیوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ان لوگوں میں سے صرف سروش کو کچھ پر اسرار قوتیں حاصل تھیں لیکن وہ کیشپ کی طرح چالاک اور تیز نہیں تھی۔اس کا ذہن اپنے باپ کے شیطانی دماغ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔گویا صورتِ حال یہ تھی کہ اب میں خود ہی کچھ کر سکتا تھا اگر کیشپ کو کیفر کردار تک پہنچانا کسی کے لیے ممکن تھا تو صرف میرے لیے۔اب وقت آ گیا تھا کہ میں ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس کے مقابلے میں کود پڑوں۔میرے ساتھیوں نے اس شیطان کو ایک کونے میں پہنچا دیا تھا اگر میں اس موقع سے فوراً ہی فائدہ نہ اُٹھاتا تو اس بدمعاش کو نکل بھاگنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آتی۔بھاگتے بھاگتے وہ میرے کتنے ہی جاں باز ساتھیوں کو بھی مجھ سے چھین لیتا۔

یہ سارے خیالات چند لمحوں کے اندر اندر میرے ذہن میں گھوم گئے تھے اور سروش میرے چہرے کی بدلتی رنگت سے میری قلبی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔جب وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی تو بے تاب ہو کر پوچھ ہی بیٹھی۔

''کیا ہوا ارسلان؟ کیا بات ہے؟ تم بہت پریشان نظر آ رہے ہو۔؟

''کیشپ تھا۔'' میں نے جوش جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا ''وہ اس بات سے باخبر ہو چکا ہے کہ اس کے سارے منصوبے چوپٹ ہو چکے ہیں۔اب وہ ہمارے ساتھیوں کو اپنے قہر و غضب کا نشانہ بنانے کے لیے پر تول رہا ہو گا۔''

''اوہ!'' سروش کے منہ سے نکلا۔''پھر اب کیا ہو گا؟ بابا کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟'' اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا خود سروش ہی کے ذہن نے اسے اس سوال کا جواب دے دیا ہو گا کیونکہ یک لخت اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

''وقت آ گیا ہے کہ ایک آخری مقابلہ ہو جائے۔'' میں نے مضبوط آواز اور سنگین لہجے میں کہا: ''اس سے پہلے کہ تمہارا بابا بھوکے گدھ کی طرح میرے ساتھیوں کی بوٹیاں نوچنے کے لیے جھپٹے میں اس کے سامنے پہنچ جانا چاہتا ہوں۔''

''ارسلان میرے ارسلان! تم بابا کے سامنے مت جاؤ۔وہ غصے میں پاگل ہو جاتے ہیں۔'' سروش میری محبت میں دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔

''اسی لیے تو میں اس چالاک بوڑھے کے مقابلے پر جانا چاہتا ہوں۔ اس کے پاگل پن سے اور کوئی نہیں ٹکرا سکتا۔''

اس سے پہلے کہ سروش کچھ کہتی، میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ یقیناً کیشپ نے میرے ذہن کو پڑھنے کی کوشش کی تھی۔

میرے ذہن میں اس کی آواز گونجی۔ ''کیمرون اور میرے دوسرے ساتھی تمہاری حراست میں آچکے ہیں اب تم میرے مقابلے پر آنا چاہتے ہو۔''

میں نے اپنی قوت کیشپ کے ذہن پر مرکوز کی اور کہا۔ ''تم بازی ہار چکے ہو کیشپ!...... تمہیں عقلمندی سے کام لینا چاہیے۔ غیر جذباتی ہو کر سوچو کہ ہتھیار ڈالنے میں فائدہ ہے یا ہاری ہوئی لڑائی جاری رکھنے میں؟''

کیشپ نے جیسے ایک خوفناک قہقہہ لگایا پھر اس کی آواز میرے ذہن میں گونجی۔ ''تم غلطی پر ہو' میں نے کوئی بازی نہیں ہاری اور لڑائی تو میں نے ابھی شروع بھی نہیں کی ہے۔ میں تمہیں دکھاؤں گا کہ میری دشمنی کتنی مہنگی پڑتی ہے۔''

''شاید تم میرے کمزور ساتھیوں کو اپنی پر اسرار قوتوں کا نشانہ بنانا چاہتے ہو......تم کم ہمت ہو...... اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہارا دشمن کون ہے۔ اگر مقابلہ ہی کرنا ہے تو ٹھہرو میں تمہارے سامنے آتا ہوں۔''

بات پوری کر کے میں نے دم سادھ لیا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ کیشپ میری بات مان لے گا وہ اگر غصے میں اندھا ہو رہا تھا تو یقیناً میرے ساتھیوں کے خون سے ہولی کھیلے بنا اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو سکتا تھا۔

کیشپ کے بارے میں میرا کوئی اندازہ کم ہی درست نکلتا تھا۔ اسکے شیطانی ذہن نے مجھے فوراً جواب دیا۔ ''ٹھیک ہے۔ آؤ۔''

محل کے جس حصے میں کیشپ تھا مجھے اس کا اچھی طرح علم تھا۔ میں تیزی سے کھڑا ہوا تو سروش مجھ سے لپٹ گئی۔ وہ مجھے اپنے بابا کے مقابلے پر نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔ لیکن اس کا اندازہ اسے بھی تھا کہ میں اس کے بابا سے غصے، سرکشی اور ضد میں کسی طرح بھی کم نہ تھا۔ چنانچہ جب میں نے اسے پیار، آہستگی مگر ارادے کی پختگی کے ساتھ اپنے سے جدا کیا تو اس نے دوبارہ مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی لیکن میرے ساتھ چلنے کی ضد شروع کر دی۔

میں نے سروش کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ معصوم سا حسین چہرہ جو یادداشت کھو جانے کے عالم میں بھی میرے حواس پر چھایا رہا تھا میری سلامتی کی طرف سے فکر مند اور پھول کی طرح کھلایا ہوا تھا۔

''کیشپ پاگل ہو رہا ہے اس پاگل کا مقابلہ میرے لیے آسان نہ ہوگا میں پوری یکسوئی انہماک اور قوت کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ تم میرے ساتھ ہو گی تو یہ سب کچھ مجھے ہرگز حاصل نہ ہو سکے گا کیا تم اپنے بابا کے سامنے مجھے کمزور دیکھنا چاہتی ہو؟'' میں نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

بات شاید سروش کی سمجھ میں آ گئی' کیونکہ اس کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا میں نے اسے الوداعی نظروں سے دیکھا اور خاموشی سے رخصت ہو گیا۔ میں تقریباً بھاگتا ہوا محل کے اس گوشے میں پہنچا جہاں کیشپ کا قیام تھا۔ میرے ذہن میں دور دور تک یہ خیال بھی نہ تھا کہ

کیشپ وہاں موجود نہ ہوگا۔ میرا تو خیال تھا کہ اس نے مجھے مقابلے کے لیے ہی بلایا ہے لیکن یہ میری خام خیالی تھی۔ میرے سامنے ٹھہرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے مجھے محض اپنی قوت کے استعمال کا تماشا دکھانے کے لیے بلایا تھا اور میں نے وہ تماشا دیکھا۔ دیکھا اور خون کے آنسو رویا۔

محل کا وہ حصہ لاشوں کا بازار بنا ہوا تھا۔ میرے بے گناہ جانباز ساتھی، سپاہی، ملازم اور ملازمائیں کیشپ کی بربریت اور بہیمت کا شکار ہوئے تھے۔ ان کے بے جان جسم مجھ سے انصاف کے فریادی تھے اور میں' اپالو مجسم تباہی و بربادی غم و غصے سے خود اپنی بوٹیاں نوچنے پر مجبور تھا۔ کیونکہ شیطان کیشپ اپنی بوٹیاں نچوانے کے لیے میرے سامنے موجود نہ تھا۔

میں بت بنا اپنے ایک مردہ ساتھی کی لاش کو دیکھ رہا تھا جسے...... بڑی بے دردی سے پامال کیا گیا تھا۔ سر گردن سے جدا تھا۔ ہاتھ پاؤں اور جسم کے مختلف حصوں سے گوشت کے ٹکڑے جدا کر لیے گئے تھے۔ زخموں سے ابھی تک خون رس رہا تھا اور یہ منظر بڑا دل خراش تھا

سروش کی دبی دبی چیخ سن کر میں پلٹا۔ وہ آنکھیں بند کیے جھول رہی تھی اور کسی بھی لمحے گرنے والی تھی، میں نے لپک کر اسے سنبھالا اور وہ میری آغوش میں آتے ہی بے ہوش ہوگئی۔

وہ میرے پیچھے پیچھے چلی آئی تھی۔ اس نے شاید اسی خیال سے مجھے روکنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہوگا کہ خود میرے پیچھے پیچھے آنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید میں اس کے پیار میں کھو جاتا مگر اس وقت تو میرے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ میرا رواں رواں کیشپ کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔

یوں بھی فکر کی کوئی بات نہیں تھی۔ سروش لاشوں کی بھیانک حالت دیکھ کر برداشت نہ کر سکی اور وقتی طور پر غش کھا گئی۔ ذرا دیر بعد وہ خود ہی ہوش میں آجاتی۔ میں نے اسے آہستہ سے فرش پر لٹا دیا۔ اپنا لبادہ اُتار کر میں نے خون آلود لاش کو ڈھک دیا۔ دوسری لاشوں کی حالت اتنی بری نہ تھی اور اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی تھی کہ کیشپ کو ان پر غصہ اتارنے کا وقت ہی نہ ملا ہوگا۔ یوں بھی مجھے دکھانے کے لیے ایسی ایک ہی لاش کافی تھی۔

ایک اور بات جو میرے سامنے آئی وہ یہ تھی کہ ہر لاش کے منہ سے خون رس کر باچھوں کے راستے بہہ نکلا تھا اس سے مجھے بآسانی یہ اندازہ ہوگیا کہ ان کی موت کس طرح واقع ہوئی ہوگی۔ ان پر کیشپ نے اپنی ذہنی قوت کو آزمایا ہوگا بالکل اسی طرح جیسے ایک مرتبہ نادانستگی میں میں اپنی ذہنی قوت زرتاش پر استعمال کر بیٹھا تھا۔ ان سب کی موت بالکل زرتاش کی طرح ہوئی ہوگی۔ ان میں سے غالباً کسی کو بھی اپنے متوقع انجام کی خبر کیا اس کی طرف اشارہ تک نہ ملا ہوگا کہ ہوا کیا۔ کھڑے کھڑے اچانک ہی دماغ کے کسی گوشے میں شدید تکلیف کا احساس اُبھرا ہوگا اور سر پکڑتے پکڑتے وہ گر کر ڈھیر ہوگئے ہوں گے۔ جس لاش کو میں نے بری حالت میں دیکھا تھا اس پر کیشپ نے موت کے بعد یقیناً تلوار آزمائی ہوگی اور مقصد اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ بربریت کے اس مظاہرے کو دیکھوں اور غم و غصے سے کھول اُٹھوں پھر اپنی مجبوری کا احساس کر کے اپنی ہی بوٹیاں نوچنے پر مجبور ہو جاؤں۔

کیشپ اس حد تک اپنے مقصد میں کامیاب رہا کہ مجھے اپنے ساتھیوں کی یہ حالت دیکھ کر شدید رنج ہوا۔ میں غم و غصے سے بت بن کر رہ گیا پھر ہوش آیا تو میں نے بے ساختہ زیر لب کیا۔''کیشپ ! تیری موت بھی بہت دردناک ہوگی۔''

اسی لمحے میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔کوئی میرے خیالات کو ٹٹول رہا تھا اور یہ کیشپ کے سوا اور کون ہوسکتا تھا۔ایک لمحے بعد ہی میں نے جیسے اسے ہنستے اور قہقہے لگاتے ہوئے محسوس کیا اور پھر اس نے جیسے مجھے مخاطب کر کے کہا:''کیوں اپنے دانتوں سے اپنی ہی بوٹیاں نوچ رہے ہونا......! کیشپ سے دشمنی مول لینے والے کچھ ایسی ہی حالت کا شکار ہوجاتے ہیں اور ابھی کیا ہے یہ تو ابتدا ہے ابھی تو تم اپنے تمام ساتھیوں کو اسی حالت میں دیکھو گے۔ غصے میں اِدھر سے اُدھر دوڑتے پھرو گے اور جب مجھے کہیں نہیں پاؤ گے تو کیا پاگل نہ ہوجاؤ گے۔؟''

میں نے دانت کچکچائے اور ہونٹ بھینچ کر کہا:''تیرا انجام گلی کے آوارہ کتوں سے بھی بدتر ہوگا کیشپ۔''

کیشپ کا ایک اور قہقہہ ذہن میں گونجا پھر اس کے الفاظ ذہن میں اُبھرے۔''آؤ اور مجھے اس انجام کو پہنچا دو۔لو میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ اس وقت میں کہاں ہو؟''

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں خود اس جگہ کھڑا ہوں۔ جہاں کیشپ موجود تھا۔ مجھے کیشپ کے اردگرد کا سارا ماحول نظر آیا گویا کیشپ خود نظر نہ آیا اور اس کی وجہ ظاہر تھی۔

یہ عین ممکن تھا کیشپ پاگل ہو رہا تھا اور ایک پاگل کے ذہن میں رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ پھر کیشپ کو اچھی طرح علم تھا کہ سروش میرے مقابلے میں ہرگز اسکا ساتھ نہ دے گی اور اگر وہ میرے ساتھ رہی تو شاید ہم دونوں مل کر اس کیلئے مشکلات کا باعث بنیں یقیناً کیشپ کے تیز ذہن نے اس امکان کو بہت پہلے ہی دیکھ لیا ہوگا۔ جو مجھے اب سوجھا تھا آخر کو سروش بھی ذہنی قوتوں کو استعمال کرنے کی اہل تھی اور اسکی ذہنی قوتیں کیشپ کے مقابلے میں کتنی بھی کم ہوں۔'' میری ذہنی قوتوں کے ساتھ مل کر یقیناً وہ بڑی اہمیت اختیار کر لیں گی۔

اس کے علاوہ سروش کی موت مجھے یوں بھی زندگی سے بیزار کر دیتی اور ایک بیزار آدمی عموماً کسی کے لیے خطرناک ثابت نہیں ہوتا جسے زندگی سے دلچسپی نہ رہے اس کی نظروں میں ہر بات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اور پھر اسے چھاپ لینا مشکل ثابت نہیں ہوتا۔

ہوسکتا ہے میری سوچ درست نہ رہی ہو مگر میں اس خیال کو غلط قرار دے کر ذہن سے نکال نہیں سکتا تھا کہ سروش کیشپ کے غضب کا نشانہ بن سکتی تھی۔

میں نے اسی لمحے فیصلہ کر لیا کہ سروش کو ایک لمحے کے لیے بھی تنہا نہیں چھوڑوں گا۔

سروش ابھی تک بے ہوش تھی مگر مجھے یقین تھا کہ وہ جلد ہی ہوش میں آ جائے گی۔ چند لمحوں کی بات تھی پھر میں اسے لے کر کیشپ کے تعاقب میں روانہ ہو جاؤں گا اور اس وقت تک کیشپ کا پیچھا کروں گا جب تک وہ میرے ہتھے نہ چڑھ جائے گا۔ مگر وہ میرے ہتھے کیسے چڑھ سکے گا۔؟

اس وقت میرے ذہن میں ایک جھما کہ سا ہوا مجھے جو خیال سوجھا تھا اس نے فوری طور پر مجھے سروش کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا جو کلبلا رہی تھی۔

بڑی تیزی سے میں نے کیشپ کے ذہن سے رابطہ قائم کیا وہ ابھی تک اسی جگہ تھا جہاں کی جھلک اس نے مجھے چند لمحوں پہلے اپنی آنکھوں کے ذریعے دکھائی تھی۔

''میں آ رہا ہوں۔'' میں فوراً ذہنی طور پر کیشپ سے کہا۔ ''اور اس بار تمہیں اتنا وقت نہیں دوں گا کہ تم میرے ساتھیوں کو نقصان پہنچا کر بھاگ سکو۔''

''ضرور آؤ...... اس بات تم مجھے یہیں پاؤ گے۔ مگر یہ تو بتاؤ سروش کہاں ہے؟''

میں نے جیسے بے ساختہ سروش کی طرف دیکھا اور پھر کوشش کی کہ اس کے بارے میں کچھ نہ سوچوں۔ فوراً ہی میں نے ذہنی رابطہ توڑ کر اپنے ذہن کو بند کر لیا کہ کیشپ اس کا جائزہ نہ لے سکے۔

اب مجھے یقین ہو گیا کہ کیشپ کا اس جگہ پہنچنا اتفاق نہ تھا جہاں میں اپنی دانست میں سروش کو چھوڑ آیا تھا۔ کیونکہ سروش خود ہوش میں نہ تھی۔ اس کا ذہن سویا ہوا تھا اس لیے کیشپ اس سے رابطہ قائم کر کے یہ معلوم نہ کر سکا کہ وہ کہاں ہے مگر اس کے تیز ذہن میں یہ خیال ضرور تھا کہ وہ کہیں نہ کہیں مرے آس پاس ہی ہو گی۔

ذہنی رابطہ توڑنے سے پہلے میں نے بظاہر بے ساختہ طور پر سروش کی طرف دیکھ کر اس کی ایک جھلک کیشپ کو دکھا دی تھی کہ وہ کہاں اور کس حالت میں ہے۔ مگر میری یہ حرکت بے ساختہ ہرگز نہ تھی بلکہ میرے ذہن نے فوری طور پر عمل کیا تھا اور اس حکم کو پورا کیا تھا جو میں کیشپ سے رابطہ قائم کرنے سے پہلے ہی اپنے ذہن کو دے چکا تھا اور یہ حکم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ نادانستگی کے انداز میں وہ کیشپ کو سروش کے بارے میں بتا دے کہ وہ کہاں اور کس حالت میں ہے۔ چنانچہ یہ کام ہو چکا تھا اور اب کیشپ میرے ذہن کو نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اس لیے اسے ہرگز یہ علم نہ ہو سکتا تھا کہ میں کیا سوچ رہا ہوں کیا کر رہا ہوں اور کہاں ہوں؟

مجھے یقین تھا کہ کیشپ کا تیز ذہن اسے یہ بتائے گا کہ میں تیزی سے اس کی طرف آ رہا ہوں اور کیونکہ وہ دیکھ چکا ہے کہ سروش اس قابل نہیں ہے اس لیے اسے یقین ہو گا کہ سروش یہیں رہے گی۔ اب اگر اس کی نیت میں فتور ہے تو وہ دوڑتا ہوا یہاں آئے گا۔

میں نے سروش کو دیکھا۔ وہ تیزی سے ہوش میں آ رہی تھی۔ میں اس کی نظروں میں آنے سے پہلے وہاں سے ہٹ جانا چاہتا تھا۔

چنانچہ میں نے تیز رفتاری سے کام لیا اور سروش کو تنہا چھوڑ کر وہاں سے چل دیا لیکن میں وہاں سے اتنی ہی دور گیا کہ کیشپ کے آنے پر فوراً ہی سروش کی مدد کو پہنچ جاؤں۔

آنے والے لمحات سنسنی خیز تھے۔ میرے جسم کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ اگلے چند لمحات میں کیا ہوگا میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا

ایک شاگرد اپنے استاد کو شکست دے دے۔ عبرت ناک موت کے لیے تم خود کو تیار کرلو۔'' میں نے فوراً جواب دیا۔ ''تم نے مجھے صرف تربیت دی ہے۔ قوت مجھے کسی اور طاقت نے بخشی ہے اور اس کا اندازہ تمہیں خود بھی ہوگا کہ بخشنے والے نے مجھے تم سے کہیں زیادہ نوازا ہے کیا یہی وجہ نہیں کہ تم مجھ سے ہمیشہ بھاگتے رہے اور کبھی جم کر میرا مقابلہ نہیں کرسکے۔ اس وقت بھی نہیں جب میں اپنی قوتوں سے اپنی صلاحیتوں سے اور ان کے استعمال سے غافل ہوگیا تھا۔''

ایک لمحے کے لیے کیشپ خاموشی سے مجھے گھورتا رہا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں عجیب عجیب احساسات انگڑائی لیتے ہوئے محسوس ہوئے۔ ان میں اچانک پیدا ہونے والی ایک چمک بھی تھی جو عموماً کامیابی کو سامنے کھڑا دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔

میں چونکا۔ مگر مجھے دیر ہوچکی تھی۔

کیشپ کی آنکھوں میں جھانکنا میری بہت بڑی غلطی تھی۔ ذہنی قوتوں کا استعمال آنکھوں کے ذریعے بآسانی اور بھرپور انداز میں ہوتا ہے۔ غالباً اسی نکتے کا خیال کر کے کیشپ کو اپنی کامیابی کی امید نظر آئی تھی اسے مجھ پر حاوی ہونے کا ایک موقع حاصل ہوگیا تھا اور اس موقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کے لیے اس نے مجھ پر بھرپور حملہ کردیا۔

میری آنکھوں نے اچانک ایک عجیب منظر دیکھا۔ وہ آگ کا ایک چکراتا ہوا بگولہ سا تھا جو یک لخت میری آنکھوں کے سامنے پیدا ہوا اور اس بگولے کے بیچوں بیچ کیشپ ایک آتشی تخت پر سوار شاہانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا جسم بھی آگ کی طرح سرخ ہورہا تھا اور اس میں سے آگ کی سی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں۔

میں آنکھیں پھاڑے ہونقوں کی طرح اس عجیب وغریب منظر کو دیکھ رہا تھا۔ خود فراموشی کے عالم میں، میں جیسے سب کچھ بھول گیا تھا۔ مجھے نہ تو موقع کی نزاکت کا احساس رہا تھا نہ دشمن کی پراسرار قوتوں کا خیال مجھے تو دشمن برسرپیکار ہونے کا احساس بھی نہ رہا تھا اور اس خود فراموشی کے عالم میں شاید میں دشمن کے کاری وار کا نشانہ بن جاتا مگر اچانک سروش کی لرزہ خیز چیخ سن کر جیسے مجھے ہوش آگیا میں چونک کر بے ساختگی کے عالم میں اس طرف مڑا جدھر سروش فرش پر بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔

میری یہ بے ساختہ حرکت ہی میری زندگی کی ضمانت ثابت ہوئی کیشپ کی تلوار مجھے اپنی بائیں پسلی میں گھستی ہوئی محسوس ہوئی اور تکلیف کی ایک شدید لہر میرے ذہن کو جھنجھوڑ گئی۔ میں نے بے ساختہ قسم کی چیخ کو ہونٹ بھینچ کر گلے ہی میں گھونٹ دیا اور فوراً اپنے ذہن کو کیشپ کے ذہنی طلسم کی قید سے آزاد کردیا۔ اس کے لیے یہ بات مجھے اپنے ذہن میں بٹھانا پڑی تھی کہ جو کچھ میں نے دیکھا وہ ایک دھوکہ تھا...... ذہنی دھوکہ...... جو کیشپ نے مجھے بڑی چابکدستی سے دیا تھا اور اس وقت جب میں اس کے خیالات کی پیداوار کو اپنی آنکھوں کے سامنے یوں دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ سب کچھ سچ رہا ہو۔ اس بدمعاش نے تلوار کی نوک سے میرا دل کو چھید دینا چاہا تھا سروش شاید اسی وقت سنبھلی تھی اور مجھ کو یقینی موت کے عالم میں دیکھ کر وہ اپنی کربناک چیخ کس طرح نہ روک سکی تھی اور یہ چیخ ہی میری مددگار ثابت ہوئی تھی۔

اب کیشپ کا پھیلا ہوا طلسم چاک ہوچکا تھا اس کی تلوار میرے خون سے سرخ ہوچکی تھی۔ زخم تکلیف دہ ضرور تھا مگر کاری نہ تھا میرا

دل بچ گیا تھا البتہ ایک یا دو پسلیاں ضرور نشانہ بنی تھیں۔

میں فتح مندی کے جذبات سے کھلتی ہوئی کیشپ کی شکل دیکھی۔ تو میرے تن بدن میں جیسے آگ سی لگ گئی۔ لیکن میں ایک چوٹ کھا چکا تھا اور اب دوسری کے لیے تیار نہ تھا۔ سب سے پہلے میں نے اپنے ذہن کو تیار کیا کہ وہ کیشپ کے اور کسی فریب میں نہ آئے۔ پھر میں نے کیشپ کے ذہن کو اپنی قوت سے متاثر کرنا چاہا۔ میں نے اسے یہ سمجھانے کی کوشش کی جیسے اس کی تلوار میرے جسم سے چھوئی تک نہ ہو اور تلوار سے ٹپکتا ہوا خون جیسے خون نہ ہو، تلوار جیسے بالکل صاف ہو اور ساتھ ہی میں نے یہ کوشش بھی کی تھی کہ وہ مجھے ایک جگہ کھڑا مسکراتا ہوا دیکھے اور حرکت کرتا ہوا نہ دیکھ سکے۔

اپنی کوشش کا میں نے خاطر خواہ نتیجہ نکلتے دیکھا۔ کیشپ کے چہرے سے خوشی اور کامیابی کے ملے جلے جذبات فوراً دور ہو گئے۔ ایک لمحہ کے لیے اس کے چہرے پر حیرت کے آثار ابھرے پھر غصہ وغضب اُبھرا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اس جگہ مجھ پر تلوار سے حملہ کیا جہاں میں چند لمحوں پہلے کھڑا تھا۔ دراصل اسے میں اب بھی وہیں کھڑا نظر آ رہا تھا۔

میں نے فوراً اسے یہ سمجھانے کی کوشش کی جیسے اس کی تلوار میرے جسم پر بھرپور انداز میں پڑی ہو اور میرے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں۔

کیشپ نے فوراً ہی ایک بھرپور قہقہہ لگا کر جس مسرت کا اظہار کیا وہ اس بات کی مظہر تھی کہ وہ میرے بچھائے ہوئے جال میں پھنس چکا تھا۔ اب وہ وقت تھا کہ میں اس پر ٹوٹ پڑتا۔

میں نے اپنے زخمی ہونے کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ میرے جسم میں ابھی اتنی طاقت تھی کہ میں تکلیف برداشت کرتے ہوئے کیشپ کی بوڑھی گردن دبا دوں۔ اور یوں اس کو اس کے انجام تک پہنچا دوں۔

میں نے جھپٹ کر کیشپ کے تلوار والے ہاتھ پر بھرپور حملہ کیا تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑی اور اس کا مسرت بھرا قہقہہ اس کے گلے ہی میں اٹک کر رہ گیا پھر جیسے سب کچھ سمجھ کر وہ جھنجلا گیا۔ ہم دونوں بڑے جوش سے ایک دوسرے سے لپٹ پڑے۔ میرے ہاتھ اس کی گردن تک پہنچ گئے اور وہ میری ٹوٹی ہوئی پسلیوں پر ضرب لگانے لگا۔ اس کی کوشش شاید یہ تھی کہ میں تکلیف کی شدت سے گھبرا کر اس کی گردن چھوڑوں مگر میں ہر قیمت پر اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔

آہستہ آہستہ کیشپ کی گردن پر میرا دباؤ بڑھتا گیا۔ اب میں اس کے چہرے پر تشنج کے آثار دیکھ سکتا تھا اس کا دم گھٹنے لگا تھا اور بس چند لمحوں کی بات رہ گئی تھی یک لخت کیشپ کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ اس کے تیز چلتے ہوئے ہاتھ رک گئے۔ ایک لمحے کے لیے میں جھجکا میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اچانک ہوا کیا۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ ابھی کیشپ مرا نہیں تھا بلکہ اس نے خود ہی مزاحمت ترک کر دی تھی گویا خود کو مکمل طور پر میرے حوالے کر دیا تھا کہ میں جو چاہوں سو کروں۔

کیا اس طرح وہ میری ہمدردی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

کیا یہ اس کا مجھ سے معافی مانگنے کا انوکھا انداز تھا۔؟

یا یہ اس کی کوئی گہری چال تھی۔؟

جو کچھ بھی ہو' میں اپنا کام مکمل کر دینا چاہتا تھا مجھے اس شیطان پر بالکل ترس نہیں آ سکتا تھا۔ میں اب اس کے مکر وفریب میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

مگر ایک بار پھر میں دھوکہ کھا گیا!

مجھے ایسا لگا جیسے میرے ہاتھوں میں کیشپ کا بوڑھا جسم نہ ہو بلکہ کوئی لیسدار چکنی مچھلی ہو۔ گندی کراہیت آمیز مخلوق جسے چھونا بھی گوارہ نہ چہ جائیکہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر بھینچنا۔

میں نے بوکھلا کر اپنے دونوں ہاتھ کھینچ لیے فوراً ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کیشپ ایک بار پھر کیشپ ہی نظر آنے لگا مگر اب اس کے ڈھیلے ڈھالے جسم میں بلا کی تیزی آ گئی تھی۔ وہ واقعی کسی چکنی مچھلی کی طرح میرے ہاتھوں سے نکلتا چلا گیا اور میں جھجکا اسے تکتا رہ گیا۔ جب میں چونکا تو مجھے دیر ہو گئی تھی۔

کیشپ بھاگ نکلا تھا۔ میں اسے دوڑتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ دور نہیں تھا مگر چند ہی لمحوں میں بہت دور ہو جاتا۔ میں نے تیزی سے اس کے پیچھے دوڑنا چاہا مگر میری یہ کوشش مجھے مہنگی پڑی۔ میرا زخم آڑے آیا۔ اچانک بھاگنے کی کوشش شدید تکلیف کا باعث بنی اور میں کراہ کر رہ گیا۔

کیشپ بھاگا جا رہا تھا اور میں بے بسی سے اس کا فرار دیکھنے پر مجبور تھا۔

سروش اُٹھ کر میرے پاس آئی اور پریشانی کے عالم میں میرے زخم پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ اسے کیشپ کے بھاگ جانے کی فکر نہیں تھی۔ وہ اس تکلیف کو بھی بھول چکی تھی جو ذرا دیر پہلے اسے کیشپ کے ہاتھوں بھگتنا پڑی تھی۔ اسے تو اب وہ تکلیف چبھ رہی تھی جو میرے زخمی جسم کو چبھ رہی تھی۔

میں بے بسی کے عالم میں کھڑا ہاتھ مل رہا تھا۔ میرے اردگرد میرے جاں باز سپاہیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ میری بیوی جس جاں کنی کے عالم سے گزر چکی تھی اب میں اس عالم سے گزر رہا تھا۔

تباہی و بربادی چہار طرف سے مجھے گھیرے ہوئے تھی اور اس تباہی و بربادی کا ذمے دار ہر گزرتے لمحے کے ساتھ دور ہوتا جا رہا تھا۔

مگر کیا واقعی کیشپ اس تباہی و بربادی کا ذمے دار تھا۔؟ کیا اس کا ذمے دار میں خود نہ تھا۔؟

میں جو اپالو کہلانے لگا تھا!

اپالو

تباہی و بربادی کا مجسمہ!

جسے خود بھی تباہ و برباد ہو جانا تھا!

مجھے تباہ و برباد ہو جانا تھا۔

شاید کیشپ کے ہاتھوں

شاید جلد...... بہت جلد؟

مگر...... نہیں...... میں اپالو نہیں تھا۔!

محض ایک لڑکی کے جذباتی انداز میں دیے ہوئے ایک نام سے میں وہ نہیں بن سکتا تھا جو اس کے نام کا خاصا تھا۔!

محض اس لیے کہ میں خوبصورت تھا، میں اپالو نہیں بن سکتا تھا۔!

محض اس وجہ سے کہ میرے اردگرد لڑکیاں چکر لگاتی رہتی تھیں اور موت کے بادل منڈلاتے رہتے ہیں میں اپالو نہیں بن سکتا تھا۔

میں اپالو نہیں تھا

ارسلان تھا...... ارسلان، جس نے اپنی سلطنت اپنی حکومت اپنے چھوٹے بھائی کو سونپ دی تھی۔ جس نے کیشپ جیسے ظالم سے ٹکر لی تھی اور جو کیشپ کو بھاگ اُٹھنے پر مجبور کر سکتا تھا۔

میں ارسلان تھا اور میرے اردگرد پھیلی تباہی و بربادی میں میرا کوئی ہاتھ نہ تھا۔

یہ سب کیشپ کا کیا دھرا تھا اور کیشپ کو اس کی سزا دینا میری ذمے داری تھی کیونکہ میں اس ذمے داری کو نبھا سکتا تھا۔

میں نے اسی لمحے عہد کیا کہ میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک کیشپ کو کیفر کردار تک نہ پہنچا دوں۔

مجھے چین اسی وقت آ سکتا تھا جب میرے ساتھی میری اِردگرد کی دنیا، کیشپ جیسے بدبخت ظالم کے ظلم سے محفوظ ہو جاتی چنانچہ میں نے عہد کیا اور......

فوراً ہی اس سلسلے میں کام شروع کر دیا۔

یہ بات صاف ظاہر تھی کہ کیشپ فی الحال اس جزیرے پر نہیں رُکے گا۔ کچھ عرصے کے لیے وہ کہیں بھاگ جائے گا۔ اس کے لیے ٹھکانوں کی کہیں کمی نہیں تھی۔ وہ ذہنوں پر حکمرانی کرنے کا اہل تھا اسے بھلا کیا کمی ہوتی؟ مگر جلد یا بدیر وہ واپس لوٹے گا۔ وہ مجھے ہرگز نہیں بھول سکتا تھا اور مجھ سے انتقام لیے بغیر اُسے ہرگز چین نہیں آ سکتا تھا۔

سب سے پہلا کام مجھے یہی کرنا تھا کہ کیشپ کو اسی جزیرے پر روکا جائے اور اسے اس جزیرے پر روکنے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ جزیرے پر موجود تمام کشتیوں، جہازوں اور دوسری دریائی سواریوں کو جزیرے پر سے فوری طور پر ہٹا دیا جائے۔ کوئی کشتی موجود ہوگی تو اسے کیشپ ہر حال میں حاصل کرے گا۔ کوئی محافظ بھی کیشپ کی پراسرار قوتوں کے مقابلے میں کشتی کی حفاظت کرنے کا اہل نہیں تھا۔

سروش بضد تھی کہ میں اپنے زخم کی فکر کروں اور میں جلد سے جلد جزیرے کی اکلوتی جیٹی پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ جب تک میرے احکامات پر عمل ہو اور کشتیاں وغیرہ جزیرے سے ہٹائی جا سکیں کیشپ کوئی سواری حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو جائے کیونکہ اس صورت میں اس کا فرار ہو جانا یقینی ہو جاتا پھر شاید وہ کبھی میرے ہاتھ نہ آتا۔

میں نے ذہنی طور پر کیشپ سے رابطہ قائم کرنا چاہا مگر وہ شاید اپنا ذہن بند کیے ہوئے تھا مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ وہ حرکت نہیں کر رہا تھا۔ کیونکہ اس صورت میں ذہن کو خیالات سے خالی کرنا ذرا مشکل کام ہوتا۔ یوں بھی امکان یہی تھا کہ کیشپ نے فوری طور پر کوئی جائے پناہ ڈھونڈی ہوگی۔ کیونکہ میرے ساتھ ''ذہنی معرکے'' کے بعد وہ یقیناً تھک گیا ہوگا۔ خود میری بھی بری حالت تھی مگر میں کسی نہ کسی طرح حالات سے نبرد آزما تھا۔

سروش نے شاہی طبیب کی فوری خدمات حاصل کیں۔ جب میرے زخم کا معائنہ کر رہا تھا تو میں اپنے ہرکاروں کو ہر طرف دوڑا رہا تھا کہ جہاں بھی کوئی کشتی، کوئی لانچ یا جہاز وغیرہ ہو اُسے تباہ کر دیا جائے یا دریا میں ڈال کر جلد سے جلد ساحل سے دور بلکہ کسی دوسرے جزیرے پر پہنچا دیا جائے۔

سروش کی حالت مجھ سے بہتر تھی۔ اس نے مجھے آرام کرنے کے لیے کہا اور خود ساری ذمے داری لے لی۔ میں تھک کر چور ہو چکا تھا اور میرا زخم بھی مجھے بے حد تکلیف دے رہا تھا اس لیے میں نے سروش کی بات مان لی۔ طبیب میرے زخم کو صاف کر کے پٹی باندھ کر چند

دن مکمل آرام کرنے اور ہلنے جلنے سے حتی الامکان پرہیز کرنے کی ہدایات دے کر رخصت ہو گیا تو میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک بار پھر میں نے کیشپ کے ذہن کو ٹٹولنے کی کوشش کی، مگر وہ یا تو گہری نیند سو رہا تھا یا پھر اپنا ذہن بند کیے پڑا ہوا تھا کیونکہ میں اس کے ذہن سے رابطہ قائم کرنے میں یکسر ناکام رہا۔ کیونکہ ذہن کو بند رکھنے میں ایک مسلسل کوشش کا دخل ہوتا ہے۔ اس لیے مجھے نیند والی بات کا یقین آسانی سے آ گیا۔ اگر دشمن محوِ خواب تھا تو میں خود بھی آرام کر سکتا تھا۔

چنانچہ میں گہری نیند سو گیا اور گھنٹوں سوتا رہا۔

جب میں بیدار ہو تو دن ڈھل چکا تھا۔ طبیعت میں تازگی تھی۔ اس تازگی میں اس وقت اور بھی اضافہ ہوا جب میں نے اپنے گرد کچھ مانوس چہرے دیکھے۔

میرے پاس ہی کرسیاں ڈالے احمر اور خاقان بیٹھے تھے ان کے ساتھ سروش محوِ گفتگو تھی۔ وہ تینوں کسی بات پر بڑے جوش و خروش سے بحث کر رہے تھے۔

میں نے اُٹھنے کی کوشش کی تو سروش نے میری طرف دیکھا پھر وہ تیزی سے اُٹھ کر میرے پاس آئی اور جلدی سے بولی۔ ''آپ لیٹے رہیے۔ آپ کو ہلنے جلنے کی اجازت نہیں ہے۔''

میں نے مسکرا کر اپنی پیاری بیوی کی طرف دیکھا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا: ''میں اب ٹھیک ہوں۔ اب مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو رہی۔''

لیکن میں نے اُٹھنے کی ایک اور کوشش کی تو مجھے فوری طور پر اپنی غلط فہمی کا احساس ہوا کیونکہ تکلیف کی ایک شدید لہر میری پسلیوں کی طرف سے اُٹھی تھی اور سارے جسم میں پھیل گئی تھی۔

خاقان اور احمر بھی اُٹھ کر بالکل میرے قریب آ گئے تھے۔ انہوں نے بھی مجھے اُٹھنے سے روکا۔ اور لیٹے رہنے کا اشارہ کیا۔

''تم کب آئے؟'' میں نے خاقان سے پوچھا۔ ''ٹھیک تو ہو۔''

''ابھی ایک گھنٹے پہلے پہنچا ہوں.....ٹھیک ہوں مگر آپ......'' خاقان مجھ سے بہت محبت کرتا تھا۔ شدت جذبات سے وہ اپنی بات پوری نہ کر سکا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں۔ مگر تم آئے کیسے؟ کیا اپنی لانچ سے؟ کیا وہ اب بھی جیٹی پر کھڑی ہے۔؟''

سروش مسکرا اُٹھی پھر بولی۔ ''کیا مجھ پر آپ کو بالکل بھروسہ نہیں ہے۔ میں نے خود ان کا استقبال کیا تھا اور فوراً ہی لانچ کو لوٹا دیا تھا۔ وہ تو اب تک واپس پہنچ چکی ہو گی۔''

''اور کشتیاں؟ ان کا کیا ہوا؟''

''کچھ کو ان کے مالک کھیتے ہوئے قریب کے جزیرے پر لے گئے اور کچھ کو مجبوراً تباہ کرنا پڑا۔ میں نے ان کے پیندوں میں

بڑے بڑے سوراخ کرا دیے ہیں جن کو آسانی سے بند کرنا ممکن نہیں ہے۔''

''جلوا دیتیں تو بہتر تھا۔'' میں نے فوراً کہا: ''کیا کیشپ کا کچھ پتا چلا؟''

سروش کے چہرے پر غم کے بادل چھا گئے۔ خاقان اور احمر کا منہ بھی لٹک گیا۔

''کیا وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ کیا کیشپ نے کالدیپ چھوڑ دیا۔'' میں اچانک چیخ اُٹھا۔

''نہیں۔'' خاقان مغموم لہجے میں بولا: ''لیکن میری خواہش ہے کہ کاش وہ بھاگ جاتا۔ ہمیشہ کے لیے ہم سے کہیں دور چلا جاتا۔''

بات کچھ میری سمجھ میں آنے لگی تھی۔ یقیناً کیشپ مجھ سے پہلے جاگا ہوگا اور شاید جاگتے ہی بھاگنے کی کوشش کی ہوگی۔ اس نے جیٹی کا رُخ کیا ہوگا اور وہاں کوئی سواری نہ پا کر اسے میری چال سمجھنے میں دیر نہ لگی ہوگی پھر اس نے جو کچھ کیا ہوگا وہ میرے ساتھیوں کے لیے غم اور تکلیف کا باعث بنا ہوگا

دھوکہ نہ دے سکے گا۔''

چند لمحوں کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ شاید ان میں سے ہر ایک میری پیش کردہ تجویز پر غور کر رہا تھا۔

''بظاہر یہ بڑی مشکل بات نظر آتی ہے مگر بہت زیادہ مشکل بھی نہیں ہے۔'' میں نے سمجھانے کے انداز میں کہا: ''دیکھو...... آج کیشپ میرے سامنے سے بھاگ نکلا۔ آج ہی نہیں وہ ہمیشہ میرے سامنے سے بھاگتا رہا ہے۔ آخر کیوں؟ کیا اسے مجھ سے ڈر لگتا ہے۔؟''

میرے ساتھی خاموشی سے مجھے تکتے رہے تو میں نے اضافہ کیا۔ ''یقیناً وہ مجھ سے ڈرتا ہے۔ صرف وہی ایک شخص ایسا ہے جو ہماری صلاحیتوں سے ہم سے زیادہ واقف ہے اور اس کے رویئے سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں پراسرار قوتوں میں بھی اس سے سوا ہوں اور جسمانی قوتوں میں بھی اس سے زیادہ! اور کیونکہ میں کسی وقت بھی اپنی قوتوں سے واقف ہو کر انہیں استعمال کر سکتا تھا اس لیے وہ ہمیشہ میرے مقابلے پر دوسروں کو بھیجتا رہا۔ خود کبھی میرے سامنے نہیں ٹھہرا۔ آج جو مقابلہ ہوا اس کی خبر بھی تم سب کو ہو گی۔ میں ایک لمحے کے لیے چوک گیا ورنہ میں نے اسے ختم کر ہی دیا ہوتا۔ جب اس نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑا تو میں یہ نہ سمجھ سکا کہ اس طرح وہ پوری یکسوئی سے اپنی ذہنی قوتوں کو مجھ پر آزمانا چاہتا تھا۔ انہی قوتوں کا کرشمہ تھا کہ وہ مجھے بدبودار مچھلی کی طرح نظر آیا اور پھر چکنی مچھلی ہی کی طرح وہ نکل بھاگا۔ آئندہ مقابلے میں ایسا نہ ہو سکے گا۔ اب میں اسے کوئی موقع نہ دوں گا۔ بس کسی طرح اسے تم میرے سامنے لے آؤ۔''

''مگر کیسے؟ وہ آخر کیوں تمہارے سامنے آنے لگا۔؟'' میرے ساتھی ایک ساتھ بول اُٹھے۔

''ہمیں اسے دھوکہ دینا پڑے گا۔'' میں نے تیزی سے سوچتے ہوئے کہا۔ ''تم لوگ مجھے لے کر جیٹی تک چلو۔ پھر سب اس بات کو مسلسل سوچتے رہو کہ وہاں تمہارے پاس ایک کشتی موجود ہے مگر میرے بارے میں نہ سوچنا میں اپنے ذہن کو خالی رکھوں گا۔ کیشپ کو ہرگز پتا نہیں چل سکے گا کہ میں کہاں ہوں۔ وہ کشتی کے لیے جیٹی تک پہنچے گا اور پھر پھر میں اسے چھاپ لوں گا۔''

میرے ساتھیوں نے جوں جوں غور کیا انہیں میری تجویز مناسب معلوم ہوئی۔ تینوں کا خیال یہی تھا کہ تجویز پر عمل کرنا بہت مشکل کام تھا مگر عمدگی کے ساتھ عمل ہونے کی صورت میں ترکیب کی کامیابی کے امکانات تھے۔

پھر کوئی وقت ضائع کیے بنا میری تجویز پر عمل شروع کر دیا گیا۔ میرے ساتھیوں نے سارے خیالات ذہن سے محو کر دیے اور یہ سوچنا شروع کر دیا کہ وہ لانچ ابھی تک جیٹی پر کھڑی ہے جس سے خاقان واپس آیا تھا اس لیے کھڑی ہے کہ اس پر سوار ہو کر سروش احمر اور خاقان جزیرہ چھوڑنا چاہتے ہیں تاکہ کیشپ کے شر سے محفوظ رہیں۔

میں نے اپنے ذہن کو خالی کر لیا اور ہم سب جیٹی پر کیشپ کا انتظار کرنے لگے۔

ہمارے دل دھڑک رہے تھے اور گھڑی کی سوئیاں نہایت آہستگی سے سرک رہی تھیں۔ وقت بہت سستی سے گزر رہا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد سروش بول اُٹھی۔ ''بابا نہیں آئیں گے۔ انہیں پتا چل گیا ہے کہ یہاں کوئی کشتی نہیں ہے۔''

''آپ کو کیا معلوم؟'' احمر نے مشکوک لہجے میں کہا۔

''بابا نے خود مجھے بتایا ہے۔ وہ ارسلان سے خود بات کرنا چاہتے ہیں۔'' سروش نے جواب دیا۔

میں نے فوراً اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔ چند لمحوں بعد ہی کیشپ کی آواز میرے ذہن میں گونجی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکے۔ ارسلان!''

''میں تو تمہیں دھوکہ دے سکتا ہوں مگر میرے ساتھی شاید کمزور پڑ گئے۔ کیوں یہی بات ہے نا؟'' میں نے جواباً کہا۔

''ہاں ...... احمر کو اپنے ذہن پر ذرا بھی قابو نہیں ہے۔ اس کے ذہن کو چھوتے ہی مجھے شبہ ہوا اور پھر سب کچھ سامنے آ گیا۔''

''اب تم کیا چاہتے ہو؟''

''میں کالدیپ چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ تم میرے لیے لانچ کا انتظام کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی لوٹ کر کالدیپ نہ آؤں گا۔''

میں نے ہنس کر اسے مخاطب کیا۔ ''تم اور تمہارے وعدے پھر تم جہاں بھی جاؤ گے بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلو گے۔ نہیں۔ میں اب تمہیں بھاگنے نہیں دوں گا۔ تم بھی اسی جزیرے میں رہو گے اور میں بھی۔ جلد یا بدیر تم سے سامنا ہو گا اور وہ تمہارا آخری وقت ہو گا۔''

کیشپ نے حسب عادت قہقہہ نہ لگایا بلکہ غصے اور غضب کا اظہار کرتے ہوئے اس نے میرے ذہن کو چھوا۔

''اس صورت میں اس جزیرے پر صرف تم رہو گے یا میں۔ میں ایک ایک آدمی کو چن چن کر ختم کر دوں گا۔ نہ احمر بچے گا، نہ خاقان اور نہ وہ جو تمہیں بے حد عزیز ہے اور جس نے میرے مقابلے پر تمہیں ترجیح دی ہے۔''

میں سمجھ گیا اسکا اشارہ سروش کی طرف تھا۔ میں نے ہنس کر کہا۔ ''یہ میرے ساتھ رہیں گے اور تمہارے شر سے محفوظ رہیں گے۔''

''یہ تمہارا خیال ہے۔ لو پھر تم میری قوتوں کا کرشمہ دیکھو، لو دیکھو، احمر تمہارے پاس ہوتے ہوئے بھی تمہارا نہیں رہا۔''

کیشپ کے آخری الفاظ ابھی میرے ذہن میں گونج ہی رہے تھے کہ احمر کی چیخ میرے کانوں میں آئی۔ میں نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا وہ درد کی حالت میں اپنے سر کو پکڑے زمین کی طرف بیٹھتا جا رہا تھا۔ پھر زمین پر گر کر اسنے ایڑیاں رگڑنا شروع کر دیں۔ اور پھر ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔

خون کی ایک پتلی سی لکیر اس کی بائیں بانچھ سے بہہ نکلی۔

''یہ کیا ہوا؟'' خاقان نے پھٹی پھٹی نظروں سے احمر کی لاش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

سروش نے ہذیانی انداز میں ہنسنا شروع کر دیا۔ میں نے خود بھی کرب کے عالم میں آنکھیں بند کر لیں۔

کیشپ کی منحوس آواز میرے ذہن میں گونجی۔

''کیوں! اب کیا کہتے ہو...... لانچ کا انتظام کر رہے ہو یا خاقان سے بھی ہاتھ دھو رہے ہو...... اس کے بعد تم جانتے ہو کس کی باری آئے گی۔''

میں نے سختی سے ہونٹ بھینچے اور پھر ایک لمحہ سوچ کر منہ کھولا۔ میں نے خاقان کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ ''یہاں میرے پاس آؤ۔''

وہ میرے قریب آ گیا تو میں نے پھر کہا۔ ''نیچے جھکو۔''

خاقان نے سر جھکایا تو اس کی بائیں کنپٹی میرے سامنے آ گئی۔ میں نے اپنا ہاتھ اُٹھایا اور نپے تلے انداز میں اس کی کنپٹی پر چھاڑ دیا کوئی آواز نکالے بغیر خاقان وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔

''یہ...... یہ تم نے کیا کیا؟'' سروش نے مجھے گھورتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ شاید اسے شبہ ہوا تھا کہ میرا دماغ چل گیا ہے۔

''یہ کم سے کم آدھے گھنٹے کے لیے بے ہوش ہو گیا ہے۔ اب کیشپ کا شیطانی ذہن اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ آؤ! تم بھی میرے پاس آ جاؤ۔''

بات شاید فوراً ہی سروش کی سمجھ میں آ گئی ہو گی کیونکہ اس نے منہ سے ایک لفظ نکالے بنا اپنا سر میرے آگے جھکا دیا۔

سروش کو بے ہوش کرنے کے بعد میں نے کیشپ سے ذہنی رابطہ قائم کیا اور سرسراتے لہجے میں کہا۔ ''چلو اپنی قوت خاقان پر آزماؤ اور پھر سروش پر بھی۔ کیونکہ میں اب تمہیں لانچ نہیں دوں گا۔''

چند لمحوں بعد کیشپ کی لرزتی ہوئی آواز میرے ذہن میں گونجی ''وہ...... وہ دونوں شاید سو رہے ہیں۔ مگر کب تک۔ جب وہ جاگیں گے تو دیکھ لوں گا۔''

میں نے آہستہ آہستہ بڑے اعتماد سے ایک ایک لفظ ادا کرتے ہوئے کہا۔ ''کیشپ! اپنی خیالی دنیا سے باہر آ جاؤ۔ وہ دونوں سو

نہیں رہے ہیں، بے ہوش ہیں اور جب تک وہ ہوش میں آئیں گے تو تم انہیں نقصان پہنچانے کے قابل نہ رہو گے کیونکہ تم نے ابھی ابھی ابھی احمر کو مار کر خود ہی مجھے وہ راہ سمجھا دی ہے جس پر چل کر میں تمہیں ختم کر سکتا ہوں۔''

''کیا...... کیا مطلب؟'' کیشپ کے انداز میں گھبراہٹ نمایاں تھی۔

''تم اگر احمر سے دور رہتے ہوئے بھی احمر کو اپنی ذہنی قوتوں کا شکار بنا سکتے ہو تو میں اپنی ذہنی قوتوں کا شکار بنا سکتے ہو تو میں اپنی ذہنی قوت تم پر کیوں نہیں آزما سکتا۔'' میں نے کہا۔

''تم ...... تم ...... ایسی کوئی حرکت نہیں کر سکو گے۔ تم جانتے ہو کہ یہ ناممکن ہے۔ میں تم سے زیادہ طاقت ور ہوں۔ پھر تم یہ بھی یاد رکھو کہ میں کون ہوں؟ سروش کا باپ...... تمہاری بیوی کا باپ، تم مجھے نہیں مار سکتے۔'' کیشپ کی آواز اس کی کمزوری کی چغلی دکھا رہی تھی۔ مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔ میں نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

''میں سروش کے ممکنہ قاتل اور احمر کے قاتل کو معاف نہیں کر سکتا۔''

''تم کامیاب نہ ہو سکو گے، کیوں نہ موقعے سے فائدہ اُٹھاؤ اور مجھے نکل جانے دو...... میں پھر کبھی تمہیں پریشان نہیں کروں گا۔'' کیشپ نے کمزور سی آواز میں کہا۔

پھر شاید اس نے اپنے ذہن کو خالی چھوڑ دیا ہو گا کیونکہ میں کوشش کے باوجود اس سے رابطہ قائم نہ رکھ سکا۔

میں نے پوری یکسوئی کے ساتھ اپنی ذہنی قوتوں کو جمع کیا اور انہیں کیشپ کے ذہن پر یلغار کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ میں نے جب بھی اپنے ذہن کو خالی چھوڑا کیشپ اسے نہیں چھو سکا۔ مجھے یقین تھا کہ کیشپ کسی بھی طرح خود کو محفوظ نہ رکھ سکے گا۔ میں اس کی مزاحمت کو بآسانی ختم کر دوں گا۔

میرے جسم سے پسینہ پھوٹ نکلا، لیکن میں تو سب کچھ فراموش کر کے صرف کیشپ کے ذہن کو ٹٹول رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی آہنی دیوار سے سر ٹکرا رہا ہوں۔ مگر آہنی دیواریں بھی مضبوط قوت ارادی سے کام لے کر فتح کر لی جاتی ہیں۔ میں مسلسل کوشش کیے گیا۔ مجھے اپنا جسم دکھ کر پھوڑا بنتا محسوس ہوا۔ مگر میں اسے خاطر میں نہیں لایا۔ میں اپنی کوشش میں لگا رہا۔ پتا نہیں کتنا وقت لگا؟ مجھے وقت کا کوئی اندازہ نہیں رہا تھا بس یوں لگا جیسے بہت طویل عرصہ گزر گیا ہو۔ اس کے بعد آہنی دیوار کا ایک حصہ سرخ ہوتا محسوس ہوا جیسے شدید حرارت سے پگھلنے لگا ہو۔ یہ میری کامیابی کی ابتدا تھی۔ سرخ حصہ سفید ہوا اور پھر جیسے اچانک ہی دیوار کے پرخچے اُڑ گئے۔

''تم مجھے نہیں مار سکتے!'' کیشپ کی گھبرائی ہوئی آواز میرے ذہن میں گونجی۔ ''غور کرو...... میں نے تمہیں ایک چوہے سے شیر بنایا ہے...... کیا اسی لیے کہ تم میرے مقابلے پر آؤ۔''

''تم نے مجھے جو کچھ دیا کسی اچھی نیت سے نہیں دیا۔ اس کا انجام اچھا ہو بھی نہیں سکتا تھا۔'' میں نے کہا اور اپنی کوششوں کو اور تیز کر دیا میں نے ایک ہی حکم دہرانا شروع کر دیا۔ ''کیشپ تم کمزور پڑ رہے ہو...... کیشپ تم کمزور پڑ رہے ہو......''

''کیا بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی؟'' کیشپ کی آواز میں لجاجت آگئی۔

''نہیں......'' میں نے بلا جھجک کہا۔ اس کے ساتھ ہی اپنے پچھلے الفاظ دہراتا رہا۔

کچھ دیر بعد کیشپ کے چیخنے کی آواز میرے کانوں میں گونجی پھر مری مری آواز میں اسے کہا: ''ارسلان...... میرے بیٹے رحم، میں مر رہا ہوں بس کرو...... میں مر رہا ہوں۔''

میں نے اپنی کوشش میں کوئی کمی نہ کی۔ میرا اپنا حال برا تھا میں نے اس بارے میں کچھ نہیں سوچا۔ میرے پاس کچھ سوچنے کا وقت ہی نہ تھا۔ میرا کام ابھی پورا نہ ہوا تھا۔

میرے ذہن میں ایسی آوازیں آئی جیسے کیشپ دم توڑ رہا ہو۔ مگر میں ان چرکوں میں آنے والا نہ تھا۔ میں نے اپنی کوشش جاری رکھی آخر کافی دیر تک جب کوئی آواز نہ آئی میں نے سکوت توڑا۔

''کیشپ!'' میں نے حکم دینے کے انداز میں کہا۔

''ہاں'' مری مری سی آواز میرے ذہن میں گونجی۔

''تمہارا ذہن کسی بچے کی طرح کمزور ہو گیا ہے۔'' میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

جواب میں جو آواز میرے ذہن میں گونجی وہ کسی بھی طرح بوڑھے کیشپ کی نہیں ہو سکتی تھی۔ الفاظ ٹوٹے پھوٹے اور بچوں کی تتلاہٹ کا سا انداز لیے ہوئے تھے۔

میں نے اطمینان کا سانس لیا اور آخری حکم دیا۔ ''اب تمہارا ذہن کبھی ترقی نہ کر سکے گا ہمیشہ یوں ہی رہے گا۔''

اس کے ساتھ ہی میں نے کیشپ کے ذہن سے اپنا ذہنی رابطہ توڑ لیا۔

اس دن کے بعد سے کیشپ کو کسی نے ہوش میں نہیں دیکھا۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ کیشپ اپنی عمر کی مطابقت سے باتیں کرتا ہوا پھر کبھی نہیں دیکھا گیا۔

سروش خوش تھی کہ اسے اس کا ''بابا'' دوبارہ مل گیا تھا جو اس سے بہت مانوس تھا۔ اور بچوں کی طرح تتلا تتلا کر باتیں کیا کرتا تھا۔

یوں اس کی عمر نے زیادہ وفا نہیں کیا۔ وہ سال ڈیڑھ سال سے زیادہ نہیں جی سکا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں اسے خودکشی سمجھوں یا حادثہ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ وہ کسی خوش رنگ تتلی کے پیچھے بھاگا تھا اور تالاب میں گر گیا تھا پھر اناڑیوں کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا ہوا تالاب کی تہ میں بیٹھ گیا تھا۔ اسے جلد ہی پانی سے نکال لیا گیا تھا مگر وہ جاں بر نہ ہو سکا۔ بوڑھا جسم اس صدمے کو برداشت نہ کر سکا اور یوں کیشپ اپنے انجام کو پہنچا۔

میں یہ آخری سطریں لندن کے مشہور ہوٹل ''سیوائے'' کے ایک کمرے میں بیٹھا لکھ رہا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد مجھے بکنگھم پیلس میں ایلزبیتھ اور فلپس سے ملاقات کرنا ہے۔ میں اپنے دوستوں کی دعوت پر ہی یہاں آیا ہوں۔ سروش میرے ساتھ ہے لیکن میرا خیال ہے وہ

میرے ساتھ نہ ہوتی تو شاید بہتر ہوتا پھر میں اپنا ''حسن وعشق'' کا دیوتا ''اپالو'' والا رول کچھ بہتر طریقے پر انجام دے سکتا۔ مگر اب تک یہ بات تو صاف ہوگئی ہوگی کہ میں اپالو نہیں ہوں۔ یہ نام تو میں اپنی خود فراموشی کے دنوں میں اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔

میں ارسلان ہوں!

کالدیپ کا راج کمار...... جو اپنی سلطنت اپنے بھائی کو سونپ بیٹھا تھا۔

اور اب یورپ کے طویل تفریحی دورے پر کالدیپ سے نکلا تھا۔ سروش تیار ہوگئی ہے اور اہم دوستوں سے ملنے کے لیے مجھے بھی تیار ہونا ہے۔ اب اجازت دیں۔ رخصت۔

ختم شد